گفتۂ مجذوبؒ
حضرت خواجہ عزیز الحسن غوری مجذوبؒ
ترتیب و انتخاب
سوز شاہجہانپوری
ناشر
خواجہ فضل الحسن غوری

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

داغِ دِل چمکے گا بن کر آفتاب
لاکھ اس پر خاک ڈالی جائے گی

کشکولِ مجذوب

خسروِ بارگاہِ اشرفیہ

(خان بہادر) حضرت خواجہ عزیز الحسن غوری مجذوب رح
بی اے (علیگ) سابق ڈپٹی کلکٹر، انسپکٹر آف اسکولز (یو۔پی)

یکے از اکابر خلفائے مجدد الملت حکیم الامت حضرت مولانا شاہ محمد اشرف علی صاحب تھانوی نوراللہ مرقدہٗ

ناشر
خواجہ فضل الحسن غوری
نبیرۂ حضرت مجذوب رح

انتخاب و ترتیب
سوز شاہجہانپوری

مضامین

اشاعت اوّل ——— ۱۴۰۰ھ مطابق ۱۹۸۰ء

تعداد ——— ایک ہزار

کتابت ——— افتخار یزدانی

طباعت ——— ایجوکیشنل پریس، کراچی

قیمت ——— چالیس روپے ۴۰

ملنے کا پتہ ——— ۱۳۰- بریٹو روڈ، کراچی ۵

فون ۷۴۶۶۶

خواجہ مجذوبؒ حضرت تھانویؒ کی نظر میں

(منقول از اشرف السوانح)

حضرت والا نے ختم اشرف السوانح پر از راہ ذرہ نوازی اس احقر (مجذوبؒ) کو علاوہ دعاہائے فراواں کے ایک کلاہ بھی مرحمت فرمائی جس پر خود ہی یہ شعر تصنیف فرما کر کشیدہ کرا دیا ہے ؎

سندے برائے جامع آں اشرف السوانح
کز حسن جا گرفتہ در قلب و در جوانح

اس پر احقر (مجذوبؒ) بصد ادب عرض کرتا ہے ؎

من کہ باشم کہ براں خاطر عاطر گذرم
لطفہا میکنی اے خاک درت تاجِ سرم

(للعارف الشیرازیؒ)

کلاہِ گوشۂ دہقاں بآفتاب رسید
کہ سایہ بر سرش انداخت چوں تو سلطانے

(للشیخ الشیرازیؒ)

خواجہ صاحب کی شاعری کے متعلق حضرت حکیم الامت کا ارشاد گرامی۔

حضرت تھانویؒ نے فرمایا کہ جب کبھی مجھ کو خواجہ صاحب کا یہ شعر یاد آجاتا ہے تو کم از کم تین مرتبہ پڑھے بغیر سیری نہیں ہوتی ؎

ہر تمنا دل سے رخصت ہو گئی
اب تو آ جا، اب تو خلوت ہو گئی

ایک مرتبہ حضرت حکیم الامت نے خواجہ صاحب کی شاعری کے متعلق فرمایا کہ خواجہ صاحب تصوف کے دقائق وغوامض کو اپنے اشعار میں ادا کرتے ہیں مندرجہ بالا شعر کے متعلق ایک بار حضرت والا نے خواجہ صاحب سے فرمایا کہ اگر میرے پاس ایک لاکھ روپیہ ہوتا تو آپ کو اس شعر پہ دیتا۔"

○

حضرت تھانوی قدس سرہ کے ایک اور خلیفہ ارشد حضرت مولانا عبدالباری ندوی ان دونوں حضرات کے تعلقات کے ضمن میں تحریر فرماتے ہیں "یہ جانتا ہوں کہ حضرت خواجہ صاحب اور حضرت حکیم الامت کا تعلق بس وہی تھا جو امیر خسرو اور حضرت سلطان جی رحمہم اللہ کا تھا۔ وہ (خواجہ صاحب) حضرت کے مرید و محب ہی نہ تھے بلکہ محبوب بھی تھے جس کے مناظر کبھی کبھی مجلس میں دیکھنے میں آتے تھے۔ ایک مرتبہ میں حاضر تھا اور خواجہ صاحب پر حال طاری تھا بس مست ہو کر اپنا کلام سنانا شروع کیا تو دیر تک حضرت تھانوی سر جھکائے سنتے رہے۔ پھر جب دیکھا کہ ہمارے خواجہ صاحب کا جوش بڑھتا ہی جا رہا تھا تو نہایت محبت و شفقت کے انداز میں صرف اتنا فرمایا کہ بس اب بس کیجئے" باقی اصل چیز تو قابل صد رشک خواجہ صاحب کا قال نہیں حال تھا۔

شاہ عبدالغنی پھول پوری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ایک دفعہ خواجہ صاحب کا اور ہمارا لکھنؤ میں ساتھ ہوا۔ شہر کے اندر روا تسرائے کی آمد تھی استقبال کے لئے راستے کاغذی پھولوں سے سجائے گئے تھے۔ خواجہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے اس خوشحالی اور سجاوٹ کو دیکھ کر مجھ سے فرمایا کہ دنیا کے اس عارضی وفانی نقش ونگار پر اس وقت ایک شعر وارد ہوا ہے۔

رنگ رلیوں پہ زمانے کی نہ جانا اے دل
یہ خزاں ہے جو بہ انداز بہار آئی ہے

حضرت تھانوی قدس سرہ کے خلیفہ لطف رسول صاحب پر بعض مرتبہ اثرِ شعر سے اس قدر شدید کیفیت طاری ہوجاتی تھی ہاتھ پاؤں ٹھنڈے ہو جاتے تھے اور بے اختیار چیخنے لگتے تھے اور بسمل کی طرح تڑپنے لگتے تھے۔ ایک مرتبہ وہ خواجہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی دعوت پر منصوری پہاڑ پر تشریف لے گئے وہ چونکہ بہت نحیف ونازک مزاج تھے۔ چڑھائی زیادہ چڑھنی پڑی۔ اس لئے سفر سے بے حد تعب ہوا۔ عین تکان کی حالت میں جبکہ چڑھائی کے موقعہ پر سخت پریشاں تھے اور ناگواری میں حضرت خواجہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے شکایت فرما رہے تھے تو خواجہ صاحب نے یہ شعر پڑھا۔

یہ شکوہ بے وفائی کا یہ رونا کج ادائی کا
سزا ہے دل لگانے کی مزہ ہے آشنائی کا

بس یہ شعر سننا تھا کہ تکان وتعب سب بھول گئے جوش میں آکر ایک زور سے چیخ ماری اور وجد میں آکر رقص کرنے لگے۔

حضرت ڈاکٹر عبدالحی صاحب دامت برکاتہم فرماتے ہیں کہ حضرت خواجہ عزیز الحسن صاحب غوری مجذوب رحمۃ اللہ علیہ کے متعلق کیا تحریر کروں سمجھ میں نہیں آتا حالانکہ میرا اور ان کا خصوصی اور ذاتی تعلق ۱۹۱۴ء سے لے کر ۱۹۴۴ء تک یعنی ۳۰ سال تک رہا۔ مگر میں حیران ہوں کہ کس خصوصیت کا ذکر کروں وہ تو ایک عجیب و غریب ہستی تھے۔

گر مصور صورت آں دلستاں خواہد کشید
لیک حیرانم کہ نازش راچساں خواہد کشید

خواجہ صاحب فرشتہ سیرت اور فرشتہ صورت انسان تھے۔ نہایت زندہ دل اور بذلہ سنج۔ خداداد شاعر اور سراپا شعر مجسم جس جگہ اور جس مجلس میں بیٹھ جاتے تھے تو اپنے انداز شعر خوانی اور کیفیات باطنی سے سامعین کو مسحور اور مدہوش فرما دیتے تھے اور جب کبھی خلوت میں ذکر اللہ میں مشغول ہوتے تھے تو محسوس ہوتا تھا کہ در و دیوار وجد میں ہیں۔

حضرت خواجہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ اپنے مرشد قدس سرہ العزیز کی وفات کے بعد یہ شعر بڑے والہانہ انداز سے پڑھا کرتے تھے۔ وہی شعر میں اب ان کے لئے پڑھا کرتا ہوں۔

محبت کی پُرپیچ راہوں سے آ کر
کہاں چھپ گئے اپنا جلوہ دکھا کر

حضرت مولانا ظفر احمد عثمانی صاحب فرماتے ہیں کہ حضرت خواجہ عزیز الحسن مجذوب رحمۃ اللہ علیہ اہل دل کی نظر میں عارف کامل تھے جن پر عشق و محبت کا بہت غلبہ تھا۔ فنا فی الشیخ کا درجہ حضرت حکیم الامت کے خلفاء میں ان ہی کا خاص حصہ تھا۔ خسرو بارگاہ اشرفیہ مشہور ہیں جیسے امیر خسرو حضرت سلطان نظام الدین کے خدام میں سے ہیں شاعری کے ساتھ فنا فی الشیخ تھے یہی حال خواجہ صاحب کا تھا شاعر بھی تھے فنا فی الشیخ بھی۔

حضرت مولانا مفتی محمد حسن صاحب رحمۃ اللہ علیہ اس قطعہ کے متعلق فرماتے تھے کہ "میں چاہتا ہوں کہ خواجہ صاحب کے اس شعر کو سونے کے پانی سے لکھوادوں"۔

بہرِ غفلت یہ تری ہستی نہیں
دیکھ جنت اس قدر سستی نہیں
رہ گذر دنیا ہے یہ بستی نہیں
جائے عیش و عشرت و مستی نہیں

○

حضرت مولانا سید سلیمان ندوی رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں اُن کا دوسرا وصف خاکساری و تواضع تھا چپراسیوں کے ساتھ بیٹھ کر کھانا کھاتے۔ بازار سے چیز خرید کر اپنے ہاتھ سے اٹھا کر لانے میں تامل نہ تھا۔ اس قسم کے کام جو لوگ اپنے لئے توہین سمجھتے تھے اس بے تکلفی سے انجام دیتے تھے کہ چہرہ پر میل نہ آتا تھا اس سے زیادہ یہ کہ وہ انسپکٹر آف اسکولز ہیں۔ ساتھ میں متعدد ماسٹر اور اسکولوں کے ہیڈ ماسٹر ہیں۔ اور وہ چلتے ہوئے خود بازار سے کوئی مٹھائی یا کھانے کی چیز خریدتے ہیں خود بھی کھاتے ہیں اور ان کو بھی کھلاتے ہیں۔ فرماتے تھے کہ میرے لئے یہ سادہ اسلامی شکل و صورت تحقیر کی بجائے عزت کا سامان بن گئی ہے۔ انگریز افسر بھی عزت کرتے ہیں۔ دیانت دار سمجھتے ہیں۔ ہمیشہ انہوں نے میرے کلام کو پسند کیا ہے۔ سرکار نے بے وجہ خان بہادر نہیں بنایا۔ ترقی پر ترقی دی اور کسی موقع پر بھی میری داڑھی اور لمبا کرتا میری کسی ترقی میں حارج نہیں ہوا۔

○

حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب تحریر فرماتے ہیں " ایک سفر میں دوپہر کے کھانے پر متعدد احباب جمع تھے اور خواجہ صاحب اپنی عادت کے مطابق اشعار پڑھنے میں مست تھے کیوں کہ خواجہ صاحب کے اکثر اشعار ان کے حالات و مواجید کی پیداوار ہوتے تھے جب ان کو پڑھتے تو خود بھی وجد کی کیفیت طاری ہوتی تھی

اور سننے والوں پر بھی۔ اشعار کے ساتھ دوستانہ بے تکلفی ہنسی دل لگی کا سلسلہ بھی کچھ دیر تک چلتا رہا۔ اس کے بعد خواجہ صاحب نے اچانک مجھ سے سوال کیا کہ بتلاؤ اس وقت کس کو ذکر اللہ سے غفلت ہوئی۔ ہم نے کہا کہ ہم تو غفلت میں مبتلا تھے۔ خواجہ صاحب نے فرمایا الحمدللہ مجھے غفلت نہیں ہوئی اس وقت اندازہ ہوا کہ خواجہ صاحب خلوت در انجمن کے صحیح مصداق اور قوی نسبت کے حامل تھے کہ اتنی طویل ہنسی دل لگی کے درمیان بھی وہ ذکر اللہ سے غافل نہیں ہوئے۔"

○

حضرت مولانا خیر محمد جالندھری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: "جالندھر قیام کے بعد ہم امرتسر جا رہے تھے۔ اسٹیشن پر جا کر معلوم ہوا کہ گاڑی لیٹ ہے۔ حضرت خواجہ صاحب حسبِ عادت شعر سنانے میں مصروف تھے کہ اسٹیشن ماسٹر آگیا جو ہندو تھا۔ اس نے چند منٹ حضرت خواجہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا کلام سُن کر کہا کہ گاڑی لیٹ ہے آپ حضرات کے لئے میں ویٹنگ روم کھول دیتا ہوں۔ اس میں بیٹھ جائیں چنانچہ ہم سب لوگ ویٹنگ روم میں بیٹھ گئے اور خواجہ صاحب کا سلسلہ کلام جاری رہا یہاں تک کہ انہوں نے اس ہندو اسٹیشن ماسٹر کے سامنے پیغام بیداری کے چند بند بھی پڑھے۔"

اس پر ہندو اسٹیشن ماسٹر نے کہا۔

"یہ شخص جہاں رہتا ہوگا وہاں تو آگ لگا دیتا ہوگا اور یہ بھی کہا کہ جی تو چاہتا ہے کہ ملازمت ترک کر کے اس کے ساتھ رہوں۔"

○

حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کے مجاز صحبت حضرت مولانا منظور احمد صاحب تحریر فرماتے ہیں "خواجہ صاحب کی اولین ملازمت، ڈپٹی کلکٹری کا گریڈ ۲۵۰-۲۵-۵۰۰، ابتدائی اسکیل تھا۔ خواجہ صاحب کو شروع میں سود کے مقدمے طے کرنے کے

لئے دیئے گئے مگر خواجہ صاحب نے کبھی سود کی ڈگری نہیں دی ہمیشہ اصل کی ہی دی۔ چونکہ ایسا فیصلہ سرکاری قانون کے مطابق نہ تھا اس لئے مقدمات نظرثانی یا اپیل کی ہی زد میں آتے تھے۔ ان کی بدنامی کا بھی خطرہ تھا۔ حضرت تھانویؒ سے عرض کی کیا کروں؟ اگر سرکاری قانون پر چلوں تو اللہ تعالیٰ ناراض اور شرعی قانون پر چلوں تو حکومت ناراض۔ حضرت نے مشورہ دیا کہ اپنی خدمات کسی دوسرے محکمے میں منتقل کروالو۔ ڈی۔ پی۔ آئی الہ آباد نے کلکٹر سے خواجہ صاحب کے متعلق پوچھا کہ ان کا کام کیسا ہے اور وہ کیسے ہیں؟ جواب دیا گیا کہ نہایت ایمان دار و جفاکش ہیں مگر مذہبی مالیخولیا میں مبتلا ہیں۔ حضرت قدس سرہ نے فرمایا کہ آپ کے مذہبی ہونے کی کافر نے بھی تعریف کی۔" ڈی۔ پی۔ آئی الہ آباد نے کہا کہ ہم ان کو ۲۵۰ روپے کی تنخواہ جو بطور ڈپٹی کلکٹر دے رہے ہیں اپنے محکمہ میں نہیں دے سکتے۔ نہ ہمارے ہاں فی الحال کوئی جگہ اس گریڈ کے افسر کی خالی ہے۔ فی الحال ہم آپ کو ڈپٹی انسپکٹر مدارس کی ملازمت دے سکتے ہیں اور ابتدائی اسکیل کی تنخواہ ایک سو پچاس روپیہ ماہوار ملے گی۔ خواجہ صاحب نے اپنی رضامندی لکھ کر حکومت کو دے دی۔ ڈپٹی انسپکٹری ملنے پر ان کے ایک دوست، جو خود ڈپٹی کلکٹر (لے۔ ڈی۔ ایم) تھے خواجہ صاحب کو طعنہ دینے لگے انسان تو ترقی کی سوچتا ہے اور آپ نے تنزل کیا؟ تین سو پچاس روپے کی ملازمت چھوڑ کر ایک سو پچاس روپے کی ملازمت لے لی۔ خواجہ صاحب نے فرمایا ؎

کہنے کا تیرے ہم نشیں مانا میں بُرا نہیں
صاحبِ نظر کے سامنے ہائے ابھی پڑا نہیں

مطلب یہ تھا کہ لے ڈپٹی کلکٹر صاحب آپ ابھی حضرت تھانویؒ کے سامنے نہیں آئے ورنہ اس مجلس میں بیٹھ کر آپ کی حالت بھی میری ہی جیسی ہوتی"۔

حضرت علامہ سید سلیمان ندویؒ تحریر فرماتے ہیں" ان کی جان پہچان کی پہلی ملاقات نواب سید حسن علی مرحوم (بھوپالی) کے ہاں ان کے مکان بھوپال ہاؤس لکھنؤ میں ہوئی۔ کیا دیکھتا ہوں کہ ایک بزرگ خواجہ خضر کی صورت، دراز قد، گورا رنگ، لمبی سفید داڑھی، گول میرٹھی ٹوپی پہنے اور پرانے زمانے کی اچکن، پرانے ماڈل کی گاڑی چلاتے ہوئے آئے اور سامنے گاڑی روک کر اترے۔ سب نے سروقد تعظیم کی آیئے خواجہ صاحب، دل نے کہا یہ ضرور خواجہ عزیز الحسن غوری مجذوب ہیں۔ اس حقیر کا بھی تعارف ہوا۔ لطف فرمایا۔

اس کے بعد جب قسمت نے خواجہ صاحب سے خواجہ تاشی کی نسبت کی سعادت بخشی تو تعارف نے ملاقات نے ان کے ساتھ عقیدت اور عقیدت نے محبت کی شان پیدا کی۔

حضرت حکیم الامتؒ کے مجاز صحبت حضرت بابا نجم احسن صاحبؒ اپنے تاثرات ان الفاظ میں ادا کرتے ہیں۔ اپنے حلقے میں جہاں کہیں خواجہ صاحب ہوتے تو بس وہی وہ ہوتے تھے حضرت اقدس سرہ کے اجل سے اجل اور قدیم سے قدیم خلفاء کے گروہ میں بھی خواجہ صاحب کی شخصیت وہ تھی جو انہیں کے الفاظ میں یوں ظاہر ہوتی تھی کہ ؎

جب مہر نمایاں ہوا سب چھپ گئے تارے
تو مجھ کو بھری بزم میں تنہا نظر آیا

حضرت مولانا عبدالماجد دریا آبادی صاحب تحریر فرماتے ہیں.

خواجہ صاحب میرے بڑے ہی کرم فرما تھے۔ برسوں تعلقات بڑے ہی شگفتہ رہے۔ ۱۵۔۲۰ سال کی مدت تو ضرور ان تعلقات کی رہی ہوگی. بڑے اچھے انسان سادہ عادات کے پوری کمشنری کے انسپکٹر آف اسکولز تھے مگر مزاج میں تمکنت کا نام نہیں۔ وضع قطع میں ایسے کوئی پہچان نہیں سکتا کہ اتنے بڑے افسر ہیں. خاکساری اور فروتنی کے پتلے۔ بڑے ہی اچھے شاعر اور شاعری بھی بیاتے مست. جہاں شعر پڑھنا شروع کر دیتے بس نہ وقت کا ہوش رکھتے نہ کھانے پینے کا. اگر کہیں کھڑے ہیں تو بس کھڑے ہی رہ گئے۔ لکھنؤ میں شعر خوانی میں ۷۔۸ گھنٹے گزار کر صبح کر دی. ہوش بس نماز فجر کے وقت آیا. اپنے شیخ کے عاشق صادق تھے. تخلص مجذوب۔ شیخ کا ہی عطا کردہ تھا. واقعتہً بھی کچھ نیم مجذوب سے تھے. مولانا تھانوی کے خلیفہ مجاز تو تھے ہی مولانا کے عاشقوں کے بھی سرگروہ تھے. چہرہ بڑا نورانی اور اس سے بھی بڑھ کر اپنے سرکاری کام میں مروت یا کسی ذاتی اثر کا ذرا دخل نہ آنے دیتے تھے یہ ایک کرامت ہی تھی۔ سیدھے جنتی بہشتی تھے.

ایک بار شبلی منزل میں حضرت مولانا شاہ عبدالغنی صاحب رحمۃ اللہ علیہ شاہ وصی اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ حضرت علامہ سید سلیمان ندوی رحمۃ اللہ علیہ اور مولانا مسعود علی ندوی رحمۃ اللہ علیہ جیسے اکابر کا اجتماع ہوا. خواجہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ بھی موجود تھے۔ وہاں کے مشہور شاعر جناب سہیل صاحب مرحوم بھی تھے حضرت خواجہ صاحب نے اپنی غزل پڑھی جس کا ایک شعر یہ ہے۔

یہ کون آیا کہ دھیمی پڑ گئی لَو شمع محفل کی
پتنگوں کے عوض اڑنے لگیں چنگاریاں دل کی

یہ شعر پڑھ کر سہیل صاحب سے دریافت فرمایا کہ کچھ سمجھ میں آیا عرض کیا حضرت دماغ کا یہاں کام نہیں ہے. اہلِ دل ہی اس کلام کو سمجھ سکتے ہیں حضرت مولانا عبدالغنی پھولپوری رحمۃ اللہ علیہ نے اس شعر کے متعلق فرمایا "اس شعر سے پتہ چلتا

ہے کہ اس وقت خواجہ صاحب کے قلب پر کسی خاص تجلی ربانی کا ظہور تھا۔

مولوی عبدالوحید خاں، خواجہ ولی الحسن غوری (ابن مجذوب) سید احمد رضا بلگرامی اور راقم السطور حضرت حافظ عبدالولی صاحب (سابق ناظم ریاست کپورتھلہ، مجاز صحبت حضرت تھانوی رح) کی خدمت میں حاضر تھے اور خواجہ مجذوب رح کا ذکر خیر ہو رہا تھا کہ دفعتاً حافظ صاحب کچھ دیر کے لئے خاموش ہو گئے اور اس کے بعد ارشاد فرمایا کہ جب میں خواجہ صاحب کی قبر پر حاضر ہوا تو بعد عصر کا وقت تھا میں مغرب کے وقت تک وہیں رہا۔ وہاں ایک چھوٹی سی مسجد بھی تھی، مغرب کی نماز اُسی مسجد میں ادا کی اس کے بعد واپسی کے قصد سے چند قدم چلا تھا کہ یہ مصرعے کانوں میں گونجنے لگے ؎

سختی رہ سے نہ ڈر ہاں! اک ذرا ہمت تو کر
گامزن ہونا ہے مشکل راستہ مشکل نہیں
کام کو خود کام پہنچا دیتا ہے انجام تک
ابتدا کرنا ہے مشکل انتہا مشکل نہیں

اس کے بعد تو یہ عالم ہو گیا کہ میں کچھ دور چلتا تھا اور شدتِ اثر سے پھر قبر کی طرف واپس لوٹتا تھا اور پھر جانے کے ارادے سے کچھ دور چلتا تھا تو شعروں کی گونج میں اور اضافہ ہو جاتا تھا غرض یہ کہ اس کش مکش میں تقریباً عشاء کا وقت آ گیا اور میں اپنے اوپر انتہائی جبر کرکے واپس لوٹا۔

(مرتب)

کچھ عرصہ گذرا کہ مولوی عبدالوحید خاں، خواجہ ولی الحسن، سیّد احمد رضا بلگرامی اور راقم السطور حضرت محسنؔ کاکوروی کے پوتے مولوی محمد حسن صاحب کاکوروی ،

(سابق مالک انوار بک ڈپو لکھنؤ) مجازِ صحبت حضرت تھانویؒ کی خدمت بابرکت میں حاضر تھے خواجہ صاحب کی باتیں ہو رہی تھیں موصوف نے فرمایا کہ ایک بار ہم لوگوں کو اعلیٰ نسل کی مرغیاں پالنے کا شوق ہوا (واضح رہے کہ ایک زمانے میں خواجہ صاحب اور موصوف لکھنؤ میں بازار نخاس کے قریب ایک دو منزلہ مکان میں ساتھ ہی ساتھ رہا کرتے تھے) اتفاق سے ان مرغی مرغا میں ایک خطرناک قسم کا مرغ بھی آ گیا۔ اور اب سنئے اس مرغ میں عیب یہ تھا کہ پاس آنے والے کے اس زور سے لات مارتا تھا کہ زخمی کر دیتا تھا۔ اسی دوران ایک دن اُس موذی نے خواجہ صاحب کو بھی زخمی کر دیا لہٰذا آپ نے اس کو فروخت کرنے کا فیصلہ کیا لیکن یہ کام اپنے کسی ملازم کے سپرد کرنے کے بجائے خود مرغ کو بغل میں دبا کر بازار تشریف لے گئے میں بھی ساتھ تھا وہاں جو بھی اس کی قیمت دریافت کرتا تھا اسے اپنی زخمی پنڈلی دکھا کر بتلا دیتے تھے کہ اس میں یہ عیب بھی ہے کہ لات مار کر پاس آنے والوں کو بُری طرح زخمی کر دیتا ہے۔ (مرتّب)

○

حضرت مولانا محمد داؤد یوسف فرماتے ہیں کہ خواجہ صاحب نے دفتر کی قلم دوات سے کبھی اپنا ذاتی خط نہیں لکھا' نہ دفتر کے چپراسی سے کوئی ذاتی کام کروایا نہ ذاتی کام کے لئے دفتر کی کرسی میز یا فرنیچر استعمال کیا۔

مولوی محمد حسن صاحب نے ایک واقعہ اور بیان فرمایا۔ ایک مرتبہ محبوب نے (خواجہ محبوب الحسن غوری برادر بزرگ خواجہ ولی الحسن غوری) ہوائی بندوق سے

کبوتر مارا خواجہ صاحب کچہری سے گھر آئے تو معلوم ہوا کہ ان کے صاحبزادے نے ہوائی بندوق سے کبوتر مارا ہے۔ نشانہ صحیح لگنے سے بہت خوش ہوئے مگر یکدم گھبرا کے کہنے لگے کہ دکھاؤ تو وہ کبوتر پالتو ہے یا جنگلی؟ دیکھا تو پالتو تھا پریشان ہوکر کبوتر ہاتھ میں لے کر گھر گھر پوچھتے پھرے کہ یہ کبوتر کس کا ہے جب مالک کا پتہ چل گیا تو کبوتر کی قیمت دے اور معافی مانگ کر معاملہ ٹھیک ٹھاک کیا تب کہیں جاکر چین سے بیٹھے۔ جب معائنہ کے لئے دورے پر جاتے تو آدھے راستہ خود گھوڑے پر سوار ہوتے آدھے راستہ پر چپراسی۔ جب کسی اسکول میں خیمہ زن ہوتے تو حالت یہ ہوتی کہ چپراسی آٹا گوندھ رہا ہے تو خواجہ صاحب آگ پھونک رہے ہیں۔ کسی کو پاس نہیں آنے دیتے تھے تاکہ کل معائنہ میں اس کی بے جا رعایت نہ کرنی پڑے۔

○

حضرت مولانا فقیر محمد صاحب خلیفۂ مجاز حضرت حکیم الامت رح کے تاثرات۔

ایک مرتبہ حضرت تھانوی رح کی علالت کے دوران رات کو بطور تیماردار میں حضرت کی خدمت میں حاضر رہتا تھا اور میں روز یہ دیکھتا تھا کہ نماز فجر کے بعد سب سے پہلے آنے والے حضرت خواجہ مجذوب رح ہوتے تھے اور بڑی بیتابی سے حضرت والا کی خیریت پوچھتے تھے اور جب یہ سنتے تھے کہ الحمدللہ رات آرام سے گذری تو نہال ہوجاتے تھے ایسا معلوم ہوتا تھا کہ دونوں جہاں کی دولت مل گئی ہے اور جس دن یہ معلوم ہوتا تھا کہ رات کرب اور بے چینی میں گذری تو بہت پریشان اور اداس ہو جاتے تھے۔ حضرت والا کے سانحۂ ارتحال کے کئی دن بعد جب میں حضرت کی قبر پر پہنچا تو حضرت خواجہ صاحب موجود تھے اور گریہ طاری تھا مجھے دیکھا تو دوڑ کر لپٹ گئے۔ جب ذرا طبیعت قابو میں آئی تو فرمایا کہ اب زندگی زندگی نہیں رہی۔ شدت گریہ

سے میرا بھی برا حال تھا حضرت خواجہ صاحب مجھے لے کر حضرت چھوٹی پیرانی صاحبہ کی خدمت میں پہنچے اور وہاں عرض کیا کہ ان پر رقت کا بہت غلبہ ہے آپ ان کی تسلی فرما دیجیے۔

حضرت کے تمام خلفا اور معتقدین حضرت والا کے بعد خواجہ صاحب کی طرف متوجہ ہو گئے تھے اور تمام تر عقیدت مندیاں خواجہ صاحب کی طرف مرکوز ہو گئی تھیں اور خود حضرت خواجہ صاحب کا یہ حال تھا کہ ایک ساعت ایک لمحہ کسی جگہ قرار نہ تھا آج یہاں کل وہاں آج اس شہر میں کل اُس بستی میں غرضکہ بقیہ مختصر زندگی یں اسی طرح مارے مارے پھرتے رہے۔ اور خود اپنے اس شعر کے مصداق بن گئے تھے ؎

کوئی مزا مزا نہیں کوئی خوشی خوشی نہیں
تیرے بغیر زندگی موت ہے زندگی نہیں

خواجہ صاحب کا کلام سُن کر مجھ پر وجد کی کیفیت طاری ہو جاتی تھی رقت کا شدید غلبہ ہوتا تھا اُن کے کلام میں دربار خداوندی کی حضوری اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی قربت نظر آتی تھی۔ وحدۃ الوجود اور وحدۃ الشہود کے انوار نظر آنے لگتے تھے۔ خصوصاً اس قسم کے اشعار جیسے ؎

ہر تمنا دل سے رخصت ہو گئی
اب تو آ جا اب تو خلوت ہو گئی

اسی طرح کے اشعار کو تو خود حضرت تھانوی رحؒ نے سند قبولیت عطا فرمادی ہے۔ ہم سب کا یہ حال تھا کہ ہمہ وقت جی یہ چاہتا تھا کہ خواجہ سے قریب رہیں مگر خود خواجہ صاحب کا یہ حال تھا کہ وہ شیخ کی طرف رجوع رہتے تھے۔ حضرت مولانا مفتی محمد حسن صاحب رحؒ امرتسری فرماتے تھے کہ بس! اب صرف حضرت خواجہ صاحب ہی ہمارے شیخ رہ گئے ہیں۔

شاہ معین الدین احمد ندوی تحریر فرماتے ہیں۔

تقریباً ۱۹۳۵ء کا ذکر ہے کہ راقم الحروف کسی ضرورت سے لکھنؤ گیا۔ ایک دن مخدومی قطب میاں سے ملنے فرنگی محل جانا ہوا۔ اس وقت ان کے پاس ایک فرشتہ صورت اور مجذوب صفت بزرگ بڑے والہانہ انداز میں زمزمہ سنجی میں مصروف تھے۔ دو چار شعر ہی سنے ہوں گے کہ کلام کی خوبی نے اپنی جانب متوجہ کرلیا اور تا آنکہ ختم مجلس کے وقت دل کلام کی تاثیر سے معمور اور زبان اس کے اعتراف پر مجبور تھی لیکن اس مختصر صحبت سے ذوق کو تسکین نہ ہوئی بلکہ آتشِ شوق اور بھڑک اٹھی۔ اتفاق سے اس شب کو کسی تقریب کے سلسلہ میں قطب میاں کی جانب سے دعوت تھی۔ موصوف نے مجھے بھی مدعو کیا۔ اس دعوت میں خواجہ صاحب اور دوسرے عمائد شہر بھی شریک تھے۔ کھانے سے فراغت کے بعد محل سرا میں خواجہ کا جام گردش میں آیا اور نو دس بجے سے لے کر صبح صادق تک برابر موصوف کی شعر خوانی کا سلسلہ جاری رہا۔

○

حضرت مفتی محمد شفیع صاحب تحریر فرماتے ہیں۔ حضرت خواجہ صاحب رحمۃ اللہ بڑے پایہ کے قادر الکلام اور مسلم الثبوت شعراء میں سے ہیں۔ ان کے ہزاروں اشعار ادبی دُنیا کے بڑے بڑے ماہرین سے خراج تحسین حاصل کر چکے ہیں۔ ان سے جب کوئی کہتا کہ آپ اپنے اشعار اور غزلیں نظر ثانی کر کے دے دیجئے تاکہ مرتب ہو جائے تو فرما دیتے تھے کہ میاں کبھی دیوانوں کا بھی دیوان مرتب ہوا ہے۔

حضرت تھانوی قدس سرہ نے خواجہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے اشعار کے بارے میں فرمایا تھا کہ خواجہ صاحب تصوف کے دقائق و غوامض کو اپنے اشعار میں ادا کرتے ہیں۔

حضرت تھانوی فرماتے تھے کہ "خواجہ صاحب کے تمام اشعار ان کا حال ہیں"۔

تھانہ بھون میں ایک مرتبہ ملیریا کی شدت ہوئی۔ خواجہ صاحب بھی بیمار پڑے۔ حضرت علامہ سید سلیمان ندوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ دودھ کے سوا کوئی غذا نہ کھایئے کہ غذا کی بے احتیاطی سے بخار بگڑ کر موسمی ہو جاتا ہے۔ انہوں نے درخواست منظور کرلی۔ بخار کچھ کم ہوا تو گھر جانے کا ارادہ کیا۔ صبح کے وقت حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ خلاف معمول خانقاہ میں تشریف لائے۔ اپنے لئے کھچڑی تیار کرائی تھی وہ آئی۔ جب خواجہ صاحب رخصت ہونے لگے اور واپس آئے تو حضرت سید صاحب نے پوچھا کہ کچھ کھایا تو نہیں؟ فرمایا میں نے حضرت کے ساتھ کھچڑی کھالی۔ وہ انشاء اللہ مضر نہ ہوگی۔ ایسی برکت کی چیزیں کہاں ملتی ہیں۔ عین رخصت کے وقت حضرت سید صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے دیکھا کہ خواجہ صاحب بچوں کی طرح دوزانو ہو کر حضرت کے زانو پر سر رکھ کر کہہ رہے تھے کہ حضرت میرے حسن خاتمہ کی دعا فرمائیں اور حضرت تسلی فرماتے جا رہے تھے۔

○

ڈاکٹر منظور احمد موجی صاحب شیخ و مرید کے تعلقات کے ضمن میں تحریر فرماتے ہیں۔

حضرت مجذوب کو اپنے مرشد برحق سے والہانہ شیفتگی تھی اور انہیں فنافی الشیخ کا درجہ حاصل تھا۔ شیخ کی بارگاہ میں اُن کو بڑی مقبولیت اور محبوبیت حاصل تھی جس کے اشارے کہیں کہیں اُن کے کلام میں بھی پائے جاتے ہیں مثلاً ؎

مجذوبؔ کو تو لاتے وہ ہمراہ بزم میں
اور سالکوں کو دُور سے رستے بتا دیئے

حضرت نظام الدین اولیا اور امیر خسروؒ کے ربط و تعلق کے جو واقعات سُننے اور پڑھنے میں آتے ہیں اس کی زندہ مثال حضرت مجذوب اور اُن کے مرشد کے تعلق میں نظر آتی ہے۔ حضرت مجذوب شیخ کی شراب عشق میں سراپا مخمور تھے اور ان کا ہر موئے بدن شیخ کی ثنا و صفت کا ایک شعر تھا جس پر ان کا کلام شاہد ہے۔

○

مولوی عبدالوحید خاں[1] صاحب فرماتے ہیں کہ حضرت والا خواجہ صاحب کے کلام کے متعلق فرماتے تھے کہ خواجہ صاحب کے کلام میں اثر ہے میرا دل چاہتا ہے کہ ان کا کلام طبع ہو جائے۔ اسی سلسلے میں بعد نماز جمعہ ۱۶ ستمبر ۱۹۳۸ء بمقام لکھنؤ یہ بھی فرمایا کہ خواجہ عزیز الحسن مجذوب جب اشعار پڑھتے ہیں تو مدہوش ہو جاتے ہیں خواجہ صاحب کا کلام واقعی کلام ہے مسائل تصوّف خوب بیان کرتے ہیں میں نے رائے دی تھی کہ ان کے کلام کو جمع کر کے شائع کر دیا جائے اور جن اشعار میں مسائل تصوّف کی طرف اشارہ ہے ان کی بقدر ضرورت شرح بھی کر دی جائے[2]

---

[1] مولوی عبدالوحید خاں صاحب خواجہ صاحب کے شیدائیوں میں ہیں اور حضرت حکیم الامت مولانا تھانویؒ سے بیعت کا شرف بھی حاصل ہے اور حضرت والا کی مجالس اور مخصوص صحبتوں میں برابر حاضر رہے ہیں حضرت تھانویؒ نے افاضات الیومیہ میں اکثر خانصاحب کا ذکر فرمایا ہے۔

[2] اس پہلی اشاعت میں تو یہ کوتاہی ہوگئی ان شاء اللہ دوسرے ایڈیشن میں حضرت حکیم الامت کے اس ارشاد گرامی کی اپنی بساط بھر تعمیل کی جائے گی۔ (مرتب)

خان صاحب موصوف نے یہ بھی فرمایا کہ حضرت حاجی حق دادؔ خان صاحبؒ جو حضرت کے ابتدائی خلفاء میں ایک بلند مقام رکھتے ہیں اکثر فرمایا کرتے تھے کہ حضرت خواجہ صاحب عشقِ شیخ میں بڑا مقام رکھتے ہیں یوں سمجھو کہ حضرت والا کی محبت کے اگر دس حصے کرو تو نو حصے حضرت خواجہ صاحب کے اور ایک حصے میں ہم سب ہیں۔

کچھ اقتباسات پروفیسر احمد سعید تھانوی کی کتاب ذکرِ مجذوبؒ سے ماخوذ ہیں۔ (مرتب)

لہ حضرت حاجی حق داد خان صاحب کا قیام مولوی گنج لکھنؤ میں مسجد خواص کے سامنے تھا وہیں انتقال فرمایا حضرت حافظ عبدالولی صاحب کو انہیں سے اجازت بیعت تھی اور حبیب الحسن خان شیروانی بھی انہیں سے بیعت تھے (مرتب)

خود نوشت

اس خاکسار ذرۂ بے مقدار ناکام و گمنام کا نام عزیز الحسن ہے۔ میرے اہلِ خاندان اپنے آپ کو خواجہ غوری اسلئے کہتے ہیں کہ ہمارے اجداد میں سے بعہد شاہ ہمایوں ایک صاحب الہ داد ابنِ خواجہ غوری تھے جن کا کتبہ ہمارے قصبہ کی مسجد میں بحیثیت بانی مسجد کے لگا ہوا ہے اور انہیں کے نام سے ہماری آبائی جائداد تھوک الہ داد کہلاتی ہے اور یہی نام اس جائداد کا کاغذات دیہی میں بھی درج ہے نیز جس محلہ میں ہم لوگ رہتے ہیں وہ محلہ بھی غوری پاڑہ کے نام سے مشہور چلا آتا ہے اور ہم لوگوں کا قصبہ آصف آباد عرف ندبی بھی جو راجپوتانہ کی ریاست بھرت پور میں واقع ہے۔ حسب اخبار و آثار سلطان شہاب الدین غوری فاتح ہندوستان کے زمانہ سے آباد ہے۔

چنانچہ میں نے ایک ثقہ اہلِ وطن سے یہ روایت سُنی تھی کہ جب سلطان شہاب الدین غوری نے راجپوتانہ کا یہ حصہ فتح کیا تو ان کے ہمراہی لشکری اور امراء اسی نواح میں بارہ مختلف مقامات پر آباد ہو گئے اور وہ بارہ بستیاں مسلمانوں کی اب تک موجود ہیں جن میں سے ایک ہمارا قصبہ بھی ہے۔ جس میں مختلف قبیلوں کے مختلف محلے ہیں۔ مثلاً غوری پاڑہ، بہلیم پاڑہ، سید پاڑہ وغیرہ وغیرہ کیونکہ لشکر میں مختلف قبیلوں کے لوگ تھے اور انہیں بارہ بستیوں میں سے قصبہ بیانہ بھی ہے جو ایک مشہور تاریخی مقام ہے اور جہاں کثرت سے معرکہ آرائیاں ہوئی ہیں اور جو ایک بہت بڑا گنج شہیداں سمجھا جاتا ہے۔

پُرانے کاغذات میں ہمارے قصبہ کا نام آصف آباد درج ہے اور ایک قبر بھی

بانیٔ قصبہ آصف الدولہ کی کہی جاتی ہے۔

ہمارے قصبہ کا پُرانا ہونا اس سے بھی ظاہر ہے کہ مقبروں، مسجدوں اور کنووَں میں بابر، ہمایوں، اکبر۔ اورنگ زیب وغیرہ پرانے بادشاہوں کے زمانے کے بہت سے کتبے اب تک موجُود ہیں جن کو بھائی صاحب مرحوم نے ایک جگہ نقل کراکے طبع بھی کرالیا تھا۔ نیز اہل برادری کے پاس جن میں قاضی اور چودھری اور پٹیل بھی شامل ہیں۔ بہُت پُرانے پُرانے فرامینِ شاہی موجُود ہیں۔ ایک قبر کے کتبہ میں مجھے بہت دن کے دیکھے ہُوئے یہ الفاظ بھی یاد ہیں (شہید شد در کالنجر) ان الفاظ سے پہلے نام بھی درج تھا جو اس وقت یاد نہیں آتا۔ غالباً ابراہیم تھا۔ اس نام کے آگے عزی اور ہفت ہزاری بھی لکھا ہوا تھا اور ہمارے قبرستان میں ایک قبر پر خوند میاں خواج لکھا ہوا تھا۔ ہمارے قصبہ میں ایک پُرانا مزار بھی خواجنی پیر کے نام سے مشہور ہے۔ کہا جاتا ہے کہ صاحبِ مزار ایک بزرگ تھے جن کا نام خواجہ نوح تھا۔ غرض یہ قصبہ شرفار کی ایک پُرانی بستی ہے جو کسی زمانہ میں بہت آباد تھی۔ لیکن اب ویران ہے کیونکہ اکثر لوگ بہ سلسلۂ روزگار ریاست جھالرا پاٹن میں جاکر بس گئے ہیں۔ جہاں محلے کے محلے ندبیٔ والوں کے آباد ہیں۔

میرا آنا جانا اور رہنا وطن میں بہت کم ہوا ہے کیونکہ میرے والد ماجد مولوی خواجہ عزیز اللہ صاحب مرحوم جن کی وفات کا مادۂ تاریخ "مغفور" ہے۔ بہ سلسلۂ وکالت اورئی ضلع جالون میں رہنے لگے تھے اور میری پَیدائش بھی وہیں کی ہے۔ اور وہ مقام اب تک ہم لوگوں کا وطن ثانی بنا ہوا ہے۔ گو رشتہ داریاں اہلِ وطن ہی میں ہوتی ہیں۔ جناب والد صاحب مرحوم و مغفور اورئی کے دو مقتدر ترین وکلار میں سے تھے جن میں سے ایک ہندو تھے۔ اکثر یہ ہوتا تھا کہ اگر کسی مؤکل نے ایک کو اپنا وکیل کیا تو اُس کے مقابلہ میں دوسرا فریق دوسرے کو ضرور کرتا تھا۔

والد صاحب کبھی کمزور اور جھُوٹے مقدمات نہ لیتے تھے اور بہت محنت کے ساتھ مقدمہ کی تیاری کرتے تھے۔ احقر نے خود دیکھا ہے کہ لیٹے ہوئے مسل کو پڑھتے جاتے ہیں اور بار بار سینہ پر رکھ کر بلا مسل دیکھے۔ واقعات کا اور جن امور کو بحث میں پیش کرنا ہے۔ ان کا ذہنی اعادہ کرتے جاتے ہیں۔ تدین اور محنتِ شاقہ کی عام شہرت تھی جس نے وکالت کو بہت چمکا دیا تھا۔ کنبہ پرور ایسے تھے کہ پچاس پچاس آدمیوں کا کھانا دونوں وقت پکتا تھا چنانچہ اُسی زمانہ کی ایک بہت بڑی اور وزنی لگن اور بڑے بڑے پتیلے اب تک موجُود ہیں۔ باوصف اس کنبہ پروری کے اس کا بھی بہت خیال رکھتے تھے کہ کہیں مفت خوری اور بیکاری کی عادت نہ پڑ جائے۔ اگر کوئی ایسے صاحب قرض مانگتے جن سے بوجہ تنگدستی ادائیگی کی توقع نہ ہوتی تو بجائے قرض دینے کے جتنا ہو سکتا ویسے ہی دے دیتے اور فرما دیتے کہ اس کی ادائیگی کی فکر نہ کیجیئے گا۔ ہم لوگوں سے اس کی مصلحت یہ بیان کرتے کہ القرض مقراض المحبت۔ قرض سے جانبین میں بے لطفی پیدا ہو جانے کا ایسے مواقع پر قوی اندیشہ ہے۔

بسلسلۂ وکالت ہر مِلّت و مذہب کے لوگوں سے تعلقات تھے۔ بالخصُوص اہلکاروں سے جن میں بعض سے خصوصی تعلقات بھی تھے۔ لیکن مذہبی اُمور میں کبھی اپنے مسلک کے خلاف اُن کی خاطر سے کسی امر کا ارتکاب نہیں کیا۔ چنانچہ بعض شیعی اہلکاروں سے بہت زیادہ تعلقات تھے۔

صاف فرما دیا کرتے تھے کہ ذاتی تعلقات اپنی جگہ ہیں۔ مذہبی امور اپنی جگہ۔ بعض عام جلسوں میں محفل رقص و سرُود بھی اُس زمانہ میں منعقد ہوا کرتی تھی۔ جس میں علاوہ عمائدِ شہر کے کلکٹر اور دیگر حکام بھی شریک ہوتے تھے۔ ایسے مواقع پر قبل شروع ہونے کے، حکام کا استقبال کرنے کے لئے پہنچ جاتے اور پھر اُس

مقام سے اتنے فاصلے پر کرسی بچھوا کر بیٹھے رہتے۔ جہاں گانے بجانے کی آواز بھی کانوں میں نہ آئے اور جب محفل ختم ہوتی تو پھر حکام کو رخصت کرنے کے لئے پہنچ جاتے اور ساتھ ہو لیتے۔ ایسی پختہ وضع اور ایسے پختہ اصول کے تھے کہ جو وضع اور طرزِ معاشرت اختیار کر لیا، عمر بھر اس کو نباہا۔

چنانچہ جامع مسجد میں ہمیشہ ایک ہی جگہ نماز پڑھتے۔ یہاں تک کہ لوگ اُس جگہ کو والد صاحب کے لئے خالی رکھتے اور ہمیشہ جامع مسجد ہی میں نمازِ تراویح بھی پڑھتے اور شبِ قدر میں جاگنے والوں کے لئے ہمیشہ پلاؤ زردہ وہاں بڑے اہتمام سے بھیجتے۔ اسی طرح پُرانی وضع کا جو لباس شروع میں اختیار فرمالیا بس اُسی کو عمر بھر رکھا کبھی نہ بدلا۔ اور جس سے ایک بار خصوصی تعلقات پیدا کرلئے ہمیشہ اُن کو قائم رکھا چنانچہ جب بھائی صاحب مرحوم کا اُن کے ایک پُرانے دوست سے سخت اختلاف ہو گیا تو فرمایا کہ اول تو ہم ہر کسی سے دوستی ہی نہیں کرتے تھے لیکن اگر کسی سے دوستی کر لیتے تھے تو پھر ہمیشہ اُس کو نباہتے تھے۔ تم لوگوں کی طرح نہیں کہ آج دوستی ہے کل دشمنی۔

ہم لوگوں کے اخلاق کا اتنا خیال تھا کہ اسکول تنہا نہ جانے دیتے تھے۔ بلکہ نوکر کو ساتھ بھیجتے اور واپسی کے وقت بھی نوکر کو بھیج دیتے کہ وہ اپنے ہمراہ اسکول سے لے آوے۔ نیز اس کی سخت تاکید تھی کہ بازار کے راستہ سے اسکول نہ جائیں۔ دوسرے راستہ سے جائیں۔ چنانچہ اسی عادت قدیمہ کی بنا پر احقر کو اب تک اُس بازار کے راستہ سے گذرتے ہوئے تامل ہوتا ہے۔ خرافات کی طرف بالکل میلان نہ تھا۔ احقر سے ایک بار فرمایا کہ نامعلوم تم لوگوں کو کھیل تماشوں کا اتنا شوق کیوں ہے۔ ہم نے تو محض ایک نئی چیز ہونے کی وجہ سے عمر بھر میں صرف ایک بار تھیٹر اس خیال سے دیکھا تھا کہ اس کی بڑی شہرت ہے۔ دیکھیں اس میں کیا ہوتا ہے۔

پھر اُس کے بعد کبھی بھی خواہش نہیں ہُوئی۔ کیونکہ معلوم ہوگیا کہ بس ایسا ہوتا ہے بار بار دیکھنے سے کیا حاصل۔ جو کام کرتے نہایت اطمینان سے اور سوچ سمجھ کر اور مشورہ کر کے کرتے حالانکہ سب اُن سے چھوٹے ہی تھے اور فرمایا کرتے تھے کہ مشورہ کرنا مسنون ہے۔ غیر اعزہ کے گھر خواہ کتنے ہی خصوصی تعلقات ہوں باوجود اصرار شدید کے بھی کبھی اپنے یہاں کی مستورات کو نہ جانے دیتے۔ بلکہ اس امر میں بربنائے مصالح اتنی احتیاط تھی کہ بہشتن۔ بھنگن۔ پسنہاری وغیرہ عورتوں سے بھی باقاعدہ پردہ کراتے۔ کسی کو بلا پکارے اور پردہ کرائے، اندر جانے کی اجازت نہ تھی، بجز کھانا پکانے والی اور دائی کے۔ ڈپٹی مولوی کریم بخش صاحب نے جب بہت اصرار کیا تو یہ کہہ کر ٹال دیا کہ ہمارے یہاں کی مستورات کے پاس زیور کم ہے وہ آپ کے یہاں کی مستورات سے شرمائیں گی۔ اس پر ڈپٹی صاحب نے ایک بڑے مقدمہ میں والد صاحب کے موافق فیصلہ دے دیا۔ جس میں موکل سے کثیر رقم ملی۔ پھر فرمایا کہ لیجئے اب تو زیور بنوالیجئے۔ اور مستورات کو ہمارے ہاں کی مستورات سے ملوا دیجیے۔ لیکن پھر بھی نہیں ملوایا۔

اسی طرح غیر برادری میں کسی جگہ رشتہ داری نہیں کی۔ بعض بڑے بڑے لوگوں نے خواہش کی تو فرمایا کہ ہم باہر کی چاہے جتنی شریف عورت لے آدیں۔ لیکن ہمارے یہاں کی مستورات اُسے اپنے سے کم درجہ ہی کی سمجھیں گی۔ اس لئے اس کی خواہ مخواہ توہین ہوگی۔ نسل کی حفاظت کا اتنا خیال تھا کہ برادری کے بعض خاندانوں کے متعلق کہہ رکھا تھا کہ ان سے رشتہ داری نہ کی جائے۔ استقلال کی یہ شان تھی کہ بڑے سے بڑے حادثہ اور بڑی سے بڑی خوشی کے مواقع پر بھی کبھی از جا رفتہ نہ ہوتے۔ دونوں مواقع پر صرف لفظ خیر زبان سے نکالتے۔ البتہ لہجہ ہر موقع پر مختلف ہوتا۔ حالانکہ قلب ایسا حساس تھا کہ دونوں مواقع پر بہت متاثر ہوتے تھے جس

کا علم دیگر آثار سے ہوتا مثلاً رنج اور خوشی دونوں مواقع پر آبدیدہ ہوجانا۔ یہاں تک کہ مجھے اچھی طرح یاد ہے کہ جب میری بڑی ہمشیرہ صاحبہ کے انتقال کی اطلاع کا خط چچا صاحب مرحوم کو مجھ سے لکھوا رہے تھے تو ہر ہر جملہ پر طویل طویل سکوت فرماتے جاتے تھے۔ کیونکہ دل بھر بھر آتا تھا اور صاف ظاہر ہوتا تھا کہ بہت کوشش کر کر کے ضبط فرما رہے ہیں۔

پڑوسیوں کے حقوق کا اتنا خیال فرماتے تھے کہ چونکہ ہمارا مکان ہندوؤں کے محلہ میں ہے جس میں صرف ہمارا ہی گھر مسلمانوں کا ہے۔ نوکروں کو سخت تاکید تھی کہ گوشت کھلا ہوا نہ لائیں اور گھر میں بھی سخت تاکید تھی کہ ہڈیاں راکھ کے اندر دبا دی جایا کریں۔ تاکہ کوئی کوا اٹھا کر نہ لے جائے اور کسی پڑوسی کے گھر میں نہ ڈال دے جس سے اس کو تکلیف ہو۔ اس برتاؤ کا یہ اثر تھا کہ محلے والے باوجود ہندو ہونے کے اتنا ادب و لحاظ کرتے تھے کہ جب والد صاحب کو آتا دیکھتے تو حقہ الگ کر دیتے اور کھڑے ہو جاتے۔ حیادار اتنے تھے کہ کرتہ کے نیچے کا بدن بھی کسی کے سامنے کبھی نہ کھولتے۔ مرضِ وفات میں بھی جبکہ بمشکل چوکی تک قضاء حاجت کو جا سکتے تھے۔ والدہ صاحبہ مرحومہ کو جو بوجہ ضرورت اعانت ایسے موقع پر پاس رہنا چاہتی تھیں۔ ہرگز پاس نہ رہنے دیتے۔ قبل قضاء حاجت ان کو ہٹا دیتے۔ عاقل اور مصلحت اندیش اتنے تھے کہ جب ہم لوگوں میں سے کسی کو تنبیہاً مارتے۔ تو اندر والدہ صاحبہ کے پاس لے جا کر مارتے تاکہ غصہ کی حالت میں زیادتی نہ ہونے پائے اور وہ بچا لیں۔ ایک بار چھوٹے بھائی کو نماز نہ پڑھنے پر مارا تھا اور فرمایا تھا کہ حدیث شریف میں آیا ہے کہ اگر دس برس کی عمر کے بعد بھی اولاد نماز نہ پڑھے تو اس کو مار کر پڑھوانا چاہیئے۔ طالبعلمی کے زمانہ میں ہم لوگوں کو محنت کرنے کی نہایت تاکید کرتے رہتے۔ لیکن تاکید تعلیم کو صحت پر ہرگز مقدم نہ کرتے۔ خود احقر سے فرمایا

کہ ایسا پڑھانا میں نہیں چاہتا کہ صحت خراب ہو جائے اور ایک منصف صاحب کا حال بیان کیا جو ہمیشہ کمزور اور بیمار رہتے اور فرمایا کہ صحت خراب کرکے اگر کوئی عہدہ بھی حاصل ہوا تو کس مصرف کا۔

اولوالعزم اتنے تھے کہ جب احقر انسپکٹری آبکاری میں علیگڈھ کالج سے نامزد ہوکر لے لیا گیا اور کام سیکھنے شاہجہانپور چلا گیا تو مجھ کو لکھا کہ میں نے تم کو بی اے اس انسپکٹری کے لئے نہیں کرایا تھا فوراً چھوڑ کر چلے آؤ۔ چنانچہ میں چلا آیا۔ پھر ڈپٹی کلکٹری کے لئے کوشش فرمائی جس میں حضرت والا کی دعا کی برکت سے بفضلہٖ تعالےٰ کامیابی ہوگئی۔ باوجود کوہ استقلال ہونے کے رقیق القلب ایسے تھے کہ مجھے اچھی طرح یاد ہے کہ عربی کی اُس مناجات منظوم کو جو حضرت صدیق رضی اللہ کی جانب سے منسُوب کی جاتی ہے۔ نہایت کیف کے ساتھ پڑھتے جاتے اور روتے جاتے۔ لیکن ساتھ ہی ضبط کی کوشش بھی کرتے جاتے۔

دادا پیر صاحب حضرت شیخ العرب والعجم حاجی امداد اللہ صاحب قدس سرہٗ العزیز سے بذریعہ خط بیعت تھے اور حضرت والا سے حسب امر حضرت حاجی صاحب تعلیم حاصل کی تھی۔ قوی القلب اور شجاع ایسے تھے کہ جب میرے چچازاد بھائی صاحب پولیس ٹریننگ اسکول میں سب انسپکٹری کا کام سیکھنے کے لئے بھیجے گئے۔ توانہوں نے لکھا کہ یہاں گھوڑے کی سواری میں بڑی سختی کی جاتی ہے۔ یہاں تک کہ ایک شخص دورانِ تعلیم میں گھوڑے سے گرکر مرگیا۔ جس سے سخت وحشت ہے۔ اس کا نہایت ہمت افزا جواب لکھوایا کہ تمہاری اِس بُزدلی سے بہت افسوس ہوا۔ ہم لوگ تو غوری ہیں۔ ہمارے اجداد نے تو ہندوستان کو فتح کیا ہے اور سپہ گری تو ہمارا آبائی پیشہ ہے۔ افسوس ہے تم گھوڑے کی سواری سے ڈرتے ہو۔ بڑی کم ہمتی کی بات ہے۔

مدرسی کے زمانہ میں للت پور سے وطن جا رہے تھے۔ گھوڑے پر سوار تھے۔ تلوار ہاتھ میں تھی۔ راستہ میں ایک شیر نظر پڑا۔ یہ سمجھ کر کہ اب جان بچانا مشکل ہے۔ گھوڑا روک لیا، خود فرماتے تھے کہ مرتا کیا نہ کرتا۔ ہم نے بھی اپنی تلوار میان سے نکالی اور سوچ لیا کہ آج جان تو جاتی ہی ہے ہم وار کئے بغیر نہ رہیں گے۔ لیکن حُسنِ اتفاق سے شیر کا رُخ کسی قدر پھر گیا اور وہ بے پروائی کے ساتھ نکلا ہوا چلا گیا۔ ایک واقعہ ہم لوگوں سے بچپن کے زمانہ میں بیان فرمایا کرتے تھے کہ ایک بار ایک شیر قصبہ کے قریب آگیا غالباً للت پور ہی کا واقعہ تھا۔ اُس کے مارنے کی فکر ہوئی۔ ہم بھی بندوق لے کر پہنچ گئے۔ اس سلسلہ میں شیر کے گرجنے کی نقل ہم لوگوں کی دلچسپی کے لئے اُتارا کرتے تھے۔ اور ایسے ہیبتناک انداز سے نقل اُتارتے تھے۔ کہ ہم لوگ باوجود دلچسپی لینے کے مارے ڈر کے ہر بار سہم بھی جاتے تھے۔ علاوہ دلچسپی پیدا کرنے کے اس قسم کے دلیرانہ واقعات ہم لوگوں کے اندر دلیری پیدا کرنے کی مصلحت سے بھی بیان فرمایا کرتے تھے۔

بہت وجیہہ بارعب اور قوی تھے۔ ایک بڑا کٹورہ تھا۔ جس میں سیر بھر دُودھ آتا تھا۔ روزمرّہ اُس کو بھر کر دودھ پینے کا رواج تھا۔ جس وقت غسلِ میّت کے لئے تختہ پر لٹائے گئے تو ایک عزیز نے کہا کہ ایسا معلوم ہوتا ہے جیسے کوئی بڑا بھاری فوجی جرنیل لیٹا ہوا ہے۔ ایک ڈاکٹر نے بڑھاپے میں صحت کی تعریف کی تو فرمایا کہ چونکہ میرے والد بہت مذہبی اور ملّا تھے۔ اس لئے میں نے بھی ہمیشہ مذہبی زندگی بسر کی۔ اس لئے صحت اچھی رہی۔ برادری میں جو خاص طور پر دیندار ہوتا تھا۔ اُس کو ملّا جی کہتے تھے۔ چنانچہ دادا صاحب مرحوم بھی ملّا جی مشہور تھے۔ اور ملّاؤں میں بھی بہت ممتاز ملّا تھے اور علاج معالجہ بھی کرتے تھے اور چماروں کے گھر بھی بغرض معالجہ بے تکلف چلے جاتے تھے۔ پہلے فوج میں ملازم

تھے۔ انہیں سے والد صاحب نے بندوق کا چلانا اور توپ کا بھرنا سیکھا تھا
چنانچہ والد صاحب ہم لوگوں کو توپ کا بھرنا دکھایا کرتے تھے اور احقر کو بندوق
کا چلانا انہیں نے سکھایا ہے۔ ہمارے قصبہ میں لڑکیوں کو کلامِ مجید پڑھانا
اُنہیں نے شروع کیا تھا۔ پہلے دستور نہ تھا۔

والد صاحب نے جو کچھ بھی پڑھا تھا، اُس پر ہمیشہ عمل فرماتے تھے۔ چنانچہ
موقع بہ موقع بزرگوں کے اقوال نقل فرما دیا کرتے۔ ایک بار کسی موقع پر فرمایا کہ
حضرت سعدی علیہ الرحمہ نے فرمایا ہے کہ دیوار ہم گوش دارد۔ ایک بار احقر نے
تربوز کھانے کے بعد پانی پیا تو کسی طب کی کتاب کا یہ جملہ نقل فرمایا: الماء
علی الفواکہ ردی وعلی البطیخ اردے۔ اسی طرح کھانے کے بعد زیادہ
پانی پینے کی ممانعت فرمائی اور اس کی وجہ یہ فرمائی کہ معدے میں خار ہوتے ہیں
جو غذا میں بار بار لگ کر اس کو تحلیل کر کے ہضم کر دیتے ہیں۔ اگر پانی زیادہ پی لیا
جاتا ہے تو غذا تیرنے لگتی ہے اور معدے کے خاروں سے ملحق نہیں رہتی جس کی
وجہ سے ہضم میں فتور واقع ہو جاتا ہے۔

مرضِ وفات میں جبکہ سانس اُکھڑ گیا تھا۔ سب اعزا کو بلوا کر حسبِ عادت
علاج کے متعلق مشورہ فرمایا اور فرمایا کہ گو مجھے اب دُنیا میں کیا کرنا رہ گیا ہے
بفضلہٖ تعالےٰ سب کچھ کر لیا۔ لیکن چونکہ مسنون ہے اور مجھے تکلیف بھی ہے اسلئے
آپس میں مشورہ کر کے کوئی باقاعدہ علاج کی صُورت تجویز کر لی جائے۔ اسی دوران
مرض میں ایک بار بیہوشی ہو گئی تو چونکہ خود بھی طب پڑھے ہوئے تھے اس لئے ہوش
آنے کے بعد فرمایا کہ اگر پھر بیہوشی ہو جائے تو فلاں فلاں تدابیر عمل میں لائی جائیں
مثلاً ایک تدبیر غالباً یہ فرمائی کہ سر کے بال پکڑ کر اوپر اُٹھائے جائیں اور چہرہ پر
ٹھنڈے پانی کے چھینٹے دیئے جائیں۔ ایک بار بیہوشی میں والدہ صاحبہ سے فرمایا:

کہ دیکھو وہ نور جہاں نماز پڑھ رہی ہے۔ تم بھی نماز پڑھ لو۔ کیا عجب ہے کہ آخر وقت میں عالمِ آخرت منکشف ہو گیا ہو اور نور جہاں جنت کی کوئی حور ہو۔ واللہ اعلم بحقیقۃ الحال ۳۔ یا ۴۔ ذی الحجہ ۱۳۲۶ھ بروز دوشنبہ غالباً ۶۳ یا ۶۸ سال کی عمر میں بوقت اشراق رحلت فرمائی۔ اللہ تعالیٰ مغفرت فرمائے۔ آمین۔

حکام اور غیر حکام سب والدِ ماجد کو نہایت وقعت کی نگاہ سے دیکھتے تھے۔ چنانچہ وکیل سرکار اور وائس چیرمین بورڈ بنائے گئے۔ جبکہ کلکٹر چیرمین ہوا کرتے تھے۔ اور آج تک اُنہیں کی بدولت ہم لوگوں کا بفضلہٖ اقتدار قائم ہے۔ اور ہم لوگوں نے قلبی دنیاوی ترقی والد ماجد ہی کی بدولت کی، چنانچہ بفضلہٖ تعالیٰ ہم لوگوں میں سے متعدد اشخاص بڑے بڑے عہدوں پر براہِ راست فائز ہوئے اور اب تک ہیں میرے ایک بھانجے کلکٹری کے عہدہ تک پہنچ کر پنشن یاب ہوئے اور اب ایک ریاست کے دیوان ہیں اور بہت بڑی تنخواہ پاتے ہیں۔ اور بڑے اختیارات حاصل ہیں اور دو دو خطابات حاصل کئے ہوئے ہیں۔ میرے بھائی صاحب خواجہ عزیز الرحمٰن صاحب مرحوم بھی ایک ریاست کے وزیر تھے اور ہر دلعزیز ذی وجاہت خطاب یافتہ اور صاحبِ اقتدار تھے۔ اور بھی کئی ڈپٹی کلکٹر، منصف، افسر خزانہ وغیرہ ابتداءً مقرر ہوئے۔ احقر بھی والد صاحب مرحوم و مغفور ہی کی کوشش سے ابتداءً ڈپٹی کلکٹری کے عہدہ پر مامور ہوا تھا۔

غرض والد ماجد بڑی شخصیت رکھتے تھے اور بہت ہی ذی وجاہت، متین غیور۔ باحیا۔ بااصول۔ متدین۔ متشرع۔ الوالعزم اور علوم سے بہت ہی دلچسپی رکھنے والے بزرگ تھے۔ لڑکپن سے لے کر اخیر عمر تک جہاں رہے ہمیشہ بہت ممتاز رہے۔ طالبعلمی کے زمانہ میں اُستاد نے اپنا خلیفہ بنا دیا تھا اور اخیر عمر تک اہلِ وطن اُن کو خلیفہ جی ہی کہتے رہے۔

طالب علمی کے زمانہ کا خود واقعہ بیان فرماتے تھے کہ ہم سبق طلبار کے ساتھ دسہرہ کا جلوس دیکھنے کے لئے بھرت پور گئے تو پڑھنے کا اتنا شوق تھا کہ کتاب ساتھ لیتے گئے اور مطالعہ میں ایسے محو ہوئے کہ جلوس نکل بھی گیا اور انہیں خبر بھی نہ ہوئی۔ اسی طرح وکالت کے امتحان کی تیاری میں ران میں پھوڑا ہو گیا تھا تو اس میں اس قدر سوزش تھی کہ رات بھر ملازم پانی ڈالتا رہتا تھا اور خود مطالعہ میں مشغول رہتے تھے۔ معمر بزرگوں نے بیان کیا کہ ہم نے ان کو بچپن میں بھی ہمیشہ متین ہی دیکھا۔ یہاں تک کہ اور لڑکے کبڈی کھیلتے اور وہ اُن کے کپڑوں اور جوتوں کی حفاظت کرتے رہتے اور کھیل دیکھتے رہتے خود شریک نہ ہوتے۔

اللہ تعالےٰ نے رعب ایسا عطا فرمایا تھا کہ باوجود نہایت شفیق ہونے کے اور اکثر بالکل خاموش بیٹھے یا لیٹے ہوئے تسبیح پڑھتے رہنے کے سب چھوٹے بڑوں پر ایک ہیبت طاری رہتی تھی۔ چنانچہ میرے اُستاد جناب مولانا مولوی حافظ ہدایت اللہ صاحب کیرانوی رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ اگر وکیل صاحب سامنے سے آتے ہوں تو میں ایک میل کے چکر کو گوارا کر لوں لیکن یہ ہمت نہ ہو کہ ان کے پاس سے ہو کر گذروں اور یہ بھی فرمایا کرتے تھے کہ میں گھر پر آتے ہی یہ پہچان لیتا ہوں کہ آج وکیل صاحب موجود ہیں یا نہیں کیونکہ ان کی موجودگی میں گھر کا رنگ ہی اور ہوتا ہے۔ بعض اوقات بڑے بڑے عہدہ دار ڈپٹی کلکٹر وغیرہ آپس میں ہنسی مذاق کرتے ہوتے اور ان کو خبر ہو جاتی کہ والد ماجد صاحب قریب سے گذر رہے ہیں تو سب غایت احترام سے خاموش ہو جاتے اور کہنے لگتے کہ چُپ رہو مولوی صاحب تشریف لا رہے ہیں۔ جیسا کہ اوپر عرض کیا جا چکا ہے۔ محلہ والے بھی باوجود ہندو ہونے کے

اتنا ادب کرتے کہ اگر حُقّہ پیتے ہوئے ہوتے۔ تو دیکھ کر حُقّہ الگ کر دیتے۔ اور کھڑے ہو جاتے۔ جب جنازہ نکلنے لگا تو کہنے لگے۔ آج ہمارے محلہ کی رونق رُخصت ہو رہی ہے۔ جب وطن کی تعلیم ختم کر چکے تو تحصیلِ علم کے شوق میں وہاں جانا منظور کر لیا۔ حالانکہ بُعدِ مسافت اور ریل نہ ہونے کی وجہ سے تین چار سال میں ایک بار بہ دشواری گھر آنا نصیب ہوتا تھا۔ علم سے ایسی دلچسپی تھی کہ اکثر علوم بطورِ خود حاصل کیے۔ یہاں تک کہ علاوہ عربی کے کچھ سنسکرت اور طب اور ڈاکٹری بھی پڑھی، کسی قدر انگریزی بھی پڑھی۔ موکلوں کو الحمد شریف کا ترجمہ ٹھیٹھ ہندی میں سُناتے۔ احقر نے خود سُنا ہے۔

مدرسی کے زمانہ میں ایک شاگرد کے والد نے اصرار کیا کہ میرے لڑکے کو قانون کی کتابیں بھی پڑھا دیجیے۔ مَیں وکالت کے امتحان میں بٹھانا چاہتا ہوں چنانچہ باوجود بالکل نئی چیز ہونے کے اس پہ بھی راضی ہو گئے اور جب اس طالب علم کے والد اس کی فیس امتحان بھیجنے لگے تو والد صاحب کے نام سے بھی اپنے پاس سے باصرار فیس داخل کر دی۔ حالانکہ والد صاحب فرماتے رہے کہ مَیں نے امتحان کی شرکت کے خیال سے کتابوں کو نہیں پڑھایا ہے مَیں کیسے پاس ہو سکتا ہوں۔ جب فیس چلی گئی تو پھر خاص طور سے مطالعہ کتب کرنے لگے۔ اور امتحان میں اُستاد شاگرد دونوں پاس ہو گئے۔ پھر وکالت شروع کی اور ضلع کے بہترین وکلاء میں اُن کا شمار ہونے لگا۔ یہاں تک کہ وکیلِ سرکار مقرر ہو گئے۔ دورانِ وکالت میں علم کا شوق موجود رہا۔ چنانچہ میزان۔ منشعب۔ پنج گنج نحوِ میر کے اُردو ترجمے نہایت مفید طرز پر کر کے عزیز المبتدی۔ عزیز الطالبین اور عزیز النجاۃ کے نام سے شائع کیے جو اب تک بعض مطابع میں طبع کیے جاتے ہیں اور سُنا جاتا ہے کہ بنگال میں یہ کتابیں بہت مقبول ہیں ان میں نقشوں

وغیرہ کے ذریعے سے قواعد کو بسہولت ذہن نشین کر دینے کی خاص کوشش کی گئی ہے۔

جناب مولانا نور محمد صاحب فتح پوری رحمۃ اللہ علیہ نے جو ایک جید عالم اور درویش تھے۔ ان کتابوں کو دیکھ کر والد صاحب کے متعلق فرمایا تھا کہ ان کتابوں سے معلوم ہوتا ہے کہ ماشاء اللہ بہت مرتب اعلیٰ دماغ پایا تھا جب ہم لوگوں کو انگریزی شروع کرائی تو دوسری زبان عربی رکھی تاکہ انگریزی کے بُرے اثرات کا تدارک ہوتا رہے۔ والدہ صاحبہ مرحومہ کو بھی عربی اتنی پڑھا دی تھی کہ وہ کلام پاک کا ترجمہ سمجھ کر پڑھ سکیں۔ ہم لوگوں کو بھی کلام مجید کا ترجمہ پڑھایا کرتے تھے۔ ان کی پختگی وضع اور بااصول زندگی اور تدین کی عام شہرت تھی جس کے بعض واقعات اُوپر معروض ہوئے اور بھی بہت سے واقعات یاد ہیں۔ لیکن بخوفِ طوالت اُن کو نظر انداز کیا جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام نصیب فرمائے۔ (آمین)

مدرسی اور وکالت دونوں حالتوں میں والد صاحب ہمیشہ بڑے بڑے فضلاء اور اعلیٰ اعلیٰ عہدہ داروں کے منظورِ نظر رہے۔ بالخصوص جناب ڈپٹی کلکٹر مولوی کریم بخش صاحب مرحوم جو بڑے عالم بھی تھے اور جنہوں نے بشرکت دیگر ذی علم حکام تعزیراتِ ہند کا اُردو ترجمہ کیا تھا اور جناب تحصیلدار مولوی نور الحسن صاحب جھنجھانوی رحمۃ اللہ علیہ جو حضرت میانجی نور محمد صاحب جھنجھانوی قدس اللہ سرہٗ العزیز کے قریبی عزیز اور بہت مقدس بزرگ تھے۔ بہت ہی عنایت فرماتے تھے۔ یہاں تک کہ جہاں اُن کا تبادلہ ہوتا۔ والد صاحب کا بھی تبادلہ وہیں کرا لیتے۔ احقر کا نام بھی جناب تحصیلدار صاحب ہی نے غایت تعلق کی بناء پر اپنے صاحبزادے کے نام پر رکھا تھا۔

جس کو مَیں اپنی سعادت کا موجب سمجھتا ہُوں۔ احقر کے بعض دیگر بھائی بہنوں کا نام بھی انہیں نے رکھا تھا۔ والد صاحب مرحُوم تحصیلدار صاحب کے پنشن پر چلے جانے کے بعد بھی ملنے کے لئے جھنجھانہ گئے تھے۔

احقر ناظرین سے معافی چاہتاہے کہ بجائے اپنا تعارف کرانے کے والد ماجد کا تعارف کرانے لگا۔ لیکن اگر یہ نہ کہوں کہ پدرم سلطان بود تو اور کیا کہوں۔ کیونکہ خود مجھ میں تو کوئی ایسی صفت ہے ہی نہیں جس پر اپنے تعارف کو مبنی کیا جا سکے۔ جیسا کہ اوپر عرض کیا گیا احقر ابتداءً ڈپٹی کلکٹری کے عہدہ پر مامور ہوا تھا۔ پھر سات برس اس عہدہ پر رہ کر نصف تنخواہ پر محکمۂ تعلیم میں اپنی خدمات خود درخواست کر کے منتقل کرالیں۔ کیونکہ وہاں فیصلے کرنے پڑتے تھے۔ لیکن النصیب یصیب الحمد للہ اس محکمہ میں بھی بہ برکت دعاء حضرت والا تا عہدۂ انسپکٹری ترقی پاچکا ہوں۔ جو محکمۂ تعلیم میں ایک عہدۂ جلیلہ سمجھا جاتا ہے۔ موجودہ مشاہرہ بھی بفضلہٖ تعالیٰ چھ سو ساٹھ روپیہ تک پہنچ چکا ہے۔ اور تیس روپیہ سالانہ ترقی ہے۔ غرض اللہ تعالےٰ اپنے گدھوں کو بھی خشکہ دے رہا ہے۔ یہ سب حضرت والا کی دعا کی برکات ہیں۔ جیسا کہ اشرف السوانح کے باب" ارشاد و افاضۂ باطنی میں ضمناً بالتفصیل عرض کیا جا چکا ہے اور وہیں کچھ اپنے حالاتِ خاصّہ بھی ضمناً معرضِ بیان میں آگئے ہیں۔ حاجت اعادہ نہیں۔ چونکہ الحمد للہ حضرت والا کے فیضِ صُحبت اور برکت تعلق کی بدولت ہمیشہ نہایت تدین اور محنت شاقّہ کے ساتھ اپنا کارِ منصبی انجام دیا۔ اسلئے از راہ قدردانی گورنمنٹ نے حکام کی پرزور سفارشوں پر (خانصاحب) کا خطاب بھی بلا درخواست دیدیا ہے اور تاجپوشی کے موقع پر تمغہ بھی ملا ہے۔ گو یہ احقر ہرگز کسی قابل نہیں۔ لیکن محض حضرت والا کے تعلق کی برکت سے بفضلہٖ تعالیٰ دینی اور دنیوی دونوں لحاظ سے

لوگ عموماً بہت عزّت اور وقعت اور محبت کی نگاہ سے دیکھتے ہیں جس سے مجھ کو نہایت خجالت ہوتی ہے۔ بمصداق شعر؎

طاؤس را بہ نقش و نگارے کہ ہست خلق
تحسین کنند داو خجل از پائے زشت خویش

غرض بفضلہٖ تعالیٰ حضرتِ والا کی اس بشارت کا ظہور ہو رہا ہے جو عرصہ دراز ہوا۔ احقر کے ایک عریضہ کے جواب میں بایں الفاظ تحریر فرمائی تھی۔ کہ انشاء اللہ صلاح و فلاحِ دارین نصیب ہوگی۔ دل یہی گواہی دیتا ہے۔ اللہ تعالیٰ حضرت کی اس بشارت کو من کل الوجوہ صادق فرماوے۔ یہاں کی بھی ہر قسم کی صلاح نصیب حال رکھے اور ایمانِ کامل پر خاتمہ فرما کر وہاں کی بھی فلاح تام نصیب فرمائے۔ آمین ثم آمین ؎ ویرحم اللہ عبداً قال اٰمینا۔ اس جگہ مجھے اپنی ایک دعائیہ رباعی یاد آتی ہے جو اُس وقت میں نے کہی تھی۔ جب موٹر کار خریدی تھی وہ یہ ہے :

عیش ہے عزّت ہے موٹر کار ہے — اور اس دُنیا میں کیا درکار ہے
اُس جہاں کی نعمتیں بھی ہوں عطا — اے خدا تیری بڑی سرکار ہے

اللہ تعالیٰ کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ باوجود نہایت نا اہل اور ناکارۂ محض ہونے کے اللہ تعالیٰ نے اس احقر کو ہر لحاظ سے نہایت کامیاب زندگی عطا فرمائی ہے۔ جس سے واللہ مجھ کو سخت حیرت و استعجاب ہے۔ اللہ تعالیٰ شکر کی توفیق عطا فرمائے۔ علیگڈھ کالج میں طالبعلمی ہی کے زمانہ میں باوجود ڈاڑھی رکھنے اور کوٹ پتلون نہ پہننے کے جس انگریز یا ہندوستانی اُستاد یا افسر سے سند طلب کی اُس نے یہی لکھا ہے کہ یہ علیگڈھ کالج کے طالبعلم کا بہترین نمونہ ہے۔ ایک صاحب نے لکھا کہ یہ جس عہدہ پر پہنچے گا۔ اُس عہدہ کے معیار کو بلند کر دے گا۔

مَیں نے بی۔اے تیسرے درجہ میں پاس کیا کیونکہ پڑھنے میں کبھی جی نہ لگایا۔اُستاد سبق کی تقریر کرتے رہتے اور مَیں یُوں ہی خالی الذہن بیٹھا رہتا۔ ایک لفظ بھی نہ سُنتا بلکہ طالبعلموں سے پرچوں کے ذریعہ سے مکاتبت کرتا رہتا۔ زمانۂ امتحان کے قریب رات دن محنتِ شاقہ کرکے بفضلہٖ تعالےٰ پاس ہوجاتا۔ والدِ ماجد نے بی۔اے کے آخر زمانہ میں یہ معلوم کرکے کہ اس نے کچھ بھی نہیں پڑھا۔ یہ انتظام کیا کہ خود پاس بیٹھے رہتے۔لیکن اُس حالت میں بھی مناجاتیہ اشعار لکھتا رہتا اور والد صاحب سمجھتے رہتے کہ یہ کتاب دیکھنے میں مشغول ہے۔لیکن الحمدللہ کہ مناجات ہی سے میرا کام نکل گیا۔اور غیب سے ایسی مدد ہوئی کہ باوجود بالکل مایوسی کے مَیں بفضلہٖ تعالےٰ کامیاب ہوگیا۔

ایک مضمون میں دو پرچے تھے۔ایک پرچہ کی کتابیں مَیں نے بالکل دیکھی ہی نہ تھیں اور کوئی صُورت کامیابی کی نہ تھی۔یہانتک کہ دعا کرتے وقت یہ وسوسہ ہوتا تھا کہ اللہ تعالےٰ نعوذ باللہ ایسی حالت میں میری کیونکر مدد کرسکے گا۔ جبکہ مَیں نے اس پرچہ کی کوئی کتاب ہی نہیں دیکھی اور مَیں نے یہ ارادہ کرلیا کہ اُس پرچہ کے امتحان میں شریک ہی نہ ہونگا۔اللہ بھلا کرے۔میرے ایک مخلص دیندار ہم سبق طالب علم کا جنہوں نے مجھ کو شریکِ امتحان ہونے پر مجبور کیا۔چنانچہ مَیں مایوسی کے عالم میں شریک ہوا۔قدرتِ خداوندی دیکھئے کہ غالباً ممتحن کی غلطی سے یا جو صُورت بھی ہُوئی ہو۔اُس پرچہ میں بھی ایک ایسی کتاب کے سوالات دیئے گئے جو پہلے پرچہ میں آچکی تھی اور جو مجھ کو یاد تھی۔ایسا کبھی اس سے قبل کے امتحانوں میں نہ ہوا تھا۔دیکھتے ہی میری آنکھیں کھل گئیں اور غایت تشکر میں آنکھوں میں آنسو آگئے اور بے اختیار کہنے لگا۔کہ یا اللہ آپ کو واقعی ہر قسم کی قدرت حاصل ہے اور مایُوسی کے عالم میں بھی کامیاب فرماسکتے ہیں۔چنانچہ

بفضلہٖ تعالیٰ پاس ہوگیا۔لیکن تیسرے درجے میں۔

اُسی زمانہ میں تحصیلداری کی درخواستیں جارہی تھیں۔ مَیں نے بھی درخواست دے دی۔ لیکن اُس کے لئے دوسرے درجہ میں پاس ہونے کی قید تھی۔اِس لئے اِسی بنا پر میری درخواست نامنظور ہوگئی۔اعزّہ نے بُرا بھلا کہنا شروع کیا کہ ذرا اور محنت کر لیتے تو تحصیلداری رکھی ہوئی تھی۔ مَیں نے کہا کہ یہاں تو پاس ہونے ہی کے لالے پڑے ہوئے تھے۔ دُوسرے درجہ میں کیا پاس ہوسکتا تھا۔ اور یہ بھی کہا کہ اس میں بھی کوئی حق تعالیٰ کی مصلحت ہوگی۔ چنانچہ اس موقع پر ایک رباعی بھی اس مضمون کی لکھی تھی۔ چنانچہ ایسا ہی ہُوا۔ والد صاحب لاٹوش صاحب گورنر کے پاس گئے اور مستثنےٰ کر دینے کی درخواست کی لیکن گورنر صاحب نے فرمایا کہ قواعد عمل کے لئے ہوتے ہیں نہ کہ مستثنےٰ کرنے کے لئے۔ مستثنےٰ تو نہیں کر سکتا۔ البتہ ڈپٹی کلکٹری کے لئے دوسرے درجہ میں بی اے پاس ہونے کی قید نہیں ہے وہ مل سکتی ہے۔تحصیلداری نہیں مل سکتی۔ پھر والد صاحب نے ڈپٹی کلکٹری کے لئے کوشش کی۔ اُس میں بفضلہٖ تعالےٰ کامیابی ہوگئی۔اور اللہ تعالےٰ کی مصلحت کا ظہور ہوگیا۔جب ڈپٹی کلکٹری کے امتحان میں بوجہ عدمِ دلچسپی کامیابی نہ ہوئی تھی تو آخری موقع پر غیب سے احقر کی یہ مدد ہُوئی کہ اُس سال سے قانون کی کتابیں دیکھ دیکھ کر جوابات لکھنے کی اجازت مِل گئی اور احقر پاس ہوگیا۔

غرض ہر موقع پر شروع ہی سے اللہ تعالےٰ نے اس ناکارہ کی دستگیری فرمائی ہے اور اب تک فرمارہے ہیں۔چنانچہ انسپکٹری بھی اسی طرح بلا توقع نصیب ہوگئی ہے۔ اللہ تعالےٰ دونوں جہان میں اس ناکارہ کی اسی طرح اعانت فرماتا رہے۔ مَیں چونکہ بالکل لااُبالی اور بدانتظام شخص ہوں۔اس لئے مَیں نے

اکثر بلکہ قریب قریب ہمیشہ دیکھا کہ میرے پاس رہتے ہوئے بفضلہٖ تعالیٰ بال بچے عموماً بہت ہی کم بیمار پڑتے ہیں۔ جب شدید بیماریاں ہُوئیں تو ایسے مواقع پر کہ وہ اپنی ننہال یا دیگر اعزّہ کے پاس تھے جہاں اچھی طرح تیمارداری اور علاج ہو سکا۔ مَیں نے بس یہ سُن لیا کہ بہت بیمار ہوگئے تھے۔ لیکن بفضلہٖ اچھے ہوگئے۔ اللہ تعالیٰ اپنے ضعیف بندوں کی کیسی رعایت فرماتے ہیں۔ بقول انشار ؎

تصدق اپنے خدا کے جاؤں یہ پیار آتا ہے مجھ کو انشا
اِدھر سے ایسے گناہِ پیہم اُدھر سے یہ دمبدم عنایت

اور بقولِ نظیری ؎

بہ ازیں نمی تواں شد کہ نصیبِ شدز اوّل گنہ و جنایت از من کرم و عنایت از تو

مَیں تو اپنی پوری زندگی کو اول سے اسی کا مصداق پاتا ہوں اور اس کو سراپا ایک اعجازِ قدرت سمجھتا ہُوں۔ اللہ تعالیٰ آخرت بھی درست فرمادے جو اصل چیز ہے، آمین۔

احقر کی تاریخِ پیدائش ۶ اشعبان المعظم ۱۳۰۱ھ مطابق ۱۲ جون ۱۸۸۴ء ہے۔ غالباً بدھ کا دن اور صبح صادق کا وقت تھا۔ تاریخی نام مرغوب احمد ہے۔ کوئی مسلسل نسب نامہ تو محفوظ نہیں لیکن مجھے اچھی طرح یاد ہے کہ والد صاحب مرحوم و مغفور کو اس کی تحقیق کا بہت شوق تھا اور بڑے اہتمام کے ساتھ مختلف ذرائع سے تحقیق کر کر کے بہت دُور تک کا نسب نامہ مرتب فرما لیا تھا اور اپنی اولاد کی تاریخ پیدائش و وفات و واقعات مہمہ کی ایک باقاعدہ یادداشت بھی رکھتے تھے۔ جو ممکن ہے اب تک کہیں موجود ہو گو بعض اہل برادری نے تاریخی کتب اور معمّر بزرگوں سے تحقیق کر کے سلسلۂ نسب کو حضرت علی کرم اللہ تعالیٰ وجہٗ سے ملا

دیا ہے۔ لیکن ہم لوگ دراصل شیخ مشہور ہیں اور والدہ صاحبہ مرحومہ نے فرمایا تھا کہ شیخ قریشی ہیں۔ واللہ اعلم بحقیقۃ الحال۔ والد صاحب مرحوم و مغفور بھی اپنے کو شیخ لکھا کرتے تھے اور دادا صاحب مرحوم شیخ حبیب اللہ صاحب تھے اور بعض دیگر پرانے اجداد کے ناموں کے ساتھ بھی شیخ کا لفظ مجھ کو سنا ہوا اور شجرہ میں لکھا ہوا اچھی طرح یاد ہے۔ مثلاً شیخ امان اللہ وغیرہ اور اکثر اہلِ برادری میں ناموں کے ساتھ بزرگوں کے زمانہ سے شیخ لفظ استعمال ہوتا ہوا برابر چلا آرہا ہے۔ والدہ صاحبہ مرحومہ قاضیوں کے خاندان کی تھیں۔ اور بعض اہلِ برادری جو پرانے زمانہ سے سید مشہور چلے آتے ہیں۔ اُن سے بھی ہم لوگوں کی رشتہ داریاں ہیں۔ لیکن الحمد للہ سب سے بڑا شرف جو احقر کو بفضلہٖ تعالےٰ حاصل ہے۔ وہ یہ ہے کہ حضرت اشرف المخلوقات علیہ الوف الصلوات والتحیات جیسے اشرف الرسل کی اُمتِ مسلمہ میں ہوں اور حضرت اشرف الزمن جیسے اشرف المشائخ کے ارادتمندوں میں ہوں۔ بقول احقر ؎

ہے احد معبود اپنا اور نبی خیر الوریٰ!
شیخ بھی ہے قطب دوراں میں تو اس قابل نہ تھا

قطعہ ؎

کیا میرے گناہوں کا اللہ ٹھکانا ہے
اور ہائے غضب اک دن منہ تجھ کو دکھانا ہے
کر رحم کہ نسبت ہے سرکارِ دوعالم سے
اور اُس سے میں بیعت ہوں جو قطب زمانہ ہے

اور شرف بہ شرف اب الحمد اللہ یہ حاصل ہو گیا ہے کہ اس اشرف السوانح کی بدولت انشاء اللہ تعالےٰ اس مصرعہ کا مصداق ہو جاؤں گا۔ ؎

ثبت است بر جریدہ عالم دوامِ ما

اللہ تعالے احقر کے ان سب شرفوں کو سلامت رکھے اور ایمانِ کامل پر خاتمہ فرما کر جنت الفردوس میں ابدالآباد اپنے قرب و دیدار کے شرف سے مشرف فرمائے رکھے۔ آمین۔ ثم آمین۔ وما ذالك على الله بعزيز
بمضمون ارشاد حضرت مولانا رومی رحمۃ اللہ علیہ ؎

تو مگو مارا بداں شہ بار نیست　　با کریماں کارہا دشوار نیست

(ماخوذ از اشرف السوانح)

حضرت مجذوبؒ کی تحریر کا عکس

حضرت خواجہ عزیز الحسن غوری مجذوبؒ کا آخری خط جو موصوف نے حضرت بابا محمد نجم احسن مرحوم مجازِ صحبت حضرت حکیم الامت کے نام لکھا۔

۷۸۶

از آدری

۱۵ / اگست ۱۹۴۴ء از درگاہ ... احقر عزیز الحسن غفی عنہ

مخدومی و محترمی مکرمی و مشفقی زاد اللہ لطفہ

نورکم و حسنکم - السلام علیکم و رحمۃ اللہ و برکاتہ -

میں نے بہت عرصے ایک مدتِ طویلہ کی علالت کے بعد

آپ کے نامہ رنگیں کو بغرض تحریرِ جواب مختصر باہر نکالا تھا آج بھی

کہ حسن اتفاق سے خود آپ نے دوبارہ یاد فرمایا - امرتسر میں

جہاں اٹھارہ روز سخت علیل پڑا رہا ایک بار اس سے

قبل بغرض رفع انتظار اپنی مجبوری جواب کا ایک کارڈ

لکھنے والا تھا مگر بوجہ علالت و ضعف قاصر رہا بہر حال

وہ گو میں رہا ہوں پستم باشد روزگار

لیکن تیرے خیال سے غافل نہیں رہا

اس مرتبہ کی علالت نے بہت طوالت اختیار کر لی گو اب

شدت ناقابل برداشت نہیں رہی لیکن بخار اور درد سینہ

اب بھی موجود ہے بخار بالکل کسی وقت نہیں اترتا ہے پہر کو
عموماً کبھی (۱۰۱) کبھی اس سے بھی زائد ہو جاتا ہے پہلے (۱۰۲) تک
عموماً بڑھ جاتا تھا اب بفضلہ تعالیٰ اتنا نہیں بڑھتا اور
بڑھ کر جلد کم ہونا شروع ہو جاتا ہے اور صبح تک پہلے (۹۹)
سے کم نہ ہوتا تھا اب (۹۸) کبھی (۹۸½) رہتا ہے
دعا صحت کرتے رہیے۔ بظاہر انشاء اللہ تعالیٰ کوئی خاص
تردد کی بات نہیں معلوم ہوتی والغیب عند اللہ والخیر
ما اراد اللہ ۔ علاج نہیں ... بند۔ غذا بجز چاے اور دودھ ... قطعاً بند۔

POST CARD
BUY NATIONAL SAVINGS CERTIFICATES
REPLY
THE ADDRESS ONLY
PARTABGARH

Partabgarh
Oudh
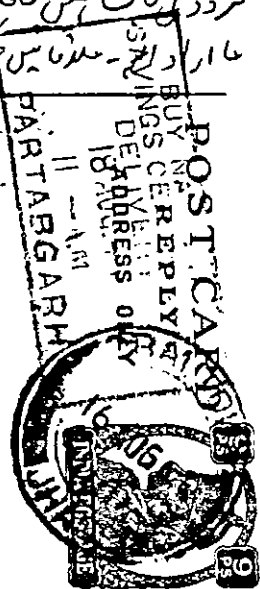
مجذوبؒ کا یہ خط حضرت بابا صاحب کو ۱۸ راگست ۱۹۴۴ء کو ملا اور یہی تاریخ
حضرت مجذوبؒ کے وصال کی ہے ۔ (مرتب)

حرفِ ناتمام

(از خواجہ ولی الحسن غوری ابن مجذوبؔ)

مخدومی ومحترمی حضرت سوزؔ شاہجہانپوری والد صاحب مرحوم مغفور کے عزیز ترین دوستوں میں ہیں جہاں تک مجھے یاد ہے سوزؔ صاحب کی فرصت کا وقت زیادہ تر ہمارے ہی یہاں گذرتا تھا۔ رات کو دس دس گیارہ گیارہ بجے تک محفلِ شعر وسخن جمی رہتی تھی اکثر شوکت تھانوی بھی سوزؔ صاحب کے ساتھ آیا کرتے تھے۔ لکھنؤ اور لکھنؤ سے باہر کے مشاعروں میں والد مرحوم زیادہ تر سوزؔ صاحب ہی کی معیت میں تشریف لے جاتے تھے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ سوزؔ صاحب کو والد صاحب سے بڑا گہرا تعلق تھا اور ذہنی طور پر اُن سے بہت قریب تھے اُن کے مزاج کی شاعرانہ نزاکتوں کو پوری طرح سمجھتے تھے یہی وجہ تھی کہ اتنا زمانہ گذرنے کے بعد یعنی تقریباً ۳۴ سال بعد جب میں نے مکمل دیوان چھاپنے کا ارادہ کیا تو موصوف ہی سے رجوع کیا۔ اور میں شکر گذار ہوں کہ سوزؔ صاحب نے خرابیٔ صحت اور عرصہ سے اپنی گوشہ نشینی کے باوجود میری درخواست بدل وجان قبول کی اور تقریباً دو سال کی لگاتار محنت شاقہ کے بعد دیوان کا کام مکمل کر دیا اُس دوران میں میں نے دو ایک مرتبہ کچھ شکر گذاری کے الفاظ کہنا چاہے تو مجھے یہ کہہ کر خاموش کر دیا کہ میاں! تمہارا اس کام سے کوئی واسطہ نہیں یہ میرا اور خواجہ صاحب کا معاملہ ہے تم پر کوئی احسان نہیں تمہارا صرف اتنا واسطہ ہے کہ تم نے مجھے یہ کام سونپا ہیں اپنی طرف سے حضرت سوزؔ کے متعلق کیا کہوں روزنامہ "جنگ" کراچی سے مولانا عبدالمجید سالکؔ کا قول نقل کئے دیتا ہوں

جو ایک تبصرے کے ذیل میں درج ہے۔

"سوزؔ شاہجہانپوری متحدہ ہندوستان کے مشہور و ممتاز شاعر، مشاق انشا پرداز اور منجھے ہوئے صحافی ہیں"۔ یا پھر میرے والد کے ہمعصر بزرگ حضرت بابا نجم احسن صاحبؒ (خلیفہ مجاز حضرت تھانویؒ) کے سوانح حیات ذکر احسن میں میں نے پڑھا ہے کہ حضرت بابا صاحبؒ سوزؔ صاحب کی نزاکتِ مزاج و نفاستِ طبع اور علمیت کی بناء پر اپنی مجلس کا میرزا مظہر جانِ جاناں کہا کرتے تھے ان حضرات کی رائے کے مقابلے میں بھلا میری کیا حیثیت ہے کہ میں کچھ لکھوں میں تو بس اتنا ہی جانتا ہوں کہ سوزؔ صاحب میرے بزرگ ہیں مجھ سے بہت محبت فرماتے ہیں اسی لئے وہ میری گستاخیاں برداشت کرتے ہیں اور میں ان کی جھڑکیاں اور یہ سب کچھ اسی دیوان کی تدوین کے سلسلے میں ہو رہا ہے میری خواہش ہے کہ اگر غزل کے پچاس شعر ہیں تو سب ہی کا حق ہے کہ وہ چھپیں مگر وہ اس میں سے انتخاب کرتے ہیں تو مجھے (نامکمل)

نوٹ : ولی مرحوم کے کاغذات میں عرض ناشر کے عنوان سے یہ نامکمل تحریر ملی جو اُن کے بھتیجے خواجہ فضل الحسن غوری[۱] نے مجھ تک پہنچائی نہ معلوم مرحوم اس کے آگے اور کیا لکھنا چاہتے تھے یا اس تحریر میں کیا کم و بیش کرنا چاہتے تھے مگر افسوس کہ زندگی نے وفا نہ کی۔ کاغذ دیکھ کر بے اختیار میرا جی چاہا کہ اس معصوم اور بے ریا تحریر کو بطور یادگار دیوان میں شامل کر دوں[۲] (مرتب)

[۱] خواجہ فضل الحسن غوری حضرت مجذوبؒ کے پوتے اور خواجہ فیض الحسن غوری مرحوم کے صاحبزادے ہیں۔

[۲] ولی مرحوم پر ایک مضمون اس کتاب کے آخر میں درج ہے۔ (مرتب)

فراقِ مجذوبؔ

حضرت علامہ سیّد سلیمان ندوی رحؒ

یہ ہوتا ہے رخصت غلامِ محبت　　　سلامِ محبت سلامِ محبّت

افسوس کی بات ہے کہ ۱۷ اگست ۱۹۴۴ء کی صبح کو خواجہ صاحب نے اوری ضلع جانون میں اپنے گھر میں داعیٔ اجل کو لبیک کہا۔

ابھی چند ماہ ہوئے کہ خواجہ صاحب ہمارے دارالمصنفین میں آئے تھے، کئی دن سے اہلِ شہر اور اطرافِ شہر کا ہجوم ان کی زیارت اور ان کے کلام کو سننے کے لئے جمع ہو رہا تھا جو کچھ بھی کہا تھا اور جو کچھ بھی کہتے تھے۔ سب نوکِ زبان تھا جب وہ اپنے شعر پڑھتے تھے تو خود بیخود ہو جاتے تھے اور دوسروں کو بیخود بنا دیتے تھے، ایک جوش تھا جو انکے سینے میں موجزن ہوتا تھا اور وہ موزوں نغموں کی صُورت میں ان کی زبان سے باہر آتا تھا کس کو خیال تھا کہ یہ چہکتا ہوا بلبل یوں دم کے دم میں ہمیشہ کے لئے خاموش ہو جائے گا، اللہ تعالےٰ مغفرت فرمائیں اور اعلیٰ علیین میں جگہ بخشیں۔

مرحوم کو میں نے سب سے پہلے تھانہ بھون خانقاہ امدادیہ میں حضرت مولانا اشرف علی صاحب نور اللہ مرقدہٗ کی مجلس میں دیکھا، یہ وہ زمانہ تھا جب وہ ——— اشرف السوانح لکھ رہے تھے۔ دیکھا کہ مجلس کے اندر لیکن مجلس سے بے خبر ایک بزرگ اپنا دفتر لیے دیوار سے ٹیک لگائے لکھنے میں مصروف ہیں۔ پتہ ان کو میرا اور مجھے ان کا بعد کو چلا۔ اس وقت ایک نے دوسرے کو جانا نہ پہچانا۔

خوشتر آں باشد کہ سرِّ دلبراں
گفتہ آید در حدیثِ دیگراں

ان سے جان پہچان کی پہلی ملاقات نواب سیّد علی حسن خاں مرحوم کے یہاں ان کے مکان بھوپال ہاؤس لکھنؤ میں ہُوئی۔ کیا دیکھتا ہوں کہ ایک بزرگ خواجہ خضر کی صورت دراز قد۔ گورا رنگ۔ لمبی سفید ڈاڑھی۔ گول میرٹھی ٹوپی سر پر دیئے اور پُرانے زمانے کی اچکن پہنے پرانے ماڈل کی موٹر کو ڈرائیو کرتے ہُوئے آئے اور سامنے موٹر روک کر اترے۔ سب نے سروقد تعظیم کی آئیے خواجہ صاحب آئیے خواجہ صاحب؛ دل نے کہا یہ ضرور خواجہ عزیزالحسن صاحب غوری مجذوب ہیں۔ اس حقیر کا بھی تعارف ہُوا۔ لطف فرمایا۔ اس کے بعد جب قسمت نے خواجہ صاحب سے خواجہ تاشی کی نسبت کی سعادت بخشی تو تعارف نے ملاقات، ملاقات نے ان کے ساتھ عقیدت اور عقیدت نے محبّت کی شان پیدا کی۔

احبُّ الصّالحین ولستُ منھم لعلّ اللہ یرزقنی صَلاحاً

صالحوں میں گو میرا شمار نہیں لیکن ان سے محبت رکھتا ہوں کہ شاید ان کی برکت سے اللہ تعالےٰ مجھے بھی صلاح بخشیں۔

خواجہ صاحب کا اصل وطن ریاست بھرتپور میں قصبہ ندبئی تھا۔ مقامی اور خاندانی روایتوں کی رو سے سلطان شہاب الدین غوری نے جب راجپوتانہ فتح کیا تو یہاں مسلمانوں کے مختلف قبیلوں نے بارہ بستیاں آباد کیں جن میں سے ایک یہ قصبہ بھی ہے۔ جس میں مختلف قبیلوں کے نام سے مختلف محلے آباد ہیں۔ جن میں سے ایک غوری پاڑہ ہے اور عجیب اتفاق یہ ہے کہ خواجہ صاحب کے اجداد میں ہمایوں شاہ کے عہد میں الہ داد بن خواجہ غوری ایک بزرگ گذرے ہیں۔ جن کے اس نام کا کتبہ قصبہ کی مسجد میں بانی کے نام کی حیثیت سے لگا ہوا ہے۔ قصبہ میں مختلف سلاطین کی ٹوٹی پھوٹی یادگاریں اب بھی موجود ہیں۔

خواجہ صاحب کے والد خواجہ شیخ عزیز اللہ صاحب مرحوم عربی کے عالم

تھے۔ چنانچہ میزان منشعب۔ پنج گنج اور نحو میر کے اردو ترجمے عزیز المبتدی، عزیز الطالبین اور عزیز النحاۃ کے نام سے کئے جو کہیں کہیں مدرسوں میں پڑھائے جاتے ہیں اور دکانوں میں ملتے ہیں۔ فراغت کے بعد انہوں نے مدرسی پیشہ اختیار کیا اور اس زمانہ میں قانون کی تعلیم اردو میں تھی۔ اتفاق سے ایک طالبعلم کے والد کے اصرار سے اس کو قانون کی اردو کتابیں پڑھانی شروع کیں، نتیجہ یہ ہوا کہ تھوڑی محنت میں وہ خود قانون دان ہوگئے اور امتحان دے کر وکالت شروع کر دی اور اس کے لئے اورئی ضلع جالون کو اپنے لئے منتخب کیا، چنانچہ اللہ تعالےٰ نے ان کو فروغ دیا اہلِ علم اور اہلِ تقویٰ کی صحبت میں رہے۔ حضرت حاجی امداد اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے خط کے ذریعہ بیعت کی۔ تمام عمر دیانت عزت اور نیک نامی کے ساتھ بسر کر کے ۱۳۲۶ھ میں وفات پائی "مغفور" وفات کا مادۂ تاریخ ہے۔

خواجہ صاحب کی ولادت ۱۶۔ شعبان ۱۳۰۱ھ مطابق ۱۲ جون ۱۸۸۴ء کو اورئی میں ہوئی۔ تعلیم گو انگریزی کی دی گئی مگر تربیت خالص دینی اور مشرقی رہی۔ اعلیٰ انگریزی تعلیم کے لئے علی گڈھ کالج میں داخل ہوئے اور بی اے کا امتحان پاس کر کے ایل ایل بی کی تیاری کے لئے الہ آباد آئے۔

چونکہ گھر کا ماحول مذہبی تھا اس لئے مذہبی کتابوں سے دلچسپی بچپن سے رہی اور پھر چونکہ ان کے والد کو حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے تعلق تھا۔ اس لئے فطرتاً ان کی کشش ان کے خلیفۂ وقت حضرت مولانا اشرف علی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی تصنیفات کی طرف ہوئی۔ اب جو الہ آباد آئے تو قسمت نے تصنیفات سے صاحبِ تصنیفات تک پہنچا دیا۔ ۱۳۲۶ھ کا واقعہ ہے کہ اتفاق سے مولانا الہ آباد آئے ہوئے تھے ان کے وعظ کا اشتہار ہوا۔ جس کو دیکھ کر خواجہ صاحب

بتایا نہ اس مسجد میں پہنچ گئے جہاں حضرت کا قیام تھا ، دیکھا کہ حضرت محوِ خواب ہیں۔ کچھ ہی دیر بعد ظہر کی اذان ہوئی مولانا اٹھے تو اس شان سے کہ کرتے کا گریبان کھلا تھا۔ زلفیں پریشان تھیں اور آہستہ آہستہ وضو کے لئے باہر نکل رہے تھے۔ شاعری خواجہ کی فطرت تھی۔ اس موقع پر اشرف السوانح میں کیا شعر لکھا ہے :

قبا وا کردہ و کاکل پریشاں کردہ می آید
ببیں ایں بے سروساماں چہ ساماں کردہ می آید

سلام کیا۔ بڑھ کر مصافحہ کیا۔ تعارف کرایا اور بیعت کی درخواست کی جو قبول ہوئی۔ یہ اول دن ہے اور حضرت والا کی وفات کا دن آخری دن ہے کہ اپنے شیخ کے پاؤں سے جو لپٹے تو پھر الگ نہیں ہوئے۔ باہر رہے تو بھی دِل شیخ کے پاس ہی رکھا اور جب موقع ملا تو حاضری کے لئے دوڑ پڑے۔ شیخ سے اس محبّت اور عقیدت کی مثال جو ان کو اپنے شیخ سے تھی۔ اس زمانہ میں کم ملے گی

خواجہ صاحب نے قانون چھوڑ کر پہلے آبکاری میں نوکری کی مگر والد مرحوم کے حکم سے اس سے مستعفی ہو گئے اور تحصیلداری کے لئے کوشش کی۔ تحصیلدار تو نہیں ہوئے مگر ڈپٹی کلکٹر ہو گئے۔ سات برس اس عہدہ پر رہے۔ مگر یہ عہدہ ان کی افتادِ طبیعت کے خلاف تھا۔ پھر خلافِ شرع مقدمات کے فیصلہ سے ان کے دل کو الجھن ہوتی تھی۔ اس لئے کوشش کر کے اپنا تبادلہ تنخواہ کی کمی پر تعلیمات میں کرا لیا۔ پہلے مکاتب اسلامیہ کے ڈپٹی انسپکٹر مقرر ہوئے۔ پھر انگریزی اسکولوں کے انسپکٹر ہوئے اور اسی عہدہ سے پنشن پا کر ریٹائر ہوئے۔ ڈپٹی کلکٹری ہی کے زمانہ میں وہ حج سے فارغ ہو چکے تھے۔

خواجہ صاحب گو بچپن ہی سے نیک تھے۔ علی گڈھ کالج میں بھی ڈاڑھی

رکھ کر داخل ہوئے اور بسلامت واپس آئے۔ اور بیعت کے بعد تو ان کا تقویٰ اچھے اچھے مولویوں کو شرماتا تھا۔ پوری سرکاری ملازمت میں اور دوروں میں کبھی کسی سے کوئی چیز بے قیمت نہیں وصول کی۔ یہاں تک کہ مٹی کے گھڑے وغیرہ کی بھی قیمت ادا کر دیتے تھے۔ ملازمت کے زمانے میں ایک دفعہ ایک لڑکا ساتھ تھا۔ جس کی عمر گو ۱۳ برس کی تھی مگر دیکھنے میں چھوٹا معلوم ہوتا تھا۔ اہلِ کار کا اصرار تھا کہ اس کا ٹکٹ نصف چل جائے گا۔ مگر انہوں نے اس کو قبول نہیں کیا۔ اور ٹکٹ پورا لیا۔ اہلِ دنیا ان کی اس معصومیت پر ہنستے رہے اور وہ خوش تھے کہ میں بحمد اللہ خیانت کے جرم سے پاک رہا۔ ہم میں سے کتنے آدمی ہیں جو اس معمولی سے معیار تقویٰ پر پورے اتر سکتے ہیں۔

انہوں نے انگریزی کپڑے کبھی نہیں پہنے۔ ڈپٹی کلکٹری اور انسپکٹری میں بھی اپنی وضع نہیں بدلی۔ عام طور سے یا سپید چوگوشیہ ٹوپی یا میرٹھی کام کی ٹوپی اور لمبا کرتا اور اونچا شرعی پائجامہ اور باہر نکلنے پر اچکن جاڑوں میں سر پر صندلی صافہ، ان کے گورے چہرہ پر بہت زیب دیتا تھا۔

انگریزی طور وطریق سے ان کو دلی نفرت تھی۔ ایک دفعہ دہلی میں ان کے نئے طرز کے ایک دوست نے ان کو کھانے پر مجبور کیا ناچار قبول کر لیا۔ انہوں نے اپنی ہی قسم کے اور احباب کو بھی بلایا۔ کھانا میز پر چنا تھا۔ چھری اور کانٹے بھی ترتیب سے لگے ہوئے تھے۔ خواجہ صاحب ٹہلتے رہے۔ جب لوگ اپنی اپنی کرسیوں پر بیٹھ گئے تو خواجہ صاحب مرحوم آگے بڑھے اور جلدی سے اپنی پلیٹ اٹھا کر اس میں چمچہ سے کھانا نکال کر فرشِ زمین پر بیٹھ گئے۔ یہ دیکھ کر میزبان صاحب شرمائے اور فوراً صاف فرش بچھایا گیا اور سب نے زمین پر بیٹھ کر بآرام مشرقی طرز سے کھایا۔

بظاہر یہ ایک سختی معلوم ہوتی ہے مگر جس کے دل کے اندر اسلام کی سادگی اور سنت

کی پیروی عادتِ ثانیہ کے طور پر بیٹھ گئی ہو۔ اس کو اس کے خلاف کرنے میں کتنی اندرونی تکلیف محسوس ہوتی ہے۔ عام طور پر لوگ کہا کرتے ہیں کہ اسلام ان معمولی معمولی باتوں میں نہیں رکھا ہے۔ مگر تجربہ شاہد ہے کہ انہی معمولی باتوں میں تسامح اور چشم پوشی بڑھ کر بڑی باتیں بن جاتی ہیں۔

ایک دفعہ وہ شاہدرہ سہارنپور ریلوے پر جو ہنوز کمپنی ہے۔ میرے سامنے بیٹھنے لگے تو اپنے اسباب کو غور سے دیکھا کہ ریلوے کی اجازت سے زیادہ تو نہیں ہے۔ پھر فرمایا: میں اس ریل میں خاص طور سے دیکھ لیتا ہوں، گورنمنٹ ریلوے میں تو خیر کچھ تاویل بھی چل جاتی ہے۔

ان کا دوسرا وصف خاکساری اور تواضع ہے۔ اس بلند منصبی کے ساتھ کبھی ان میں ایک منٹ کے لئے بھی تشخص پسندی نہیں آئی۔ چپراسیوں کو بھی کھانے میں ساتھ بٹھا لیتے تھے۔ بازار سے چیز خرید کر اپنے ہاتھ سے اُٹھا کر لانے میں تامل نہ تھا۔ تھانہ بھون کے قیام کے زمانہ میں کھانا یا کوئی کھانے کی چیز بے تامل رومال یا دسترخوان میں لپیٹ کر لے آتے تھے۔ ایک دفعہ میرے لئے اپنی قیام گاہ سے قالین، جانماز، چٹائی بے تکلف بغل میں دبا کر خانقاہ لے آئے۔ وہ اس قسم کے کام جن کو لوگ اپنے لئے توہین اور شرم کی بات سمجھتے ہیں۔ اس بے تکلفی سے انجام دیتے تھے کہ چہرے پر میل تک نہ آتا تھا۔ اس سے زیادہ یہ کہ وہ انسپکٹر آف اسکولز ہیں ساتھ میں متعدد ماسٹر اور اسکولوں کے ہیڈ ماسٹر ہیں اور وہ چلتے ہوئے بازار سے کوئی مٹھائی یا کھانے کی کوئی چیز خریدتے ہیں اور ان کو کھلاتے ہیں اور خود بھی کھاتے ہیں۔

وہ لوگ جو کوئی بڑی سرکاری نوکری پا کر انگریزی طریق معاشرت اختیار کر لیتے ہیں۔ اور معذوری ظاہر کرتے ہیں کہ اس کے بغیر اونچے سرکاری حلقوں

میں عزت نہیں ہوتی اور ماتحتوں پر رعب نہیں پڑتا۔ یہ معذرت محض دل کے تقاضے پر بہانہ کا پردہ ہوتی ہے۔ خواجہ صاحب فرماتے تھے کہ میرے لئے تو یہ سادہ اسلامی شکل وصورت تحقیر کے بجائے عزت کا سامان بن گئی ہے۔ انگریز افسر بھی دیکھ کر عزت کرتے ہیں۔ دیانت دار سمجھتے ہیں۔ اور ہمیشہ انہوں نے میرے کام کو پسند کیا۔ کیا سرکار نے بے وجہ خان بہادر بنایا۔ ترقی پر ترقی دی۔ اور کسی موقع پر بھی میری ڈاڑھی اور میرا لمبا کرتا میری کسی ترقی میں حارج نہیں ہوا۔

ان کا تیسرا وصف ان کی محبّت ہے۔ چھوٹے بڑے ہر ایک سے محبت، ہم مذاق دوستوں سے محبت۔ اپنے برادارانِ طریقت سے محبت اور اپنے شیخ سے تو وہ محبت جس کا درجہ عشق سے بھی زیادہ اُونچا تھا۔ نوکری کے زمانہ میں دُور دُور شہروں سے بھی اگر اس قدر بھی آمد و رفت کے بعد ان کو موقع مل سکتا۔ کہ وہ ایک نظر دیکھ لیتے تو آتے اور ایک نظر دیکھ لیتے اور چلے جاتے اور اگر ایک دو روز قیام کا موقع ملتا تو کیا کہنا۔ ملازمت کے زمانہ میں نصف تنخواہ پر مہینوں کی چھٹی لے کر آتے اور خانقاہ میں خانقاہی طرز پر بسر کر کے ذکر و اشغال میں مصروف رہتے اور مجلس میں شیخ کے ملفوظات سے لطف اٹھاتے۔ اور استفادہَ باطنی کرتے۔ ملازمت کے بعد تو گویا وہیں رہ پڑے تھے۔ خانقاہ کے اوپر مغربی سمت میں ایک کمرہ اپنے لئے خاص کر لیا تھا۔

ایک دفعہ میرے سامنے ابھی دو سال ہوئے۔ تھانہ بھون میں بیمار ہوئے۔ قصبہ میں ملیریا اور ٹائیفائیڈ کی شدّت تھی۔ خواجہ صاحب بھی بیمار پڑے۔ میں نے عرض کی کہ دُودھ کے سوا اور کوئی غذا نہ کھائیے۔ کہ غذا ہی کی بے احتیاطی سے بخار بگڑ کر سمیّ ہو جاتا ہے۔ انہوں نے درخواست منظور کی۔ بخار کچھ کم ہوا تو گھر جانے

کا ارادہ کیا۔ صبح کے وقت حضرتِ والا خلافِ معمول خانقاہ تشریف لے آئے۔ اپنے لئے کھچڑی تیار کرائی تھی۔ وہ آئی، خواجہ صاحب رخصت ہونے لگے، واپس آئے تو مَیں نے کہا کچھ کھا تو نہیں لیا۔ فرمایا مَیں نے تو حضرت کے ساتھ کھچڑی کھالی وہ انشاء اللہ مضر نہ ہوگی۔ ایسی برکت کی چیز کہاں ملتی ہے۔ چنانچہ واقعی ان کو مضر نہیں ہوئی۔ عَین رخصت کے وقت مَیں نے دیکھا کہ خواجہ صاحب بچّوں کی طرح دوزانو ہوکر حضرت کے زانو پر سر رکھ کر رو رو کر کہہ رہے تھے کہ حضرت میرے حُسنِ خاتمہ کی دعا فرمائیں اور حضرت تسلّی دے رہے تھے۔

اپنے شیخ کا ایک ایک ملفوظ ایک ایک حکم، ایک ایک نصیحت ان کو یاد تھی اور اس پر عمل کرتے تھے۔ خواجہ صاحب بولتے بہت تھے، اس لئے ان سے بڑے بڑے مجاہدے کرائے گئے۔ ایک ایک مہینہ کے لئے ان کو بولنے سے منع کر دیا گیا۔ اور اس پر انہوں نے عمل کیا۔ مگر جس دن یہ صوم سکوت ٹوٹا، اسی دن ساری کسر پوری کرلی۔ مجلس میں اس پر وہ ہر روز ٹوکے جاتے تھے اور خاموشی سے شیخ کے زجر و تنبیہہ کو سُن لیتے تھے۔ مگر وہ مجبُور سے تھے۔ مَیں نے عرض کی کہ خواجہ صاحب یہ گناہ قصداً کرتے ہیں تاکہ

یار سے چھیڑ چلی جائے اسدؔ گر نہیں وصل تو حسرت ہی سہی

حضرت کو بھی ان سے بدرجۂ غایت اُنس تھا۔ رضا اور غضب ہر حال میں وہ ان پر توجہ فرماتے تھے۔ وہ ذرا نظروں سے ہٹے، فوراً پوچھا، خواجہ صاحب نہیں ہیں تنہائیوں میں، خلوتوں میں، جلوتوں میں ہر جگہ وہ ساتھ تھے۔ اکثر رات کو بھی وُہ حضرت والا کی خدمت کے لئے حضرت کی خواب گاہ کے پاس ہی سوتے تھے۔ حضرت کے مرض الموت میں بھی وہ خدمت گذاری میں مصروف رہے۔ ان کے والہانہ انداز کا ایک نقشہ یہ ہے کہ حضرت کی وفات جو عَین اسوقت ہُوئی جب

خدام نمازِ عشار کے لئے گئے ہوئے تھے۔ واپسی میں وفات کی اطلاع ملی خواجہ صاحب پہنچے تو بے اختیار شیخ کی پیشانی کو یہ کہہ کر بوسہ دیا: واہ رے میرے شیخ، ایک شان سے زندگی گذار دی۔ ان کو جب بعد کو معلوم ہوا کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالےٰ عنہٗ نے بھی حضورِ انور صلی اللہ علیہ وسلم کی جبین مبارک کو وفات کے بعد آکر بوسہ دیا تھا تو اس توافق اور بے ساختگی کی پیروی سے ان کو بڑی طمانیت ہوئی۔

وہ اپنے شیخ کے قدیم خلفار میں سے تھے۔ جب وہ خلافت سے ممتاز ہوئے تو متعدد سعادت مندان سے متعلق تھے جن کی اصلاح و تربیت کا فرض وہ انجام دیتے تھے۔ حضرتِ والا کی وفات کے بعد حضرت والا کے خدّام میں ان کی ہستی بڑی محبوب تھی وہ محبوب کے محبوب سمجھے جاتے تھے۔ افسوس کہ محبت کی یہ یادگار بھی مٹ گئی۔ شیخ کے ذکر و اذکار اور ان کے ملفوظات اور اپنے اشعار سے کوئی مجلس ان کی خالی نہیں ہوتی تھی۔ اسی ضمن میں وہ اپنے دردِ دل کے اظہار اور لوگوں پر اثر ڈالنے والی نگاہوں سے بھی غافل نہیں رہتے تھے۔

شاعرِ مجذوبؒ

خواجہ صاحب فطری شاعر تھے۔ شاعری میں کسی سے تلمذ نہ تھا۔ وہ صرف تلمیذ الرحمان تھے۔ اول تو شاعری کا سنجیدہ فطری مذاق اور ذوقِ سلیم اور اس پر تصوف کی چاشنی اور اس میں بھی جگ بیتی نہیں بلکہ اپنی کہانی سب مل ملا کر ان کی شاعری اپنے زمانے کی شاعری کا بے مثال نمونہ تھی۔ زیادہ تر غزل کہتے تھے۔ غزل کی زبان کے ساتھ خیالات کی لطافت عجیب چیز تھی۔

غالباً وہ بچپن سے شعر کہا کرتے تھے۔ اپنے حال میں ایک جگہ لکھا ہے۔ کہ انگریزی تعلیم کے زمانے میں ان کے والد مرحوم ان کو پڑھنے کے لئے اپنے پاس بٹھاتے

تھے اور یہ مناجاتیہ اشعار کی تصنیف میں مصروف رہتے تھے اور فرماتے ہیں کہ انہی مناجاتوں کی بدولت پاس ہوتا چلا گیا۔

خواجہ صاحب پورے شاعر تھے۔ جب وہ اپنا شعر سنانے پر آتے تھے تو ایک غزل دو غزل بلکہ بیسیوں غزلیں سُنا ڈالتے تھے۔ اس کی ان کو کوئی پرواہ نہیں ہوتی تھی کہ کون اس کو سُن رہا ہے اور کون داد دے رہا ہے۔ وہ اپنے اشعار سے آپ لطف اندوز ہوتے تھے اور جھُومتے تھے۔ اہلِ ادب نے لکھا ہے کہ خطابت اور شاعری میں فرق یہ ہے کہ خطیب کی نظر اپنے اوپر نہیں بلکہ سامعین پر ہوتی ہے اور شاعر کو سامع سے نہیں بلکہ صرف اپنے آپ سے بحث ہوتی ہے۔ وہ آپ ہی کہتا ہے اور آپ ہی سنتا ہے وہ اپنی شراب سے آپ مست اور اپنی بانسری پر آپ جھُومتا ہے۔ شاعری کی یہ تعریف پوری طرح ان پر صادق آتی تھی۔

لکھنؤ کے قیام کے زمانہ میں اکثر شعراء سے دنگل رہے۔ بڑے بڑے مشاعروں میں شریک ہوئے اور ہر جگہ ان کا کلام دوسرے شعراء کی رسائی خیال سے بہت اونچا رہتا تھا۔ وہ اپنی غزل خاص لَے میں پڑھتے تھے تو ایک عالم بندھ جاتا تھا۔ پُرگو بھی بہت تھے۔ ایک ایک غزل سو سو شعر کی کہہ ڈالی۔ حافظہ بھی عجیب تھا جو کچھ کہا تھا۔ حافظہ کے خزانے میں تھا۔ جب اپنی خاص صحبتوں میں شعر پڑھتے تھے تو اپنے شعروں کے معنی بھی بتاتے جاتے تھے۔ اور اپنی خاص شاعرانہ اصطلاحوں کو بھی بیان کر دیتے تھے مثلاً دورِ شراب اور گردشِ جام سے مراد تسبیح، مےخانہ سے مراد شیخ کی خانقاہ، مطرب، پیرِ مغاں، پیرِ میکدہ سے مراد شیخ، ان کے اکثر اشعار حالیہ تھے یعنی اپنے حال اور اپنی کیفیت کو شاعری کے پردہ میں ظاہر کرتے تھے۔ اسی طرح تصوف کے مقامات و منازل کو بھی غزل کے رنگ میں بیان کر دیتے تھے۔

مجذوب تخلص بھی شاید شیخ ہی کا بخشا ہوا ہے۔ پہلے حسنؔ تخلص کرتے تھے۔
حضرت مجذوب کی نسبت اپنے شیخ سے ویسی ہی معلوم ہوتی ہے جیسی امیر خسروؔ
شیخ سلطان الاولیاء رحمۃ اللہ علیہ سے تھی۔ شیخ نے بطور معالجہ کے کبھی کبھی ان کو شعر
کہنے سے بھی روک دیا تھا۔ مگر وہ ان کے شعروں کو بہت پسند فرماتے تھے۔ ان کے
ایک شعر کے متعلق ان سے فرمایا: صاحب اگر میں بادشاہ ہوتا تو آپ کو اس شعر
پر ایک لاکھ روپیہ دیتا۔ مرض الموت میں بھی حضرتِ والا نے اس شعر کو پڑھا تھا
شعر یہ تھا:

ہر تمنا دل سے رخصت ہوگئی　　اب تو آجا اب تو خلوت ہوگئی

صوفیہ کی اصطلاح میں جب تک ہر غیر سے قلبی انقطاع محبت نہ ہو جائے۔
وصالِ الٰہی ممکن نہیں محبت کی ردیف میں ان کی لاجواب غزل ہے۔

یہ ہوتا ہے رخصت غلامِ محبت　　سلامِ محبت سلامِ محبت
مرے سامنے لو نہ نامِ محبت　　چھلک جائے گا ہائے جامِ محبت
سنبھل کر ذرا تیز گامِ محبت　　مقامِ ادب ہے مقامِ محبت
ارے اک نظر اس طرف بھی خدارا　　بپاسِ مروت بہ نامِ محبت
زباں سے وہ کچھ ہی کہے جائیں مجھ کو　　نگہ دے رہی ہے پیامِ محبت
چڑھیں دار پر یا چڑھیں طُور پر ہم　　رسائی سے بالا ہے بامِ محبت
ازل ابتدا ہے ابد انتہا ہے　　نہ صبحِ محبت نہ شامِ محبت
نکلنے کی کوشش میں دونے پھنسوگے　　یہ اے حضرتِ دل ہے دامِ محبت
بچا کر کہاں ہائے لے جاؤں دل کو　　بچھا ہے دو عالم میں دامِ محبت
خدا تجھ کو مجذوبؔ رکھے سلامت　　تجھی سے ہے دنیا میں نامِ محبت

اللہ اللہ ترے آتے ہی ہجوم اشکوں کا حسرتِ دید بھی مشکل سے نکل پائی ہے

دم یہاں اکھڑا ہوا ہے نزع کا ہنگام ہے کیا کہی ہے لو خدا حافظ ہمیں اب کام ہے
دم رُکا سمجھو اگر دم بھر بھی یہ ساغر رکا میرا دورِ زندگی ہے یہ جو میرا جام ہے
یہ معانی یہ حقائق یہ روانی یہ اثر شاعری تیری ہے اے مجذوبؔ یا الہام ہے

ہر چیز میں عکسِ رُخِ زیبا نظر آیا عالم مجھے سب جلوہ ہی جلوہ نظر آیا
جب مہر نمایاں ہوا سب چھپ گئے تارے تو مجھ کو بھری بزم میں تنہا نظر آیا
صد شکر کہ آ پہنچا لبِ گورِ جنازہ لو بحرِ محبت کا کنارا نظر آیا
کھولے ہوئے آغوش بڑھا اس سے میں ملنے اتنا تھا تصور کہ میں سمجھا نظر آیا
جو دُور نگاہوں سے سرِ عرشِ بریں ہے وہ نور سرِ گنبدِ خضرا نظر آیا
مجذوبؔ کبھی سوز کبھی ساز ہے تجھ میں تو میرؔ کبھی اور کبھی سوداؔ نظر آیا

تصانیف خواجہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے نظم اور نثر میں اپنی کئی تصنیفات یادگار چھوڑی ہیں۔ ایک نظم مسٹر اور ملّا کا مناظرہ ہے۔ جس میں قدیم و جدید خیالات کی آویزش کی تصویر کشی ہے۔ ذکر و ضرب پر ایک دو نظمیں ہیں۔ افسوس ہے کہ ان کا دیوان نہ مرتب ہے نہ چھپا۔ ان کی بعض غزلیں رسالوں میں چھپی ہیں۔ معارف میں بھی کبھی چھپی ہیں ان کو نہ نام و نمود کی کبھی خواہش تھی اور نہ طبع و اشاعت کا اہتمام۔ خدا کرے وہ ضائع نہ ہوں اور چھپ کر کبھی اہلِ شوق کے ہاتھوں میں پہنچیں[1]۔

---

[1] الحمد للہ کہ علامہ مرحوم کی یہ تمنا پوری ہو گئی۔ (مرتب)

ان کی سب سے بڑی یادگار "اشرف السوانح" کی تین جلدیں ہیں جو بظاہر تو اپنے شیخ کے احوال و سوانح ہیں۔ مگر در حقیقت اس میں شیخ رحمۃ اللہ علیہ کے جمیع اصولِ تعلیم و ہدایات و نصائح و وصایا کو اس ترتیب سے جمع کیا ہے کہ وہ سلوک کی بہترین کتاب ہو گئی ہے۔ "اشرف السوانح" کا چوتھا حصہ جو شیخ رحمۃ اللہ علیہ کے آخری حالات اور وفات پر مشتمل ہے۔ شیخ کی وفات کے بعد بڑے سوز و گداز سے انہوں نے لکھا تھا، وہ ہنوز مسودہ ہے[1]۔ ان کی دوسری یادگار اپنے شیخ کے ملفوظات کی تالیف ہے جو حسن العزیز کے نام سے شائع ہوئی ہے اور فن کا نادر مجموعہ ہے۔ اللہ تعالیٰ ان خدمات کے صلے میں خواجہ صاحب کو مقامِ اعلےٰ نصیب فرمائے۔

سانحۂ وفات

حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ کی مفارقت کا جو صدمہ ان کے دل پر تھا وہ ظاہر ہے کہ اگر وہ ایک ایسے حکیم شیخ کے خالص تربیت یافتہ نہ ہوتے تو عجب نہیں کہ وہ مجذوب سے مجنون ہو جاتے۔ شیخ کی وفات کے بعد سے ان کے اندر دو جذبے قوی پیدا ہو گئے تھے۔ ایک یہ کہ شیخ کے علم اور تعلیم کو جس طرح ممکن ہو پھیلایا جائے اور دعوت الی اللہ دی جائے۔ دوسرا یہ کہ حضرت شیخ کے اکابر خدام سے مل مل کر طلب کی پیاس کو بجھایا جائے۔ چنانچہ اس ایک سال کے اندر انہوں نے اپنے وطن میں بہت کم قیام کیا۔ لکھنؤ۔ کانپور۔ ہردوئی۔ جونپور۔ اعظم گڈھ۔ بہرائچ وغیرہ شہروں میں پھر پھر اکر اخوانِ طریقت دوستوں سے ملا کئے۔ اسی سلسلے میں ۱۶ جولائی ۴۴ء کو مولانا محمد حسن صاحب امرتسری (خلیفۂ مجاز حضرت شیخ رحمۃ اللہ) کی ہمراہی میں تھانہ بھون سے چند احباب طریقت کے ساتھ امرتسر گئے وہاں جاکر دوسرے ہی روز استفراغ اور بخارِ شدید میں مبتلا ہو گئے۔ علاج سے طبیعت درست

[1] مدت ہوئی شائع ہو چکا، علامہ کا یہ مضمون حضرت خواجہ صاحب رحؒ کی وفات کے فوراً بعد کا ہے (مرتب)

ہو گئی۔ مگر نقاہت بہت ہی زیادہ پیدا ہو گئی تھی۔ ۵۔ اگست کو وہاں سے ایک صاحب کے ہمراہ اورئی اپنے وطن تشریف لائے۔ یہاں پہنچ کر بخار اور حوالیٔ قلب میں درد کی تکلیف شروع ہو گئی۔ جو آخر وقت تک رہی۔ بخار کم ہوتا گیا مگر دفعۃً ۱۶۔ اگست ۱۹۴۴ء کو پھر تمام تکالیف عود کر آئیں اور بخار اور درد سینہ میں شدت پیدا ہو گئی ۱۶ اور ۱۷ کی درمیانی شب میں بہت کرب رہا۔ استفراغ کی زیادتی اور پریشانی کے ساتھ رات بسر کی۔ صبح کچھ طبیعت ٹھیک تھی۔ مگر تکالیف موجود تھیں۔ سول سرجن اور ڈاکٹر آئے۔ انہوں نے قوت کے لئے انجکشن لگایا اور کہا کہ آپ کی حالت اچھی ہے اس پر فرمایا کہ یہ سب کچھ ہے۔ مگر میں جا رہا ہوں۔ پھر اس کے بعد جہاں انجکشن لگا تھا۔ اس ہاتھ سے بغرضِ طہارت اسپرٹ کو دھونے کے لئے پانی منگوایا اور باوجود اصرار کے خود ہی اپنے ہاتھ سے دھونا چاہا۔ دھو چکے تھے اور ابھی ہاتھ سے پانی سوت رہے تھے کہ حالت دفعتاً غیر ہو گئی۔ چت لیٹ گئے اور ہمیشہ کے لئے آنکھیں بند کر لیں۔ تجہیز و تکفین اور تدفین اسی شہر اورئی میں عمل میں آئی ایک آئی سی ایس دوست کا بیان ہے کہ ماشاء اللہ ان کی قبر پر نور سا برستا معلوم ہوتا ہے۔

نہ مجذوب سا کوئی دُنیا میں دیکھا
تمام جنون و تمام محبت

(ماہنامہ معارف اکتوبر ۱۹۴۴ء)

یہ نغمۂ دلکش، مرا بے ساز نہیں ہے
وہ بول رہے ہیں مری آواز نہیں ہے
(مجذوبؒ)

سخنے چند

اے برتر از خیال و قیاس و گمان و وہم ۔۔۔ وز ہر چہ گفتہ ایم و شنیدیم و خواندہ ایم

انذ ہ فی روض المحاسن مقلتی
وامنع نفسی ان تنال محرما
واحمل من ثقل الھویٰ مالو انہ
علی الجبل الصلد الاصم تھدما

اچھے شعر کی تعریف ماہرین شعر کے نزدیک بڑی حد تک یہ ہے کہ شعر فتنہ و فساد سے پاک ہو ابو علی نے اوپر کے ان چار مصرعوں میں اسی نقطۂ نظر کی وضاحت کی ہے۔ گذشتہ پچاس سال میں یہ سیدھا سادا نقطۂ نظر ہمارے یہاں بھی مختلف عنوانات میں تقسیم ہوگیا۔ مثلاً "ادب برائے ادب" یا " ادب برائے زندگی" وغیرہ مگر شعر کی ایک جامع تعریف یعنی فکر جمیل کا نام شعر ہے خواہ وہ جمالیات سے متعلق ہو یا کشمکش حیات سے اپنی جگہ آج بھی ایک اٹل حقیقت ہے جس سے کسی صاحب دل کو انکار نہیں ہوسکتا شعر کا تعلق صرف وجدان سے ہے اور وجدان فکر جمیل ہی کا تابع ہے حادثات حیات کے مظلوموں کے لئے شعر و ادب میں ڈوبا ہوا ایک لمحہ ایک سال کا لطف دیتا ہے سخت گیر زمانے کی بے رونق اور تاریک وادیوں میں کبھی کبھی کسی اچھے شعر کا تصور پورے ماحول کو سورج کی پہلی کرن کی طرح جگمگا دیتا ہے شعر نام ہے اُس اثر کا جو کانوں کے ذریعہ رُوح کی گہرائیوں میں اتر جاتا ہے مجھے یہ تسلیم کرنے میں ذرا بھی پس و پیش نہیں کہ شاعر قوم کے لئے پیام بر ہے! وہ فطرت کا نباض بھی ہے اور ترجمان بھی اس میں قوت تعمیر بھی ہے اور

قوت تخریب بھی مگر اسی کے ساتھ ہی میں یہ ماننے کے لئے ہرگز تیار نہیں کہ شعر سے پرو پیگنڈے کا کام لیا جائے اور شاعر پالیسی متعین کر کے شعر کہے میرے خیال سے اس صورت میں صابن بنانے کے کارخانے اور شعر ڈھالنے کی انسانی فیکٹری میں کوئی فرق نہیں رہے گا شاعر ہمیشہ کسی نہ کسی واقعہ سے متاثر ہو کر شعر کہتا ہے اور یوں شعر گوئی کی بھی دو ہی قسمیں ہیں یعنی داخلی اور خارجی، مگر یہ پروپیگنڈے والی شاعری ان دونوں تعریفوں سے مختلف ہے اور اس کا فرضی اثر روح کے بجائے حالات کے سر زبردستی منڈھا جاتا ہے فلسفۂ کائنات میں تین چیزیں لابدی ہیں جن کی درجہ بندی کچھ اس طرح پر کی گئی ہے کہ انہیں اصطلاحاً علم الیقین عین الیقین اور حق الیقین کہا جاتا ہے اسی طرح اشیاء کو سمجھنے کے لئے بھی دو ہی طریقے ہیں ایک تفکّر اور دوسرا تعقّلُ مگر چونکہ کائنات اور اس کے متعلّقات ہر لمحہ تغیّر پذیر رہتے ہیں لہٰذا معلوم ہوا کہ ان سے متعلق وقتی علم بھی نامکمل ہے مگر شاعر اپنے وجدان سے کائنات اور اس کی جزیات کا جو علم حاصل کرتا ہے وہ اُسے حق الیقین کے درجے تک پہنچا دیتا ہے قلبِ شاعر پر جو کچھ وارد ہوتا ہے وہ ایک الہامی کیفیت کے تحت ہوتا ہے پیر رومی اور ابن طفیل بھی وجدان کی اسی بلندی کے قائل ہیں اسی لئے ؏ شاعری جزو ایست از پیغمبری۔ بطورِ کہاوت نہیں بلکہ ایک کلیہ کی حیثیت سے متعارف ہے امام غزالیؒ نے بھی وجدان کو اعلیٰ مقام قرار دیا ہے۔ حضرت محی الدین ابنِ عربیؒ نے تو اپنے طرز استدلال سے وجدان کو ایک مستقل فلسفہ کی حیثیت دیدی۔ مغربی مفکرین میں دوسروں کے علاوہ برگسان بھی وجدان کی عظمت کا شدت سے قائل ہے اور اس کی اہمیت پر انتہائی زور دیتا ہے برگسان ایک قدم آگے بڑھا کر نظریہ وجدان کی تائید میں مشرقی مفکرین کی طرح اپنی ذات تک پہنچ گیا ہے اور ہمارے مفکرین ہی کے انداز میں کہتا ہے کہ اپنی ذات کا عرفان صرف وجدان ہی کے ذریعہ ممکن ہے خواجہ مجذوبؒ کے ایک ہمعصر شاعر حضرت بیدم شاہ وارثی کا شعر ملاحظہ ہو فرماتے ہیں ؎

اپنی ہستی کا اگر حسن نمایاں ہو جائے
آدمی کثرتِ انوار سے حیراں ہو جائے

اب دیکھئے یہی مضمون حضرت مجذوبؔ کے یہاں یوں وارد ہوتا ہے فرماتے ہیں ؎

عرفانِ ذات ہی مری ہستی کا حسن ہے
اک روشنی کی لہر ہے سارے وجود میں

میر تقی میرؔ سے ایک مشہور شعر منسوب ہے لیکن نئی تحقیق یہ ہے کہ یہ شعر میرؔ صاحب کا نہیں ہے لیکن ہے اسی دور کے کسی شاعر کا اور غالباً اس مضمون میں اپنے دور کا نایاب شعر ہے ؎

وہ آئے بزم میں اتنا تو میرؔ نے دیکھا
پھر اُس کے بعد چراغوں میں روشنی نہ رہی

اس دور کے بعد پھر یہی مضمون حضرت امیر مینائیؔ کے یہاں نئی تراش خراش اور نئے اسلوب کے ساتھ نظر آتا ہے ملاحظہ ہو ؎

یہ کس نے آتے ہی الٹی نقاب چہرے سے
کہ جھلملانے لگے سب چراغ محفل کے

حضرت امیر مینائیؔ کے بعد یہی مضمون مجذوبؔ صاحب کے یہاں بالکل ہی نئے انداز میں جلوہ گر ہوتا ہے ملاحظہ ہو ؎

یہ کون آیا کہ دھیمی پڑ گئی لو شمع محفل کی
پتنگوں کے عوض اڑنے لگیں چنگاریاں دل کی

خواجہ صاحب کے یہاں حق الیقین تک پہنچنے کی منزلیں ملاحظہ ہوں۔ پچھلی سطور میں اس موضوع کی درجہ بندی کے متعلق عرض کیا گیا تھا اب مجذوبؔ صاحب کے ایک مطلع میں اس کی عملی صورت دیکھئے فرماتے ہیں ؎

ترے رندوں پہ سارے کھل گئے اسرار دین ساقی
ہوا علم الیقین، عین الیقین، حق الیقین ساقی

ان تین منازل کا نتیجہ بصورت علم تین علیحدہ علیحدہ مقامات کی نشاندہی کرتا ہے یعنی پہلا صرف عقل کا مقام ہے، دوسرا بصارت کا تیسرا قطعیت کا جو عبارت ہے ناقابل تردید حقیقت سے، یہاں ساقی سے مراد رہبر کامل ہے — بزم محبوب کے اثرات، وہاں کے آداب نشست و برخاست، محبوب کی صرف ایک نگاہِ غلط انداز کی بے پناہ طلب، کس سے کس انداز میں تخاطب ہو رہا ہے کس پر لطف و کرم ہے کس پر عتاب ہے یہ اور اسی قسم کے بہت سے مرحلے ہیں جو بزم دوست میں پیش آتے ہیں مگر دیکھئے ہمارے خواجہ صاحب اپنے محبوب کے بزم آرا ہونے کا نقشہ کس مختصر انداز میں اور کس قدر جامعیت کے ساتھ پیش کرتے ہیں کہ جس سے محبوب کی پوری شخصیت اجاگر ہو جاتی ہے فرماتے ہیں ؎

وہ اٹھ بھی گئے بزم سے کب کے مگر اب تک
اللہ ری حیرت جو جہاں تھا وہ وہیں ہے

اس کائنات آب و گِل میں عبد و معبود کا تعلق بہت پرانا ہے بندہ و بندگی ہمیشہ سے لازم و ملزوم ہیں، جبینِ بندگی ہر دور میں کسی نہ کسی سنگ آستاں پر سجدہ ریز رہی ہے مگر وہ سجدہ جو عبدیت کی پوری شرائط کے ساتھ اس خالق کائنات کی درگاہِ بے نیاز میں ادا کیا جاتا ہے اس کیف آور سجدہ کا ذکر خواجہ صاحب نے جس انداز سے کیا ہے وہ انہیں کا حق ہے۔ واقعی ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ساجد کو دولتِ دوجہاں حاصل ہے اور یہ کہ وہ اب ہر جہت سے مستغنی ہے سبحان اللہ کیا جامع مطلع فرمایا ہے ؎

تصوّر عرش پر ہے وقفِ سجدہ ہے جبیں میری
مرا اب پوچھنا کیا ہے فلک میرا زمیں میری

ہمارے شاعر عام طور پر محبوب کی کج ادائی و کج روی کا رونا روتے رہتے ہیں محبوب کے ظلم وستم سے ان کی جان ضیق میں رہتی ہے کبھی محبوب نظر اٹھا کر بھی نہیں دیکھتا مگر خواجہ صاحب کا معاملہ اس کے بالکل برعکس ہے وہ محبوب کی انتہائی کرم گستری سے سخت بے چین ہیں عنایات بے پایاں اور دلداری محبوب ان کے لئے سوہانِ روح ہے ملاحظہ ہو ؎

محبت کے بدلے محبت ستم ہے
نہ لے اُف نہ لے انتقامِ محبت

حضرت واعظ اور شعراء کی نوک جھونک اردو شاعری کا ایک لازمہ ہے جہاں بسا اوقات شاعر ابتذال کی حد تک پہنچ جاتا ہے ہمارے دور میں حضرت ریاضؔ خیرآبادی کا اس نوک جھونک والی شاعری میں ایک نمایاں مقام ہے ریاضؔ مرحوم نے بڑے حسین انداز میں بے چارے واعظ پر تیراندازی کی ہے خواجہ صاحب نے بھی اس شاعرانہ روایت کو برقرار رکھا ہے لیجئے اس قبیل کا صرف ایک ہی شعر پڑھ لیجئے ؎

جو میخانے میں ہے ام الخبائث حضرت واعظ
پہنچ جاتی جو حجرے میں شراب الصّالحین ہوتی

ہمارے خواجہ صاحب کا انداز فکر بڑا عجیب ہے اُن کے نزدیک عاشق بوریہ نشین ہی اچھا معلوم ہوتا ہے عاشق کے لئے ایوان و شبستان، مسند و تخت ہتک کا باعث ہیں، عشق کی عزت جو خاک نشینی میں ہے وہ شہ نشینی کی حدود میں پہنچ کر توہین عشق کا سبب بن جاتی ہے فرماتے ہیں ؎

ہم خاک نشینوں کو نہ مسند پہ بٹھاؤ
یہ عشق کی توہین ہے اعزاز نہیں ہے

خواجہ صاحب کا رنگ اتباع شریعت کی بناء پر شیخ کی تربیت کے زیراثر اس قدر پختہ تھا کہ کوئی گہرا سے گہرا رنگ ہلکے سے ہلکا اثر بھی ان پر نہ ڈال سکتا تھا آج کے بڑے بڑے صاحبان جبہ ودستار خود ان کی زیرتربیت رہے ایسی صورت میں بھلا کہاں ممکن تھا کہ کوئی حلقۂ یاراں کوئی مجلسِ رندانہ یا کوئی محفلِ بیگانہ اس شدید متبع شریعت پر اپنی آزادہ روی کی ہلکی سے ہلکی چھاپ ڈالنے میں کامیاب ہو جاتی حالانکہ ہر مجلس و محفل میں خواہ وہ بیگانوں کی ہو یا یگانوں کی ہمارے خواجہ صاحب بہمہ صفت موجود ہوتے اور چند لمحوں میں پوری مجلس پر چھا جاتے اور پورے اجتماع کو اپنے مخصوص رنگ میں رنگ لیتے خود ہی فرماتے ہیں ؎

شریک بزم رنداں ہوں مگر از روئے کیفیت
شریک محفل روحانیاں معلوم ہوتا ہوں

خواجہ صاحب کی جب کبھی محبوب سے ان بن ہو جاتی ہے یا یوں زیادہ صحیح ہوگا کہ جب محبوب کی طرف سے عتاب نازل ہوتا ہے تو خواجہ صاحب عام عاشق کی طرح زمانۂ کرم کے انتظار میں خاموش ہو کر نہیں بیٹھ جاتے بلکہ عاشقانہ اُپج کی ایک نئی طرح ڈالتے ہیں اور محبوب کو مائل بہ کرم ہونے پر مجبور کر دیتے ہیں غالب نے تو عام حالات میں صرف اسی پر اکتفا کیا تھا ؎

ہم پکاریں اور کھلے یوں کون جائے
یار کا دروازہ گر پائیں کھلا

مگر خواجہ صاحب اپنی خواجگی اور غوری ہونے کی نسبت کو پوری آن بان سے قائم رکھتے ہیں دیکھئے کیا برابر کی چوٹ ہے فرماتے ہیں ؎

وہ اپنا در نہ کھولیں گے میں ان کا در نہ چھوڑوں گا
حکومت اپنی اپنی ہے کہیں ان کی کہیں میری

خواجہ صاحب کے اس شعر پہ دو آراہیں بعض حضرات کا خیال ہے کہ یہ شعر یوں ہے ؎

تو اپنا در نہ کھولے گا میں تیرا در نہ چھوڑوں گا
حکومت اپنی اپنی ہے کہیں تیری کہیں میری

مگر خواجہ صاحب کی اپنی تحریر میں یہ شعر نہیں مل سکا ورنہ فیصلہ ہو جاتا۔ اب کیفیت یہ ہے کہ ادھر تو خواجہ صاحب محبوب کی گرم نگاہی اور کم نظری کا شکار ہیں اور ضد پر اڑے ہوتے ہیں پھر یہ کیوں کر ممکن ہے کہ محبوب سے مخاطبت میں اتنا سخت لب و لہجہ اختیار کریں لہٰذا اول الذکر شعر ہی مناسب حال ہے مجھے بھی اسی طرح یاد ہے اور دوسرے حضرات کی بھی یہی رائے ہے۔ خواجہ صاحب بحر تصوّف کے ایسے اعلیٰ قسم کے غوّاص ہیں کہ باید و شاید ان کی ماہرانہ غوّاصی کے دو چار نمونے یہاں ملاحظہ فرما لیجئے۔ دوسری صدی ہجری کے جابر بن حیان اور ابو ہاشم کوفی کے دور سے لے کر آج تک تصوّف پر مختلف انداز سے خامہ فرسائی ہوتی رہی خصوصاً وحدۃ الوجود اور وحدۃ الشہود پر بہت کچھ لکھا گیا خواجہ صاحب نے ان، موضوعات سے الگ ہٹ کر وحدۃ الوجود پر روشنی ڈالی اور بتایا کہ خود ہمارا وجود ہستی صانع پر دال ہے فرماتے ہیں ؎

ناچیز ہیں پھر بھی ہیں بڑی چیز مگر ہم
دیتے ہیں کسی ہستی مطلق کی خبر ہم

یوں تو مسائل تصوّف کے جواہر پارے پوری کتاب میں بکھرے ہوئے ہیں اور ایسے ایسے نازک مسائل کو اتنا سہل الحصول بنا دیا ہے کہ مبادیات کا طالب علم بھی آسانی سے اُن رموز و نکات کو سمجھ لے فرماتے ہیں ؎

عاشق خام ہوں ابھی لائق امتحاں نہیں
عشق تو ہے درون دل یار درونِ جاں نہیں

پڑتی ہے وقت جور جبیں پر شکن ہنوز
مجذوب خام ہے ترا دیوانہ پن ہنوز

دل جبھی دل ہے جب اس میں یاد جانانہ رہے
گھر جبھی گھر ہے جب اس میں صاحب خانہ رہے

بنا ہے خانۂ دل رشک آئینہ خانہ
یہ صنعتیں کوئی دیکھے مرے سکندر کی

بیاں ادنیٰ سا فیض بیعت پیر مغاں کردوں
اگر سجدے میں سر رکھ دوں زمیں کو آسماں کردوں

یہ وہ دولت ہے جو اے طالبو ملتی ہے مشکل سے
متاع درد دل یعنی نہ مہنگی ہے نہ سستی ہے

پردے تعینات کے جس دن سے اٹھ گئے
عالم تمام جلوہ گہ یار ہو گیا

کتاب عشق کے سارے ورق الٹ ڈالے
کہیں یہ مسئلہ جبر و اختیار نہیں

آ! میرے دل کی بزم تمنا میں اب تو آ
دیتے تھے جو دھواں وہ دیئے سب بجھا دیئے

یہاں اب اس قبیل کا ایک آخری شعر بھی پڑھ لیجئے جو ہر تبصرے سے مستغنی ہے جس پر خود حکیم الامت حضرت تھانویؒ تبصرہ فرما چکے ہیں اور اپنی قدردانی کا برملا اظہار بھی اس طور پر فرمایا ہے کہ خواجہ صاحب کے لئے سند کی حیثیت رکھتا ہے۔ اس کتاب میں یہ واقعہ کئی حضرات کے بیان میں موجود ہے اس لئے یہاں اعادہ کی ضرورت نہیں شعر یہ ہے ؎

ہر تمنا دل سے رخصت ہو گئی
اب تو آ جا اب تو خلوت ہو گئی

جی چاہتا ہے کہ آگے چلنے سے پہلے حضرت خواجہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا وہ مسلک بھی بیان کر دوں جو موصوف حصول دین و دنیا کے متعلق رکھتے تھے اور وہ صرف چار مصرعے ہیں مگر! اللہ اکبر کیا بحرِ ذخار کو کوزے میں بند کیا ہے اور کس قدر صحیح اور متوازن رہبری فرمائی ہے ملاحظہ ہو ؎

کسب دنیا تو کر ہوس کم رکھ
اس پہ تو دین کو مقدم رکھ
دینے لگتا ہے پھر دھواں یہ چراغ
اک ذرا اس کی لَو کو مدھم رکھ

ایک واقعہ یاد آگیا جو کسی طرح بھی خالی از دلچسپی نہ ہو گا اس چھوٹے سے واقعہ میں خواجہ صاحب کی ذہنی تربیت اور مزاجی کیفیت اس درجہ نمایاں ہے کہ کسی وضاحت کی ضرورت نہیں ممکن ہے بعض حضرات اسے شدت پسندی پر محمول کریں لیکن یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ شدت کے بغیر اصلاح نفس بھی ممکن نہیں خیر! یہ ایک الگ بحث

ہے۔ خواجہ صاحب کے بڑے صاحبزادے خواجہ فیض الحسن مرحوم شدید بیمار تھے خواجہ صاحب انہیں بغرض علاج دلّی لے گئے اتفاق سے اسی دوران دلّی میں ایک کُل ہند مشاعرہ تھا چنانچہ میں بھی دلّی پہنچا مشاعرے میں خواجہ صاحب تشریف نہیں لائے دوسرے دن صبح میں فیض الحسن کو دیکھنے گیا تو معلوم ہوا کہ منشی مہاراج نرائن برقؔ نے خواجہ صاحب کے اعزاز میں ایک نشست کا انتظام کیا ہے جس میں کچھ اور شعراء کرام بھی ہوں گے اور راقم الحروف بھی مدعو ہے دو تین گھنٹے کی نشست ہوگی۔ رات کو جب میں برقؔ صاحب کے یہاں پہنچا تو مولانا مرتضیٰ مرزا اسیرؔ دہلوی، پنڈت امرناتھ ساحرؔ دہلوی، پنڈت برج موہن کیفی دتاتریہ استاذی حضرت بیخودؔ دہلوی ان حضرات کے علاوہ دو چار شاعر اور تھے۔ ایک صاحب اپنے ساتھ "نوحہ گر" بھی لاتے تھے اور اپنی غزل اسی نوحہ گر سے شروع کرائی وہ کم بخت گویا نکلا اُس نے ترنم کے بجائے باقاعدہ راگ راگنی، تال سُر اور تان پلٹے سے غزل شروع کی خواجہ صاحب سخت بے چین ہو گئے لگے پہلو بدلنے اور چہرے سے سخت برہمی کا اظہار ہونے لگا اُس پر سونے پر سہاگہ یہ کہ میں نے چپ کے چپ کے یہ دو شعر انہیں سنا دیئے

اتذکر وقتنا وقد اجتمعنا
علی طیبّب السماع الی الصبّاح
ودارت بیننا کاس الاغانی
فاسکرت النفوس بغیر راح

اور اس کے بعد خواجہ صاحب محفل سے اُٹھ کر باہر چلے گئے پیچھے پیچھے میزبان بھی گئے اور فوراً ہی واپس آ گئے، خواجہ صاحب کم و بیش ایک گھنٹہ کے بعد تشریف لائے تو پرسکون تھے۔

میں نے عرض کیا کہ حضرت! کیا اُسی مسجد میں تشریف لے گئے تھے جہاں مغرب کی نماز پڑھی تھی غالباً! حضرت مسکرا کر خاموش ہو گئے۔ ہمارے خواجہ صاحب

بڑے سریع الاحساس اور ساتھ ہی بہت شدید الاحساس واقع ہوئے تھے مزامیر کے بغیر بھی راگ راگنی کو برداشت نہیں کر سکتے تھے۔ خواجہ صاحب کی سیماب صفت شخصیت، لے پایاں فعّال ذہنی رَو، انتہائی شگفتہ مزاجی اور بے انتہا حساس طبیعت کے مناسب صرف ایک ہی شعر ہے جسے میں ان کی زندگی میں بھی پڑھتا تھا اور ان کے بعد بھی اکثر پڑھتا ہوں اس شعر میں خواجہ صاحب کی پوری شخصیت نظر آتی ہے آپ بھی سُن لیجئے اور ہوسکے تو اس شعر کے فریم میں خواجہ صاحب کا تصوراتی خاکہ فٹ کرکے دیکھئے شعر یہ ہے ؎

نعرہ زد عشق کہ خونیں جگرے پیدا شد
حسن لرزید کہ صاحب نظرے پیدا شد

ہمارے خواجہ صاحب قطعی طور پر وہبی شاعر تھے اکتساب کا ان کی ذات سے کہیں دور کا تعلق بھی نہیں وہ صحیح معنیٰ میں الشعراء تلامیذ الرحمٰن کے مصداق تھے۔ ہر اچھا شعر انہیں بے چین کر دیتا تھا خواہ وہ کسی بڑے شاعر کا ہو یا چھوٹے کا بعض دفعہ یہ بھی ہوا کہ انہیں کوئی مصرعہ بہت پسند آیا تو مصرعہ پر مصرعہ لگا کر اپنی غزل میں شامل کر لیا لیکن ایسا شاذ و نادر ہی ہوا اور اس میں بھی دوسرے کے مصرعہ میں الٹ پھیر نہیں کیا مثال کے طور پر جیسا کہ حضرت حافظ شیرازیؒ کے یہاں یزید بن معاویہؓ کے مطلع میں ہوا اصل مطلع یوں ہے ؎

علی المسموم ما عندی بتریاق وّ لا راقی
ادرکا سا وّ ناولہا الا یا ایہا الساقی

حضرت حافظؒ نے دوسرے مصرعے میں تقدم و تاخر کرکے مطلع کا پہلا مصرعہ بنایا اور پھر دوسرا مصرعہ کہہ کر مطلع کو یوں مکمل کیا ؎

الا یا ایها الساقی ادر کاساً و ناولها
کہ عشق آسان نمود اول ولے افتاد مشکلها

یہ بات میں نے بطور مثال بیان کر دی ورنہ وہ خود اس قدر زود گو اور اتنے پر گو تھے کہ ایک ایک غزل میں ستر ستر مطلع موجود ہیں اور اشعار کا تو کچھ کہنا ہی نہیں سنو بھی ہیں ڈیڑھ سنو بھی ہیں بعض جگہ اس سے زیادہ اور اختصار پر آئے تو بعض غزلیں سات آٹھ شعر کی بھی کہہ ڈالیں حقیقت یہ ہے کہ گذشتہ نصف صدی میں اتنا زود گو شاعر نہیں دیکھا اب ممکن ہے کہ اس زود گوئی اور طوفانی شاعری میں کہیں کوئی فنی نقص بھی رہ گیا ہو یا کہیں شعر کی نوک پلک درست نہ ہو تو اس سلسلے میں مرتب کو صرف اسی قدر عرض کرنا ہے کہ یہ میری کوتاہی ہے خواجہ صاحب کا اس سے کوئی تعلق نہیں ان کی طرف سے تو مولانا ئے رومؒ کی زبان فیض ترجمان سے جواباً یہ شعر کافی ہے ؎

شعری گویم بہ از آبِ حیات
من نہ دانم فاعلاتُ فاعلات

اور میری کوتاہی کی وضاحت یہ ہے کہ اگر کوئی ایسا شعر تھا تو میں نے انتخاب ہی کیوں کیا تو حضور والا! اس کا جواب یہ ہے کہ نفس مضمون کی بلندی، کسی مسئلہ کی وضاحت انداز بیان کی خوبی، سلاست و روانی زبان و بیان کی چاشنی اور اسی قسم کی بہت سی چیزوں نے مجبور کیا ہو گا کہ فنی نقص کو ان بلندیوں پر قربان کر دیا جائے۔ اس معذرت کے بعد بھی اگر ناقدین اور اہل فن حضرات کو اعتراض ہوا اور میری عمر نے بھی وفا کی تو انشاءاللہ تعالےٰ جواب دہی کے لیے حاضر ہوں۔ حقیقت یہ ہے کہ خواجہ صاحب کے یہاں عام شاعری نہیں ہے ان کا بظاہر ہلکے سے ہلکا شعر بھی مضمون کی گہرائی سے خالی نہیں وہ شاعری اور ہے جسے عرف عام میں قافیہ پیمائی کہا

جاتا ہے جہاں صرف الفاظ ہی الفاظ ہوتے ہیں اور شاعر بطن شعر میں معنیٰ رکھنا بھول جاتا ہے یا پھر ایسے شعر جو صرف لفظی تکرار ہی سے عبارت ہوتے ہیں جن کی مثالیں کچھ یوں نظر آتی ہیں ؎

دندانِ تو جملہ در دہانند
چشمانِ تو زیر ابروانند

یا یہ مشہور شعر ؎

تو شب آفریدی چراغ آفریدم
سفال آفریدی ایاغ آفریدم

خواجہ صاحب کے یہاں تو یہ حال یہ ہے کہ بظاہر معمولی شعر بھی اپنے اندر دہ گنج گراں مایہ رکھتا ہے کہ نہ پوچھئے مثلاً صرف دو شعر ملاحظہ ہوں ؎

بیسوا ہے یہ بے وفا دینا
سَو طرح آزما کے دیکھ لیا

آشنا بیٹھا ہو یا نا آشنا
ہم کو مطلب اپنے سوز و ساز سے

میں نے اس مضمون میں کسی تسلسل یا ربط کو بطور خاص ملحوظ نہیں رکھا جو کچھ ذہن میں آتا گیا اسی طرح قلم برداشتہ صفحہ قرطاس پر منتقل ہوتا گیا یہ بھی حضرت خواجہ کا فیض ہے کہ مجھ ایسے نحیف و زار اور مریض انسان سے اتنا مشکل کام سرانجام پا سکا اللہ پاک کا احسان ہے کہ مجھے اس دور میں ایسی توانائی عطا فرمائی کہ مسلسل چھ چھ سات سات گھنٹے دیوان کا کام کرتا رہا۔ قیام لکھنؤ کے دوران حضرت خواجہ کی بڑی کرم نوازیاں میرے حال پر رہیں کم و بیش دس بارہ سال میں حضرت خواجہ کی صحبت بابرکت سے فیض یاب ہوتا رہا۔ یوں تو میری زندگی کا بیشتر حصہ لکھنؤ ہی میں گذرا مگر یہ دس بارہ سال کا زمانہ بڑا عجیب زمانہ تھا خصوصاً اس زمانے

کے وہ حصے جن میں حکیم الامت حضرت تھانوی لکھنؤ میں مقیم ہوتے اور طالبان ذوق کا اجتماع ہوتا میں بھی خواجہ صاحب کے ساتھ حضرت والا کی مجالس میں شریک ہوتا رفتہ رفتہ حضرت کی مخصوص صحبتوں میں بھی باریابی نصیب ہوئی بعض مخصوصین کے یہاں دعوتوں میں بھی حضرت والا کے کسی قدر قریب بیٹھنے کا شرف حاصل ہوا اس کی وجہ یہ تھی کہ مقربین بارگاہ اشرفیہ حضرت خواجہ صاحبؒ، حضرت وصل بلگرامیؒ، حافظ عبدالولی صاحبؒ ڈپٹی علی سجاد صاحبؒ، حضرت حاجی حق داد خان صاحبؒ، مولوی محمد حسن صاحب، عبدالوحید خان سید علی حماد رضا یہ سب حضرات چونکہ انتہائی محبت و خلوص فرماتے تھے اس سبب سے حضرت والا پر بھی میری موجودگی گراں نہ ہوتی تھی اور پھر تو بحمد اللہ یہ صورت بھی ہوئی کہ میرے شعر بھی سنے اظہار خوشنودی بھی فرمایا۔ اللہ اللہ کیا زمانہ تھا کیا میل و بہار تھے کیسی کیسی محترم ہستیاں تھیں[۱]

مقدر ہو تو خاک سے پوچھوں کہ اے لعین
تو نے وہ گنج ہائے گرانمایہ کیا کئے

بسلسلۂ مشاعرہ جب ایک مرتبہ سہارنپور جانے کا اتفاق ہوا تو لکھنؤ سے یہ قصد تھا کہ بعد مشاعرہ لکھنؤ واپسی سے پہلے تھانہ بھون جا کر حاضری ضرور دوں گا مگر ع ہائے مجبوریاں مقدر کی۔ ہوا یہ کہ پروگرام کے خلاف دو ایک دن ضیافتوں کی نذر ہو گئے اور آخر میں صحافتی زندگی کی ذمہ داریاں کشاں کشاں لکھنؤ لے گئیں ع اے بسا آرزو کہ خاک شدہ اس وقت بیساختہ اپنے بزرگ مخدومی حضرت ڈاکٹر عبدالحئی صاحب عارفی مدظلہم کا ایک شعر یاد آ گیا آپ بھی سن لیجئے ؎

جب بھی گذرے ہیں وہ تصور میں
پردۂ چشم نم سے گذرے ہیں

آپ حضرات معاف فرمائیں کہ خواجہ صاحب اور ان کے کلام پر لکھتے لکھتے جذبات کی

---

[۱] مولوی محمد حسن صاحب مولوی عبدالوحید خان صاحب ڈاکٹر سید علی حماد رضا ماشاء اللہ بقید حیات ہیں اللہ پاک انہیں تا دیر زندہ و سلامت رکھیں۔ آمین

دو ہیں کہاں سے کہاں پہنچ گیا۔ خیر! تو میں عرض یہ کر رہا تھا کہ خواجہ صاحب کے بظاہر سیدھے سادے اشعار بھی معنویت کے لحاظ سے بڑے عمیق ہوتے ہیں یہاں پر ایک اور وضاحت بھی ضروری ہے اور وہ یہ کہ اس خسرو بارگاہ اشرفیہ کے کلام کو سمجھنے کے لئے چند چیزوں کا ذہن میں احاطہ کرنا ضروری ہے ورنہ شاعر کا حق ادا ہونا تو درکنار مضامین کی نزاکتوں سے عہدہ برا ہونا مشکل ہو جائے گا لہٰذا ؎

لے سانس بھی آہستہ کہ نازک ہے بہت کام
آفاق کی اس کارگہ شیشہ گری کا

پہلی چیز، اُن کی اپنے شیخ حکیم الامت حضرت مجدد تھانویؒ سے والہانہ عقیدت و شیفتگی۔ دوسری چیز اُن کی شاعری جو نفس نفس میں جاری و ساری تھی تیسری چیز تقویٰ جس نے ڈپٹی کلکٹری پہ چھڑوائی اور چوتھی چیز!! جسے آپ عالم خود فراموشی کہہ لیجئے ــــ اور جس کا کوئی وقت مقرر نہیں تھا یہ استغراقی کیفیت باتیں کرتے کرتے طاری ہو سکتی تھی، چلتے پھرتے ہنستے بولتے اس عالم سے دوچار ہو جاتے تھے۔ خصوصاً شعر پڑھتے وقت تو یہ کیفیت انتہائی عروج کو پہنچ جاتی تھی ــــ اس برصغیر پہ آباد شعراء کرام کی فوج ظفر موج میں ایک خواجہ مجذوبؔ ہی ایسے شاعر نظر آتے جنہیں داد سے ہمیشہ مستغنی پایا، اُنہیں اس سے کوئی سروکار نہیں تھا کہ سامعین پر کیا ردعمل مرتب ہو رہا ہے، داد دے رہے ہیں یا خاموش بیٹھے ہیں وہ تو آنکھیں بند کئے عالم بے خودی میں شعر پڑھ رہے ہیں اور مسلسل پڑھ رہے ہیں، اس وقت اُن کے نزدیک زمانہ نہ قیام میں ہوتا نہ خرام میں ایسے عالم میں اگر آپ اُن کے مخاطب الیہ کو تلاش کرنا چاہیں تو اس شعر میں تلاش کیجئے ؎

بنام شاہدِ نازک خیالاں
عزیزِ خاطرِ آشفتہ حالاں

خواجہ صاحب کے ہر شعر میں یہ نسبت موجود ہے اب پرکھ اور نظر اپنی اپنی ہے جیسے حسن جہاں کا معاملہ نظر آتے یہ اپنے اپنے ذوق اور

وجدان پر منحصر ہے۔

ایک مرتبہ انجمن بہار ادب لکھنؤ کا کُل ہند سالانہ مشاعرہ تھا خواجہ صاحب بھی بحیثیت شاعر مدعو تھے راقم الحروف اسٹیج سکریٹری کے فرائض انجام دے رہا تھا، تقریباً دو بجے رات کو خواجہ صاحب کا نمبر آیا تو لوگ ان کے ظاہر کو دیکھ کر ہنس دیئے، لمبا قد، سرخ و سپید رنگ، سفید داڑھی، سفید ٹوپی، سفید براق سا اچکن نما انگرکھا ایک آواز آئی "یہ مسجد نہیں ہے" کسی ظریف الطبع نے پچھلی نشستوں سے اذان دینا شروع کر دی۔ ایک مسخرے نے ہانک لگائی "غلط جگہ آ گئے حضرت!" خواجہ صاحب مجمع کی اس نامعقولیت کو نظر انداز کرتے ہوئے مائک کے سامنے تشریف لائے اور اپنے مسحور کن ترنم اور والہانہ انداز میں یہ مطلع پڑھا ؎

گھٹا اٹھی ہے تو بھی کھول زلفِ عنبریں ساقی
ترے ہوتے فلک سے کیوں ہو شرمندہ زمیں ساقی

کہاں تو مجمع ہوٹنگ کے موڈ میں تھا اور کہاں اس مطلع کے بعد سناٹا چھا گیا کچھ باذوق حضرات نے "مکرر ارشاد" کی فرمائش کی خواجہ صاحب نے دوبارہ مطلع پڑھا اب مجمع بھی سنبھل چکا تھا اور پھر جو داد کا طوفان اٹھا تو کان پڑی آواز نہیں سنائی دیتی تھی، مطلع کے بعد جب مجذوب صاحب نے ذرا کڑک کر یہ شعر پڑھا تب تو مشاعرے میں پٹس پڑ گئی ؎

زبردستی لگا دی آج بوتل منہ سے ساقی نے
میں کہتا ہی رہا ہاں! ہاں! نہیں ساقی نہیں ساقی

اب اُدھر داد کے ڈونگرے برس رہے تھے اور ادھر خواجہ صاحب ایک عالمِ بے خودی میں غزل سرا تھے خدا خدا کر کے غزل ختم ہوئی تو ایک اور ایک اور کی فرمائشوں نے پنڈال سر پہ اٹھا لیا اور جناب! اس "ایک اور" کا نتیجہ یہ ہوا کہ ایک کے بعد دوسری پھر تیسری اور چوتھی غرض کہ صبح کی اذان سُن کر خواجہ

صاحب چونکے اور غزل سرائی کا سلسلہ ختم ہوا حالانکہ مجمع اب بھی سننے پر مُصر تھا مگر خواجہ صاحب مسجد کو سدھارے اور محفل برخاست ہوئی۔ اس سلسلے میں منتظمین مشاعرہ کو بعض تلخیوں سے بھی واسطہ پڑا یعنی وہ بزرگ اساتذہ و مشاہیر جو مجذوبؔ صاحب کے بعد پڑھنے والے تھے نہیں پڑھ سکے اور خفا ہو کے چلے گئے۔

اب چونکہ خواجہ صاحب کی اس حیثیت کا ذکر چھڑ گیا ہے لہذا مناسب ہوگا کہ اس قبیل کے دو ایک واقعات اور عرض کر دوں، یہ ان دنوں کی باتیں ہیں جب مجذوبؔ صاحب ڈویژنل انسپکٹر آف اسکولز کی حیثیت سے لکھنؤ میں حضرت گنج کے قریب سرکاری بنگلے میں مقیم تھے جمعہ کا دن تھا اور شدید لُو چل رہی تھی میں جوشؔ[۱] صاحب کے یہاں سے ایک بجے کے قریب اُٹھا جوش صاحب اُس وقت چڑیا گھر کے قریب رہا کرتے تھے میں ابھی تھوڑی ہی دور چلا تھا کہ سامنے سے خواجہ صاحب آتے ہوئے دکھائی دیئے لُو اور دُھوپ سے بچاؤ کے لئے ایک بڑا سا رومال سر پر ڈالے اور اس کے کونے دانتوں میں دبائے نظریں نیچی کئے خراماں خراماں جب قریب آئے تو مجھ پر نظر پڑی سلام دعا کے بعد پوچھا کہاں سے آرہے ہو پھر میرے جواب پر مسکرائے اور حسب عادت دو ایک شعر پڑھے اور پھر تو جناب والا! یہ سلسلہ اتنا طویل ہوا کہ تقریباً دو کا عمل ہو گیا، لُو کے جھکڑ چل رہے ہیں سڑک پر کھڑا ہونا مشکل ہے سننے والے کے حلق میں کانٹے پڑ گئے مگر پڑھنے والے پر موسم کی شدت کا کوئی اثر نہیں کہ دفعتاً مجذوبؔ صاحب شعر پڑھتے پڑھتے چونکے اور توبہ و استغفار کرتے ہوئے مسجد کی طرف لپکے اور میں نے بھی یہ سمجھ کر کہ اب خواص کی مسجد تک پہنچنا مشکل ہے مجذوبؔ صاحب کی تقلید کی (یہ واقعہ کافی مشہور ہے) مجذوبؔ صاحب واقعی مجذوب تھے پہلے حسنؔ تخلص کرتے تھے پھر شیخ کی ایماء پر حسنؔ سے قطعی مجذوب ہو گئے۔ حضرت مجذوبؔ راقم الحروف پر انتہائی کرم فرماتے تھے اُس دور میں شام

[۱] حضرت جوش ملیح آبادی

کو نعمت اللہ ہاؤس ہیں بھی محفل جمتی تھی، اس محفل کے شرکا میں چودھری نعیم اللہ صاحب، ڈاکٹر معراج رسول صاحب، کبھی کبھی لائق علی خاں صاحب ڈپٹی کلکٹر (نواب صاحب پریانواں کے صاحبزادے) عبدالوحید خاں صاحب (جو اُس دور میں بندوق والے مشہور تھے مگر اب سابق وزیر پاکستان کی نسبت سے پہچانے جاتے ہیں) مولوی عبدالوحید خاں صاحب، کبھی کبھار جسٹس چودھری نعمت اللہ صاحب بھی شریک ہو جاتے تھے، ان محفلوں میں میری شرکت کچھ لازمی سی ہو گئی تھی اس لئے کہ میرا قیام بھی اس زمانے میں نعمت اللہ ہاؤس ہی میں تھا اور یہ سب حضرات بھی وہیں رہتے تھے، ہوتا یہ تھا کہ خواجہ صاحب بعد نماز عصر اپنے مکان واقع حضرت گنج سے چلتے تھے اور امین آباد میں انوار بک ڈپو[1] پر آکر ٹھیکی لیتے تھے اور پھر بعد نماز مغرب اکثر نعمت اللہ ہاؤس میں محفلِ شعر و سخن گرم ہوتی تھی اور رات گئے تک یہ سلسلہ جاری رہتا تھا اس دوران خواجہ صاحب کے صاحبزادے فیض الحسن مرحوم موٹر لئے لاٹوش روڈ پر موجود رہتے تھے (یہ وہ جگہ تھی جہاں مجذوب صاحب موٹر چھوڑ کر پیدل انوار بک ڈپو تک آتے تھے) اس ضمن میں ایک عجیب واقعہ پیش آیا، ایک روز عشاء کے وقت سے بارش شروع ہو گئی اور کسی طرح رکنے کا نام نہ لیتی تھی بارے کوئی دو بجے کے قریب کچھ زور کم ہوا تو خواجہ صاحب کو دوسری سواری سے حضرت گنج پہنچوا دیا گیا۔ صبح نماز کے وقت خواجہ صاحب کو صاحبزادے اور موٹر کا خیال آیا، آدمی دوڑا گیا معلوم ہوا کہ صاحبزادے صاحب اس تمام باد و باراں میں موٹر لئے وہیں انتظار کرتے رہے ــــ اس واقعہ کو خود مجذوب صاحب نے بیان فرمایا ہے۔

خیر! تو ذکر خواجہ صاحب کے انداز و الہانہ کا تھا۔ ایک مرتبہ بنارس

---

[1] انوار بک ڈپو کے مالک مرحوم محمد حسن صاحب کاکوروی مجاز صحبت حضرت حکیم الامت جن کے مکان واقع بھیڑی منڈی میں حضرت تھانوی قیام فرماتے تھے۔

میں آل انڈیا مشاعرہ ہوا خان بہادر رحمٰن بخش قادری وہاں کا کلکٹر تھے، غالباً مشاعرے کی کچھ سرکاری حیثیت بھی تھی اس لئے کہ مشاعرہ کمیٹی کے صدر خود قادری صاحب تھے ـــ میں نے مشاعرے کے لئے تازہ غزل کہی شام کو اپنی محفل میں غزل کا ذکر ہوا پھر اہل محفل کی فرمائش پر غزل سنائی گئی مجذوب صاحب کو وہ غزل بہت پسند آئی کاغذ میرے ہاتھ سے لے لیا اور دیر تک دیکھتے رہے اور اتفاق سے پھر وہ کاغذ خواجہ صاحب کے پاس رہ گیا۔ تاریخ مشاعرہ سے دو روز قبل میں دفعتاً بیمار ہو گیا اور مشاعرے میں نہ جا سکا خواجہ صاحب تشریف لے گئے اور جب مشاعرے میں اُن کے پڑھنے کا وقت آیا تو اپنی غزل کے بجائے میری غزل پڑھی اور یہ کہہ کر پڑھی کہ سوز شاہجہانپوری کی یہ تازہ غزل مجھے بہت پسند ہے آپ حضرات بھی سنئے! اس واقعہ کے بہت سے ناقلین آج بھی موجود ہیں، کچھ عرصہ کے بعد میں ایک دوسرے مشاعرے میں جب بنارس پہنچا تو اکثر حضرات نے مجھے یہ روداد سنائی اور ساتھ ہی یہ بھی کہا کہ تمہاری غزل بھی اسی کیف اور والہانہ انداز میں پڑھی گئی جیسے خواجہ صاحب عام طور پر پڑھتے ہیں، اُس غزل کا ایک شعر یاد آگیا آپ بھی سُن لیجئے ؎

تو رمیدگی سراپا میں اسیر کج ادائی

تو حدیث جور پیہم میں قتیل بے گناہی

خواجہ صاحب کو صرف اچھے شعر سے ربط تھا خواہ وہ اُن کا ہو یا کسی اور کا اور یوں بھی شعراء کی عام سطح سے وہ بہت بلند تھے اور مزاجی اعتبار سے بھی بہت مختلف تھے۔

خواجہ صاحب سے متعلق بعض واقعات ایسے ہیں جو اپنی نزاکتوں کی وجہ سے ضبط تحریر میں نہیں لائے جا سکتے اس لئے کہ اُن میں جو رموز و نکات پنہاں ہیں اُنہیں آج کا ایک عام قاری سمجھ ہی نہیں سکتا، ہاں یہ ممکن ہے کہ ایسی چیزیں پڑھ کر اُس کی ذہنی رو بھٹک جائے لیکن یہ ممکن نہیں کہ وہ اُن

واقعات کو اسی زاویئے سے دیکھے اور سمجھے جس زاویئے سے مجذوب صاحب سے قریب رہنے والے دیکھتے اور سمجھتے تھے لہٰذا ایسے واقعات کا بیان نہ کرنا ہی مناسب ہے —

جس زمانے میں جوش ملیح آبادی نے اپنی وہ مشہور رباعی تخلیق فرمائی تھی جس کا ایک مصرعہ یہ ہے کہ ع

خدا کے ساتھ کے کھیلے ہوئے ہیں

اور یہ رباعی ہر مشاعرے میں سنی جاتی تھی، اُسی زمانے میں خواجہ صاحب نے اسی زمین اور انہیں قوافی ردیف میں ایک نظم مسلسل شروع کر دی تھی یہ نظم جوش صاحب کی رباعی کے جواب میں تھی، خواجہ صاحب فرمایا کرتے تھے کہ یہ تو اپنا اپنا معاملہ ہے اُنہیں یہ توفیق ہے کہ وہ اس طرح کی رباعی کہیں ہمیں یہ توفیق ہے کہ ہم اس طرح کا منہ توڑ جواب دیں اور صاحب! کیا آمد تھی اُس نظم میں اور کس جذبے سے پڑھتے تھے معلوم ہوتا تھا کہ جہاد کر رہے ہیں اُس نظم میں ایک قافیہ "کھیلے" بھی استعمال ہوا ہے میں نے عرض کیا کہ یہ قافیہ مناسب نہیں ہے فرمایا کہ جوش نے جو کہا ہے وہ مناسب ہے؟ میاں! مناسب و نامناسب کچھ نہیں ایسی ہی "ضرب شدید" کی ضرورت ہے بارے وہ قضیہ بھی رفع دفع ہو گیا یہ قصہ بھی اپنی جگہ دلچسپ ہے، ہوا یوں کہ حضرت وصل بلگرامی (مرحوم) کی یہ کوشش تھی کہ کسی طرح یہ معاملہ رفت و گذشت ہو جائے وہ بیچارے برابر اسی تگ و دو میں لگے رہے آخر کار جوش صاحب اس امر پر راضی ہو گئے کہ خواجہ صاحب سے معذرت کر لیں گے اس کارِ خیر کے لئے اتوار کا دن مقرر ہوا — اور پھر طے شدہ وقت پر حضرت وصل بلگرامی، حضرت جوش ملیح آبادی، مولانا قدیر لکھنوی اور راقم الحروف پہنچے مجذوب صاحب کے گھر، مگر خلاف معمول آج یہاں کافی مجمع تھا استفسار پر ایک صاحب نے بتایا کہ آج مختلف اضلاع کے ڈپٹی انسپکٹروں اور ہیڈ ماسٹروں وغیرہ

کی پیشی ہے بہر حال! وصل صاحب نے ایک کاغذ کے پرزے پر جوشؔ
صاحب کا نام لکھ کر اندر بھجوا دیا مگر جب کافی وقت گذر جانے کے بعد
بھی کوئی شنوائی نہ ہوئی تو جوشؔ صاحب کا پارہ چڑھ گیا، سخت
ناراض، وصل صاحب سے مخاطب ہو کر بولے کہ آپ نے یہاں لا کر میری سخت
توہین کرائی ہے میں اس بے عزتی کو برداشت نہیں کر سکتا وغیرہ وغیرہ وصل صاحب
بھی بیچارے اپنی جگہ پر شرمندہ سے نظر آ رہے تھے بالآخر ایک مرتبہ لپک کر وصل
صاحب نے چق اٹھائی اور ہم سب اندر، خواجہ صاحب اس مجمع کو دیکھ کر کھڑے
ہو گئے، وصل صاحب نے شکایتاً کہا حضرت جوشؔ اتنی دیر سے باہر کھڑے
تھے اور آپ مزے سے اندر بیٹھے ہوئے مقدمے سماعت فرما رہے ہیں،
خواجہ صاحب نے حیرت زدہ ہو کر فرمایا کہ واللہ و باللہ مجھے خبر ہی نہیں وصل
صاحب نے اُنہیں کے سامنے سے وہ چٹ اٹھا کر دکھائی کہ یہ کیا ہے؟ فرمایا
کہ میں سمجھا وہ ڈپٹی انسپکٹر "جوشی" ہے جو ایک معاملے میں ماخوذ ہے، اب
جو ہم لوگوں نے وہ پرزہ دیکھا تو معلوم ہوا کہ جناب وصل نے انگریزی میں جوشؔ
صاحب کا نام اس طرح لکھا تھا جو بادی النظر میں جوشی پڑھا جاتا تھا یعنی یوں!
JOSHE ۔ خیر! جوشؔ صاحب نے معذرت کی کہ میرا مفہوم اس رباعی میں یہ
ہے! اور میرے مخاطب آپ حضرات نہیں! اور دراصل مصرعہ کا مطلب یہ
ہے وغیرہ وغیرہ ۔ خواجہ صاحب نے صرف اتنا کہا کہ معذرت آپ اللہ پاک
سے کیجئے ورنہ میں زندگی بھر اسی ایک قافیہ میں آپ کے خلاف کہتا رہوں گا
پھر یہ طے ہوا کہ جوشؔ صاحب آئندہ کسی مجمع میں یہ رباعی نہیں پڑھیں گے
(مگر اب سنتا ہوں کہ پڑھتے ہیں) ایک بار لکھنؤ میں ڈاکٹر سید علی حماد رضا
صاحب کے مولوی گنج والے مطب میں خواجہ صاحب تشریف لائے دن کے
تقریباً دس بجے تھے میں اور شوکت تھانوی مرحوم بھی کہیں اُدھر آ نکلے بس
پھر کیا تھا جم گئی محفل اور ڈاکٹر کے مطب میں شعر و سخن کا بازار گرم ہو گیا اور ظہر

تک گرم رہا اس محفل کا یہ واقعہ بھی خالی از دلچسپی نہیں، خواجہ صاحب غزل پڑھ رہے تھے اور مطلب بھر جانے کے بعد باہر فٹ پاتھ تک پر لوگ کھڑے تھے کہ سامعین میں سے کسی نے داد کے طور پر کہا "واہ کیا بانکپن ہے" خواجہ صاحب نے فوراً اُدھر مخاطب ہو کر فرمایا "جنہیں بانکپن نظر آجاتا ہے، وہ کہتے نہیں" اور پھر شعر پڑھنے لگے حالانکہ یہ انداز ان کی عام مزاجی کیفیت سے مختلف ہے لیکن کبھی کبھی اس انداز میں بھی نظر آتے تھے، ایسی ہی ایک صحبت میں ایک بار میں نے یہ شعر پڑھا ؂

تو آں قاتل کہ از بہر تماشا خونِ من ریزی
من آں بسمل کہ زیرِ خنجرِ خونخوار می رقصم

شعر سن کر خواجہ صاحب کی حالت متغیر ہو گئی آنسو بہنے لگے بڑی دیر کے بعد طبیعت قابو میں آئی — مگر پھر محفل میں بیٹھ نہ سکے اور تشریف لے گئے — خواجہ مجذوبؔ کا وہ دور بھی بڑا عجیب ہے جب ان پر شعر گوئی و شعر خوانی کے سلسلے میں قدغن تھی جن حضرات نے وہ دور دیکھا ہے کچھ وہی خوب جانتے ہیں کہ اس حکم کی تعمیل میں خواجہ صاحب پر کیسے کیسے عالم گذر گئے اور ان کی قوت برداشت کس کس طرح بروئے کار آئی اور حقیقت یہ ہے کہ مجذوبؔ صاحب نے اِسی ایک معاملے میں ضبط نفس کا جو ثبوت دیا ہے وہ ان کی ذہنی بلندی کا آئینہ دار ہے۔

خواجہ صاحب کے تقویٰ وطہارت، حقوق اللہ وحقوق العباد، اپنے شیخ سے والہانہ عقیدت وشیفتگی اور اسی قسم کے دوسرے موضوعات پر لکھنے والے بہت ہوں گے میں نے بھی چند کلمے اس ضمن میں محترم حضرت ڈاکٹر عبدالحیؔ صاحب عارؔفی مدظلہ خلیفہ حضرت تھانویؒ کے دیوان پر تبصرہ کرتے ہوئے خواجہ صاحب پر لکھے ہیں لیکن خواجہ صاحب کی زندگی کے جس پہلو پر اس صحبت میں میں نے روشنی ڈالی ہے اس انداز پر لکھنے والے شاید کم ہی ہوں

اس لطف صحبت کو کچھ وہی محسوس کر سکتے ہیں جن کو حضرت خواجہ صاحب سے قربت رہی ہے اور جنہوں نے اس عالم صفت مجذوبؒ سے کچھ استفادہ بھی کیا ہے اس دور میں خواجہ صاحب ایسے لوگ عنقا کا حکم رکھتے ہیں کیا خوب کہا ہے میر تقی میرؔ نے ؎

پیدا کہاں ہیں ایسے پراگندہ طبع لوگ
افسوس تم کو میرؔ سے صحبت نہیں رہی

میرؔ کے اس شعر میں لفظ "پراگندہ" آشفتہ مزاجی یا ذہنی انتشار کے معنیٰ میں استعمال ہوا ہے جو ہر چند کہ ہمارے خواجہ صاحب کے کردار کی ترجمانی نہیں کرتا لیکن پھر بھی شعر کے مجموعی تاثر سے بڑی حد تک مفہوم ادا ہو جاتا ہے خواجہ صاحب کی ذات سے شریعت کو اگر الگ کر دیا جائے تو وہ ایک ایسی شخصیت رہ جائے گی جو متقی بھی ہے اور پرہیز گار بھی، شریف النفس بھی ہے اور عابد شب زندہ دار بھی، صائم النہار بھی ہے اور قائم اللیل بھی، بندۂ مومن بھی ہے اور عاشق رسولؐ بھی غرضیکہ وہ شخصیت سبھی کچھ ہو سکتی ہے مگر مجذوبؔ نہیں ہو سکتی۔

لذیذ بود حکایت دراز تر گفتم

اور اب میں اس شعر پر مضمون کو ختم کرتا ہوں کہ ؎

تازہ خواہی داشتن گر داغہائے سینہ را
گاہے گاہے باز خواں ایں قصۂ پارینہ را

آخر میں اپنے رفقائے کار کا تہہ دل سے ممنون ہوں جن کے علمی وعملی تعاون نے ہر قدم پر میری رہبری کی ان میں مولوی عبدالوحید خاں صاحب جو حکیم الامتؒ کے نہ صرف یہ کہ حلقہ ادارت میں شامل ہیں بلکہ حضرت والا کے مقربین میں شمار ہوتے ہیں خان صاحب نے بڑی مدد فرمائی اپنی پرانی بیاضوں سے حضرت مجذوبؒ کے کلام کا بیشتر حصہ عنایت فرمایا

ایک ایک شعر کے لئے بڑی تگ و دو کی اسی طرح جناب ڈاکٹر غلام محمد صاحب (مؤلف تذکرۂ سلیمانیہ وغیرہ شاگرد رشید حضرت علامہ سید سلیمان ندویؒ) نے بروقت اپنے مفید مشوروں سے نوازا خصوصاً جب کتاب کے نام کا مسئلہ درپیش ہوا تو موصوف نے حضرت مجذوبؒ ہی کے ایک مصرعہ سے "گفتۂ مجذوبؒ" اخذ فرما کر یہ مشکل بھی آسان کر دی، تیسرے رفیق کار جناب سید احمد رضا بلگرامی جو بلگرام کے ایک علمی خانوادے سے تعلق رکھتے ہیں اور خود بھی صاحب علم ہیں اردو اور فارسی ادب پر بڑی گہری نظر ہے موصوف نے از اول تا آخر اس مشکل کام میں میرا ہاتھ بٹایا۔ حقیقت یہ ہے کہ بلگرامی صاحب ہی ولی مرحوم کو اشاعت دیوان کے لئے اپنی پیہم کوششوں سے آمادہ کر سکے حالانکہ اس سے قبل بہت سے حضرات سعیٔ رائیگاں کا شکار ہو چکے تھے۔

ان صاحبان کے علاوہ مولوی محمود الحسن سنبھلی (خلیفہ مجاز حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب نور اللہ مرقدہٗ) نے بھی کتابت کی تصحیح کے سلسلے میں اپنا بہت سا قیمتی وقت صرف کیا اور بڑی توجہ سے کاپیاں دیکھیں۔

میں ان سب حضرات کا صدق دل سے سپاس گذار ہوں اللہ پاک ان سب کو جزائے خیر عطا فرمائیں۔ آمین والسلام علیٰ من تبع الہدیٰ۔

فقیر سوز شاہجہاں پوری
خاک نشین کراچی
۴۳ اے۔ سب بلاک اے۔ قطار ۲
بلاک ناظم آباد کراچی ۱۸

چہار شنبہ ۳ ربیع الثانی
مطابق
۲۰ فروری ۱۹۸۰ء

(اس مضمون کا کچھ مختصر سا حصہ میرے مضمون مطبوعہ کتاب "ذکر مجذوبؒ" سے ماخوذ ہے)

خواجہ عزیزالحسن صاحب مجذوبؒ

حضرت مولانا شاہ ابرارالحق صاحب خلیفہ حکیم الامت حضرت
تھانویؒ۔ ہردوئی بھارت

حضرت خواجہ صاحب نے علی گڑھ یونیورسٹی میں تعلیم حاصل کی۔
آپ کو طالب علمی کے زمانہ ہی سے دین سے لگاؤ تھا حضرت اقدس
مولانا تھانویؒ سے آپ کو اسی زمانہ سے عقیدت اور محبت تھی طالب علمی
کے زمانہ میں آپ شرعی لباس پہننے کا اہتمام رکھتے تھے بزرگوں سے
عقیدت اور محبت کا خداوند تعالیٰ نے آپ کو یہ ثمرہ عطا فرمایا کہ باوجودیکہ
آپ نے عربی درسیات نہیں پڑھی تھیں مگر آپ کی عملی کیفیت یہ تھی
جب آپ ڈپٹی کلکٹری کے عہدہ پر فائز ہوئے اس میں آپ نے دیکھا کہ
سود کی ڈگری دینی پڑتی ہے تو آپ نے اس عہدہ سے مستعفی ہو کر تعلیمی محکمہ
میں ڈپٹی انسپکٹری پر آنا قبول کیا۔ حالانکہ اس میں تنخواہ بہت ہی کم تھی
نیز اعزاز دنیوی کی بھی کمی تھی یہ بزرگوں کی صحبت کا اثر تھا انہوں نے دین
کو ترجیح دی۔

نیز آپ کو شاعری سے فطری تعلق تھا حضرت اقدس مولانا تھانوی
نوراللہ مرقدہ سے اس درجہ محبت اور لگاؤ تھا کہ آپ حضرت تھانوی کی ملاقات
کو فتح پور یا کانپور گئے اور ایسے وقت وہاں پہنچے جبکہ حضرت تفسیر بیان القرآن
لکھ رہے تھے گفتگو نہیں ہو سکی باہر کھڑے کھڑے زیارت کرتے رہے اور
گاڑی کی وقت آگیا وہاں سے روانہ ہو گئے۔ حضرت کے فیض سے ایسے

مستفید ہوئے کہ حضرت کی برسہا برس اور ہزاروں صفحہ پر لکھنے والی تعلیمات کو چند صفحات میں نظم کر دیا یہ ان کا خاص کمال تھا۔

حضرت اقدس حکیم الامت مولانا تھانوی نوراللہ مرقدہ سے ہندوستان کے سیکڑوں ممتاز علماء کرام استفادہ کا تعلق رکھتے تھے مگر حضرت خواجہ صاحب کو حضرت کے یہاں اللہ تعالیٰ نے وہ درجہ عطا فرمایا تھا کہ جملہ خدام حضرت تھانوی نوراللہ مرقدہ ان کا احترام کرتے تھے کہ مجلس میں ان کے علاوہ اور لوگ کم گفتگو کرپاتے تھے ندوۃ المصنفین اعظم گڑھ میں جب حضرت خواجہ صاحب مولانا مسعود علی صاحب کے بلانے پر تشریف لے گئے تھے اس وقت حضرت مولانا شاہ عبدالغنی صاحب اور مولانا شاہ وصی اللہ صاحب اور علامہ سید سلیمان ندوی اور ڈاکٹر عبدالحیٔ صاحب بھی وہاں تشریف لے گئے تھے میر مجلس حضرت خواجہ صاحب ہوتے تھے اور وہی ناطق ہوتے تھے اور سب ساکت رہتے تھے ایک میرے خاص کرم فرمانے بتلایا کہ جب انہوں نے حضرت اقدس حکیم الامت نوراللہ مرقدہ سے تعلق بیعت کا قصد کیا تو پرچہ دیا گیا جس میں بہت سے اکابر کرام کے نام تھے کسی سے تعلق اصلاحی قائم کرلیا جاوے تو بیعت کرلیا جاوے گا انہوں نے اس پر حضرت خواجہ صاحب کا نام تجویز کیا تو حضرت اقدس حکیم الامت نوراللہ مرقدہ نے تحریر فرمایا کہ لاجواب انتخاب ہے۔

جس طور سے حضرت سلطان نظام الدین اولیاء کے یہاں حضرت امیر خسرو کی شان تھی اسی طور پر خداوند تعالےٰ نے حضرت خواجہ صاحب کو حضرت تھانوی نوراللہ مرقدہ کے خلفا میں حیثیت عطا فرمائی تھی حضرت خواجہ صاحب دنیاوی وجاہت کے ہوتے ہوئے طبیعت میں تواضع اور سادگی غالب تھی تربیت میں خاص ملکہ حاصل تھا کہ بڑے بڑے علماء ان سے رجوع کرتے تھے اور اپنی اصلاح تربیت میں مشورہ لیتے تھے۔

ایک مرتبہ آپ سے کسی نے دریافت کیا کہ آپ نے اتنے بڑے عہدہ کو چھوڑ کر معمولی ملازمت کو ترجیح دی آپ نے جواب دیا کہ عہدہ اور مال سے مقصود سکون اور آرام سے زندگی بسر کرنا ہے۔ مجھے روحانی سکون اور اطمینان جو اس عہدہ تعلیم میں ہے وہ دوسرے عہدہ میں نہیں تھا اس لئے اس کو اختیار کیا آپ کو اپنے شیخ سے اس درجہ تعلق اور عشق تھا کہ شیخ کے انتقال کے بعد آپ ہر وقت بے چین رہتے تھے کسی جگہ سکون سے نہیں بیٹھ پاتے تھے شیخ کے بہت ہی تھوڑے عرصہ کے بعد آپ رحلت فرما گئے۔

حضرت خواجہ صاحب کو نثر و نظم میں خاص ملکہ حاصل تھا مصنفین اور شعراء میں خاص مقام رکھتے تھے۔

آپ کے کلام میں سلاست و روانی پائی جاتی ہے مندرجہ ذیل کتب نثر و نظم میں اس کی شاہد ہیں۔ اشرف السوانح۔ مسلم کی بیداری۔ مراقبہ موت کشکول مجذوب وغیرہ۔

خواجۂ مجذوب رحمۃ اللہ علیہ

ڈاکٹر غلام محمد صاحب

خواجۂ مجذوب (حضرت عزیز الحسن غوریؒ) ایک اچھے شاعر تھے، انکار کس کو ہے۔ مگر اُن کے دور میں وہی ایک اچھے شاعر تو نہ تھے، اور بھی تھے جو فنی اعتبار سے اچھے تھے، مگر ہاں سچّے شاعر جیسے وہ تھے، کوئی دوسرا نظر نہیں آتا۔ سچے شاعر سے میری مراد بس اتنی نہیں کہ اُنکی زبان سراسر دل کی ترجمان تھی۔ بلکہ یہ بھی کہ سچائی ان کے دل میں گھر کر گئی تھی، وہ سچائی جسے ازلی صداقت یا صداقت کبریٰ کہتے ہیں۔ جس کا مفہوم یہ ہے کہ حق موجود باقی سب نابود ــــ یہ صداقت اُن کے دل میں کچھ ایسی سما گئی تھی کہ ان کا حاصلِ مشاہدہ حق ہی حق کا جلوہ رہ گیا تھا۔ دِل میں جھانکیں تو اُسی کی دید ؎

جو مَیں دن رات یوں گردن جھکائے بیٹھا رہتا ہُوں
تری تصویر سی دل میں کھنچی معلوم ہوتی ہے

اور جو اِدھر اُدھر دیکھیں تو اسی کا نظارہ ؎

جہاں اوروں کو دُنیائے دنی معلوم ہوتی ہے
مجھے ہر سُو تری جلوہ گری معلوم ہوتی ہے

ہر چیز میں عکسِ رُخِ زیبا نظر آیا — عالم مجھے سب جلوہ ہی جلوہ نظر آیا

ہر وقت ہے پیشِ نظر اک حُسن کی دنیا — اب تو ہے جو آنکھوں میں تو ہر چیز حسیں ہے
پردہ ہی سے ہے تابِ نظر ہم کو میسّر — پردہ ہی نرا پردہ ورائے پردہ نشیں ہے

مجذوب صاحب بحرِ وحدت، میں ایسے غرق ہیں کہ ان کا کلام تمامتر اسرارِ وحدت ہی کا ترجمان ہے، اور تو اور جب وہ اپنے شیخ پُرانوار کی تعریف کرتے نظر آتے ہیں۔ اُس وقت بھی وہ حُسنِ ازل ہی کے شیدائی ہیں۔ ذاتِ شیخ ان کے لئے دیدِ حقیقت کا وہ دُور بینی شیشہ ہے جس کے ذریعہ وہ حُسنِ مطلق کا عمیق تر مشاہدہ کر لیتے ہیں۔ اور جو ایسے یک بیں نہیں ہیں۔ وہ ان پر کھلی گرفت فرماتے ہیں کہ ؎

سمجھتا ہے غلط لیلیٰ کو لیلیٰ قیس دیوانہ
نظر والے تو لیلیٰ کو بھی اک محمل سمجھتے ہیں

اس وضاحت کے بعد ان کی مدحتِ شیخ ملاحظہ ہو، فرماتے ہیں ؎

یہ تری زلفیں یہ آنکھیں یہ ترا مکھڑا یہ رنگ
حُور کو اللہ کی قدرت نے انساں کر دیا

"حور" کا لفظ یہاں تشریح طلب ہے۔ یہ محبّت الٰہی کے مستوں کی ایک اصطلاح ہے، اِس سے جنّت میں ملنے والی حُور قطعاً مراد نہیں بلکہ وہ جب "حور" یا "پری" کہتے ہیں تو اس سے اُن کی مراد تجلّیِ الٰہی ہوتی ہے۔ خواجہ مجذوب، ذاتِ شیخ میں ربانی تجلی کا مشاہدہ کر کے قدرتِ الٰہی کی کرشمہ سامانی کی داد دے رہے ہیں کہ اللہ اکبر قدرتِ مطلقہ کا کیا ٹھکانہ ہے کہ اپنی تجلی جو سمت وجہت سے پاک تھی اس کو ایک قالبِ موزوں میں مقید کر دکھایا! ــــــ ایک اور موقع پر جہاں خواجہ صاحب کی ٹکٹکی شیخ کے چہرۂ پُرنور پر بندھی ہُوئی معلوم ہوتی ہے۔ خود اُنہی کی زبانی سنئے کہ درحقیقت وہ کس کی دید میں محو ہیں ؎

چڑھی ہے کچھ ایسی کہ تیور تو دیکھو   جوان آج پیرِ مغاں ہو رہا ہے
دمکتا ہے چہرہ، چمکتی ہیں آنکھیں   بڑھاپے میں بھی جانِ جاں ہو رہا ہے

تیور، چہرہ، آنکھیں مرکزِ دید نہیں بلکہ وہ جو "چڑھی" ہے اور وہ جو "دمک" اور "چمک"

ہے۔ اس پر نظر قربان ہو رہی ہے۔

آگے یہ بات صاف صاف خود ہی فرما دی ہے ؎

نکلتی ہیں ہر موئے تن سے شعائیں ‌ ‌ ‌ یہ کس مہ کا جلوہ عیاں ہو رہا ہے

حقیقت کھل کر آ گئی کہ ذاتِ شیخ آئینہ ہے جس کے اندر مشاہدہ ماہِ حقیقت (تجلیٔ الٰہی) کا ہو رہا ہے۔ یہ ہے سرِّ اَلْحَمْد جو صرف عارفینِ حق پر کھلتا ہے[1]!
حضرتِ مجذوب سیرِ آفاق کے ابراہیمی غرقِ مشاہدہ عارف ہیں، خود فرماتے ہیں:
اور کیا خوب فرماتے ہیں ؎

مرے جام و مینا، نہیں جام و مینا ‌ ‌ ‌ یہ ہے قلبِ روشن، وہ ہے چشمِ بینا

ہمیشہ ہوں مست اور ساغر نہ مینا ‌ ‌ ‌ اسے دیکھ اے رند کہتے ہیں پینا

خواجہ صاحبؒ مجذوب ہیں، مگر اُن مجاذیب کے صف کے نہیں جو سلوک نا آشنا ہوں۔ بلکہ وہ "مجذوب سالک" اور سالکِ مجذوب" ہیں۔ یعنی جذبِ الٰہی نے اُن کو پہلے پہل اپنی طرف دفعتہً کھینچ لیا تھا۔ مگر اس کے بعد وہ طریقِ سلوک کے سارے نشیب و فراز سے بھی گذارے گئے۔ اس راہ کے ہر سنگِ میل کو انہوں نے دیکھا، پہچانا اور جب سلوک کی منتہا پر پہنچے تو ربِّ رحیم نے پھر انہیں بحرِ جذب میں غرق کر ڈالا کہ دوامِ مشاہدہ میں مست رہیں۔ اعتراف ملاحظہ ہو ؎

کہاں سے مجھ کو پہنچایا کہاں پیرِ مغاں تو نے
مرا میخانہ اب لاہوت ہے، رُوح الامیں ساقی

---

[1] علماءِ ظاہر بھی اس کے تو قائل ہیں کہ الحمد میں ال کلمۂ استغراق ہے یعنی حمد کوئی سی بھی ہو۔ کسی قسم کی بھی ہو، بہ ظاہر کسی کے لئے بھی ہو۔ درحقیقت صرف اللہ ہی کی ہوتی اور اُسی کو پہنچتی ہے۔ مگر کس طرح ہر حمد اللہ ہی کی ہوتی اور اسی کو پہنچتی ہے یہ اس کی فہم سے وہ عاری ہیں۔ کیونکہ صاحبِ مشاہدہ نہیں!

اسی لئے وہ وصولِ الٰہی کی دونوں راہوں یعنی "طریقِ اجتباء" (طریقِ جذب) اور "طریقِ انابت" (طریقِ سلوک[ا]) کے یکساں واقف کار رہے اور وصالِ الٰہی وہ ان دونوں دروازوں سے حاصل کرتے رہے — کیا وجد آفریں شعر کہہ گئے ہیں ؎

ہے آمد و رفت اپنی، اُس بزم میں روزانہ
اک در درِ توبہ ہے، اک در درِ میخانہ

یہاں "بزم" سے مراد بزمِ وحدت، "درِ توبہ" سے مراد طریقِ انابت، اور "درِ میخانہ" سے مراد طریقِ اجتباءً ہے — اس شانِ جامعیت کا مجذوب کبھی کبھی پیدا ہوتا ہے۔ اور جب پیدا ہوتا ہے، پندار کی محفلوں کا برہم زن ہوتا ہے۔ چنانچہ حضرت خواجہ صاحبؒ کی ہمتِ عالی اور قوتِ تصرف کا اظہار خود اُنہی کی زبانی سُنئے ؎

ذرا ہشیار رہنا شیخ جی، مَیں ہُوں وہ مستانہ
نظر میں زاہدِ صد سالہ کو پیرِ مغاں کر دوں
مَیں گو مجذوب ہوں لیکن بہ فیضِ مُرشدِ کامل
نظر میں راہزن کو رہنمائے سالکاں کر دوں

مخلص سالکینِ طریق کو بقدرِ ظرف کبھی انوارِ ذکر نظر آجاتے ہیں اور کبھی انوارِ ملکوت، مگر خال خال عالی حوصلہ ایسے بھی ہیں کہ ان پر جیتے جی تجلّیِ ربانی چمک جاتی ہے۔ کتنے ہیں جو اس میں جاں بحق ہو گئے مگر خواجہ مجذوب اُن چند میں سے

[ا] "اجتباء" و "انابت" قرآنی اصطلاحات ہیں اللہ یجتبی الیہ من یشاء و یھدی الیہ من ینیب ○ اور "جذب" و "سلوک" علی الترتیب انہی کی صُوفیانہ اصطلاحات ہیں۔

ہیں جن کا ظرف ہم جیسوں کے تصوّر سے ماورا رہے، اُن پر ربّانی تجلی کوندی اور وہ شہید بھی نہیں ہُوئے بلکہ یہ احساسِ شہود اپنی جگہ قائم کئے قائم رہے، فرماتے ہیں ؎

چمکنے لگا سر بہ سر نور ہو کر
مَیں جل جانے والا نہیں طور ہو کر

اِنہی تجلیات کے بیک ظہور و اخفا کو کس نزاکتِ شاعرانہ سے ادا کیا ہے ؎

حدیں عشق کی کر رہے ہیں وُہ قائم
کبھی پاس آ کر، کبھی دُور ہو کر

یہ اُنہی کی قوتِ برداشت ہے کہ انتہائے قرب و وصل میں بھی آپے سے باہر نہیں ہُوئے، کوئی "شطح" اُن کی زبان سے نہیں نکلی۔ حالانکہ بات آسان نہ تھی ؎

زباں چپ رہی گرچہ مجبور ہو کر
رہا بال بال اپنا منصور ہو کر

کوئی دل لگی ہے یہ اے شیخ زندی
بہت ہوش رکھنا ہے مخمور ہو کر

طریقت کے جتنے سلاسل ہیں، محبت کی چاشنی کس میں موجود نہیں مگر چشتیہ سلسلہ میں چونکہ "نسبتِ علینت" کا زور ہے، اسلئے آتش بجاں جتنے ہیں سب یہیں ہیں۔ میری کیا مجال، قطبِ ارشاد فضل رحمٰن گنج مرادآبادیؒ کا ارشاد ہے:

"بزرگانِ چشتیہ میں خاص نسبتِ علوی کا ظہور ہے اور وہ فیض عینیت کہ عَلِیٌّ مِنِّیْ وَاَنَا مِنْہُ سے عبارت ہے، اس طریق میں بہت ہے اور فنا فی الشیخ کا یہی منشا ہے اور آپ (حضرت علی کرم اللہ وجہہ) کی نسبت عیسوی تھی تو اوسی نَفَخْتُ فِیْہِ مِنْ رُّوْحِیْ کی مناسبت ہے کہ چشتیہ کا درد لے سماع

آرام پذیر نہیں ہوتا۔[1]

ہمارے خواجۂ مجذوب اس "فیضِ عنیت" سے خوب سرشار ہیں اور یہی نغمہ ان کے ساز سے نکل رہا ہے ؎

یہ نغمۂ دلکش مرا لبِ ساز نہیں ہے
وہ بول رہے ہیں، مری آواز نہیں ہے
دل ازل سے ہے کوئی آج کا شیدائی ہے
تھی جو اک چوٹ پرانی وہ ابھر آئی ہے

یہ چشتی بندگانِ عشق ہی کا ذوق ہے کہ وہ "پرانی چوٹ" (اَلَستُ وَبَلٰی) کے لذّت آشنا ہوکر چوٹ پر چوٹ کھانے اور غم پر غم سہنے کے حریص نظر آتے ہیں۔ سنہ ۹۲۲ھ کے متوفی ایک چشتی نظامی عاشق صادق کی ہمت جانثاری ملاحظہ ہو ؎

کہ دارد ایں چنیں عیشے کہ در عشق تو من دارم
شرابم خوں، کبابم دل، ندیمم درد، نُقلم غم
اگر پرسند سعدؔ از عشقِ او حاصل چہا داری
ملامتہائے گوناگوں، جراحتہائے بے مرہم

یہی جذبہ اور یہی ہمت و حوصلہ سنہ ۱۳۶۲ھ کے متوفی چشتی اشرفی مجذوب کے حال و قال سے بھی عیاں ہے، البتہ مجذوب صاحب کا پیرایۂ اظہار حضرت سعدؔ خیرآبادی (قدس سرہٗ) سے زیادہ لطافت و نزاکت لئے ہوئے ہے، فرماتے

---

[1] "کمالاتِ رحمانی" از مولانا حافظ تجمل حسین رحمۃ اللہ علیہ خلیفہ حضرت گنج مرادآبادی قدس سرہٗ۔

ہیں ؎

محبت کے بدلے محبت ستم ہے
نہ لے اُف نہ لے انتقامِ محبت

اب اتنی رعایت تو اے آسمان ہو
نئے غم ملیں، پچھلے غم دُور ہو کر

خواجۂ مجذوبؒ جیسا کہ عرض کیا جا چکا ہے ایک مجذوب سالک ہی نہیں، بلکہ سالکِ مجذوب بھی ہیں، اسی لئے گفتۂ مجذوب میں عرفانیات کے ماسوا تربیتِ باطن اور سلوکِ طریقت کے سارے سامان موجود ہیں۔ عازمِ طریق کو کیا سمجھ کر قدم اٹھانا چاہیے؟ راہیٔ طریق کو کن کن خطرات سے بچ کر چلنا چاہیے؟ ایک متوسط کو کیا کیا مصائب برداشت کرنے ہوں گے؟ یاس و ناامیدی کو کس طرح دُور رکھا جائے؟ احوال کیا ہیں؟ مقامات کس کو کہتے ہیں؟ سیرالی اللہ کیا ہے؟ سیر فی اللہ کس کو کہتے ہیں؟ منتہائے سلوک سے کیا مراد ہے؟ اعتبار و دید کے حدُود کیا ہیں؟ وغیرہ وغیرہ سب کچھ گفتۂ مجذوب میں بہ تمام و کمال مل جائے گا۔ میرے پیشِ نظر اسوقت نہ کُل کا کُل کلامِ مجذوب ہے نہ ساری تفصیلات کا احاطہ اس مختصر مضمون میں ممکن، البتہ نمونۂ شوق افزا کے طور پر چند باتیں اور وہ بھی نہایت مختصر تمہیدی اشارات کے ساتھ حاضر ہیں، توجہ مبذول ہو:۔

(۱) یہاں منزل ہی نہیں بلکہ راستہ خود مقصود اور تا دمِ مرگ چلنا مطلوب ہے اِهۡدِنَا الصِّرَاطَ الۡمُسۡتَقِيۡمَ کی جامع دعا جو ایک مومن آخری سانس تک دہرائے چلا جاتا ہے۔ اسمیں اسی معنویت کا تو اظہار ہے، اسی کو خواجۂ مجذوبؒ یوں ادا فرماتے ہیں: ؎

ہمیں تو رات دن اے ہمسفر چلنے سے مقصد ہے سفر محدود ہو جنکا انہیں ہو فکر ساحل کی

بس چلا چل قطعِ راہِ عشق اگر منظور ہے
یہ نہ دیکھ اے ہمسفر نزدیک ہے یا دُور ہے

(۲) راہِ سلوک میں بڑی ہمت درکار ہے، ارشادِ ربانی ہے: قُلِ اللّٰہ ثُمَّ اسْتَقِمْ، خواجہ صاحبؒ مبتدی کو نفس کے مقابلہ میں اور متوسط کو احساسِ بے حاصلی کے مقابلہ میں متنبہ فرمارہے ہیں کہ ہمت بلند رکھے! ؎

نہ چیت کر سکے نفس کے پہلوان کو
تو یوں ہاتھ پاؤں بھی ڈھیلے نہ ڈالے
ارے اس سے کُشتی تو ہے عُمر بھر کی
کبھی وہ دبا لے، کبھی تُو دبا لے

تو اپنا در نہ کھولے گا مَیں تیرا در نہ چھوڑوں گا!
حکومت اپنی اپنی ہے، اُدھر تیری، اِدھر میری

---

(۳) سالکِ طریق کا فرض ہے کہ اپنے احوال خوب چھپائے رکھے کہ یہ خاص محبُوب کی امانت ہے، خواجہ مجذوب آگاہ فرما رہے ہیں ؎

نمایاں ہو نہ چہرہ سے، نہ آنکھوں سے، نہ باتوں سے
محبت رازِ اندر رازِ اندر راز بن جائے!

(۴) عشقِ مولیٰ کا دعویٰ اور پھر نفع و نقصان کا خیال، کیسی عجیب بات ہے۔حضرت مجذوب نادانوں کو سمجھا رہے ہیں ؎

محبت بھی کیا عاشقو ہے تجارت؟
یہ کیوں ذِکرِ سُود و زیاں ہو رہا ہے!

(۸) کوئی سالک طریق سنّت کی وردی پہنے اور عجز و نیاز کا کاسہ ہاتھ میں لئے بغیر بارگاہِ بے نیاز میں بار ہی نہیں پا سکتا۔ خواجہ مجذوب بہمہ جذب و مستی اِن آداب کے پابند ہیں ؎

تیرے محبُوب کی یارب شباہت لے کے آیا ہُوں
حقیقت اس کو تو کر دے میں صورت لے کے آیا ہُوں

(۹) راہِ سلوک کے انوار بھی غیر حقیقی اور ناقابلِ التفات ہی ہیں، خواجۂ نقشبند حضرت بہاء الدین قدّس سرّہٗ کا مقولہ مشہور ہے۔ ہر آنچہ دیدہ شود و شنیدہ شود ہمہ غیر خدا ست ـــ حضرت مجذوب کی زبانی یہ حقیقت کس حُسن و خوبی سے ادا ہوگئی ہے، فرماتے ہیں ؎

یہ اپنی حدِ نگہ ہے، کسی کی دید کہاں یہ حُسنِ عکسِ نظر ہے، جمالِ یار نہیں

(۱۰) سیّر الی اللہ کی حد سہی مگر سیّر فی اللہ تو نامتناہی ہے، خواجہ صاحب سے سُنئے ؎

قطعِ راہِ عشق اے رہ رو کبھی ممکن نہیں
اک سفر ہے تا بہ منزل، اک سفر منزل میں ہے
عبث ہے جستجو بحرِ محبّت کے کنارے کی
بس اسمیں ڈوب مرنا ہی ہے اے دل پار ہو جانا
ع منزل پہ پہنچ کر بھی ہیں مشغولِ سفر ہم

(۱۱) یہاں یافت کا منتہا عدمِ یافت اور پہچان کا نقطۂ آخر حیرت کے سوا کچھ نہیں، کیونکہ معاملہ "ھُوَ الباطن" والی ذات کی دید و معرفت کا ہے، مولانا جامی قدس سرّہٗ لوائح میں رقم فرماتے ہیں: "نشانِ او بے نشانی ست و نہایتِ عرفانِ وے حیرانی"۔ اسی کو حضرتِ مجذوبؔ فرماتے ہیں ؎

ناکام ہی تا عمر رہا طالبِ دیدار
ہر جلوہ ترا بعد کو پردہ نظر آیا
تصور سلامت، تحیر سلامت
میں بیٹھا ہوں اپنی جگہ طور ہو کر

بہرکیف ان چند عنوانات سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ بساطِ طریقت کا مہرہ پیادہ ہو یا فرزیں یا بادشاہ، اگر کامیاب چال چلنا چاہے تو گفتۂ مجذوب میں اس کی رہنمائی کا کافی ووافی سامان موجود ہے اور اہلِ ظاہر کے لئے محاسنِ شاعری کی بھی اسمیں کوئی کمی نہیں، بلکہ میں تو یہی کہوں گا جو صرف صنائع وبدائع ہی کا دلدادہ ہے۔ وہ اسی نقطۂ نظر سے اس کلام کا مطالعہ شروع کر دے۔ تو وہ ابھی کلام کی "اچھائی" کی داد دینے نہ پائیگا کہ اس کی "سچائی" اس کی نگاہ کو صنائع بدائع کے حسنِ مجاز سے اٹھا کر صانعِ حقیقی اور بدیعِ مطلق (تعالیٰ شانہٗ) کی ذات تک پہنچا دے گی۔ یہی اس کلام کا امتیاز اور اسی کی کرامت ہے، جو یقیناً صاحبِ کلام کی عجوبہ انفرادیت کا اثر ہے۔ کہ وہ خود گم بھی ہیں مگر گمشدوں کے رہبر بھی، مجذوب بھی ہیں اور سالک بھی، سخت متقی اور پابندِ سنت بھی ہیں اور عشق ومستی کے مخمور بھی، شیخ بھی ہیں اور غرقِ معرفت بھی بقول انہی کے: ؎

ازل کے مست ہیں، رکھتے ہیں ہم فطرت ہی مستانہ
ہمیں خم ہیں، ہمیں ساغر، ہمیں میکش، ہمیں ساقی

پس اس کے سوا کیا کہا جا سکتا ہے ؎

عجب مشرب ہے تیرا، تجھکو اے مجذوب کیا سمجھیں
کہیں پیرِ مغاں تو ہے، کہیں میکش، کہیں ساقی

خواجہ مجذوبؒ

جناب غلام احمد مدنی۔ ستارۂ پاکستان، ستارۂ قائداعظمؒ
سابق ممبر صوبائی اسمبلی کمشنر کراچی

یو۔پی یعنی صوبجات متحدہ آگرہ واودھ کے محکمۂ تعلیم میں جو نیک نام اور قابل افسران تھے ان میں خواجہ عزیزالحسن غوری مجذوب مرحوم کا نام سرفہرست تھا۔ مرحوم نہ صرف ایک اعلیٰ افسر تھے بلکہ نہایت خوش خُلق متدیّن مرنجاں مرنج انسان تھے۔ حالانکہ ان کی وضع قطع ٹھیٹ ہندوستانی اسلامی تھی۔ ہر اُس چیز سے جس کو شریعت نے ممنوع قرار دیا ہے مکمل اجتناب کرتے تھے اس کے باوجود ان کے محکمے کے غیر مسلم افسران خاص کر انگریز ان کی بڑی قدر و منزلت کرتے تھے۔

جس وقت میں یوپی میں آئی سی۔ایس افسر کی حیثیت سے متعیّن ہوا مجھے خواجہ صاحب سے غائبانہ تعارف حاصل تھا کیوں کہ اُن کا نام زبان زدِ خاص و عام تھا۔ لیکن بدقسمتی سے کئی سال تک اُن سے ملاقات کا موقع نہ مل سکا۔ اور ملا بھی کب جب وہ اِس دنیائے فانی سے رخصت ہو رہے تھے۔ ہوا یوں کہ ۱۹۴۴ء میں میرا تبادلہ اور تقرر بحیثیت ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ اُورئی ضلع جالون کے صدر مقام میں ہوا۔ خواجہ صاحب مرحوم کا تعلق اِسی شہر سے تھا اُسی کو اُن کا مولد اور مدفن ہونے کی سعادت حاصل ہے۔ میرے اُورئی میں چارج سنبھالنے کے تھوڑے ہی عرصے کے بعد خواجہ صاحب راہیٔ مُلکِ بقا ہوئے "حیف درچشم زدن صحبت یار آخر شد" ہزاروں سوگواروں کے ساتھ میں بھی بصد عقیدت و احترام ان کے جنازے میں شریک ہوا۔ اُورئی کے وہ ممتاز ترین شہری تھے اور ہر حلقے میں عزت و احترام سے دیکھے جاتے تھے۔ ان کے سانحۂ ارتحال پر میں نے اپنی ذاتی ذمّہ داری پر اعلان کر دیا کہ تمام سرکاری دفاتر اظہارِ عقیدت کے طور پر ایک

دن کے لئے بند رہیں گے۔ مجھے بالکل حیرت نہیں ہوئی یہ دیکھ کر کہ اس اعلان پر کسی نے کوئی اعتراض نہیں کیا۔ ہر طرف سے اس کا خیر مقدم ہوا۔ خواجہ صاحب مرحوم کے انتقال کے چند ماہ بعد اُن کے دوستوں نے جس میں ایک ہندو وکیل[1] صاحب پیش پیش تھے مرحوم کی یاد میں ایک عظیم الشان مشاعرہ کا اہتمام کیا۔ اور اس کی صدارت کا مجھے اعزاز بخشا۔ خواجہ صاحب صحیح معنوں میں ایک عظیم انسان تھے اور اپنے دور کے عظیم المرتبت شاعر تھے۔

ہرگز نمیرد آنکہ دلش زندہ شد بعشق
ثبت است بر جریدۂ عالم دوام ما

---

[1] بابو ہرگوبند دیال نشترؔ

گفتۂ مجذوبؒ

حمد

ظاہر مطیع و باطن ذاکر مدام تیرا — زندہ رہوں الٰہی ہو کر تمام تیرا

دنیا سے اس طرح ہو رخصت غلام تیرا — ہو دل میں یاد تیری ہو لب پہ نام تیرا

زنہار ہو نہ شیطاں عاجز پہ تیرے غالب — بندہ نہ نفس کا ہو ہرگز غلام تیرا

زور کشش سے تیرے کر جائے قطع دم میں — راہ دراز تیری یہ سست گام تیرا

یہ بد لگام و بدرگ نفس شریر و سرکش — اے شہسوارِ خوباں ہو جائے رام تیرا

پردہ خودی کا اٹھ کر کھل جائے رازِ وحدت — ہو ت جام الفت یہ تشنہ کام تیرا

باطن میں میرے یارب بس جائے یاد تیری — ہر دم رہے حضوری دل ہو مقام تیرا

مورد رہے یہ ہر دم تیری تجلّیوں کا — ہو جائے قلب میرا بیت الحرام تیرا

سینہ میں ہو منقّش یارب کتاب تیری — جاری رہے زباں پر ہر دم کلام تیرا

دل کو لگی رہے دُھن لیل و نہار تیری — مذکور ہو زباں پر ہر صبح و شام تیرا

ہے اب تو یہ تمنّا اس طرح عمر گذرے — ہر وقت تیرا دھندا ہر لحظہ کام تیرا

مونس ہو میری جاں کی فکر مدام تیری — ہمدم ہو میرے دل کا ذکر دوام تیرا

رگ رگ میں مرتے دم ہو صدق و یقیں کے باعث — تیرے نبیؐ کی وقعت اور احترام تیرا

اپنے کرم سے کرنا مجھ کو بھی ان میں شامل — جن پر عذاب یارب ہو گا حرام تیرا

ہے خوبی دو عالم اک حسن خاتمہ پر — کرنا سر اس مہم کو ادنیٰ ہے کام تیرا

رحمت سے بخش دینا میرے گناہ سارے — روز جزا نہ دیکھوں میں انتقام تیرا

محشر میں ہو پہنچ کر اس تشنہ لب کو حاصل ۔۔۔ تیرے نبیؐ کے ہاتھوں کوثر کا جام تیرا
اوروں کے آگے رسوا کرنا نہ مجھ کو مولا ۔۔۔ آگے ترے خجل ہے عاصی غلام تیرا
دینا جگہ مجھے بھی بندوں میں خاص اپنے ۔۔۔ جب منعقد ہو یارب دربارِ عام تیرا
جنّت میں چشمِ حسرت ہو شاد کام میری ۔۔۔ جلوہ رہے میسّر اس کو مدام تیرا
دونوں جہاں میں مجھ کو مطلوب تو ہی تو ہو ۔۔۔ ہو پختہ کارِ وحدت مجذوبِ خام تیرا

دونوں جہاں کا دُکھڑا مجذوب رُو چکا ہے
اب آگے فضل کرنا یارب ہے کام تیرا

○

قطعہ

ہوا مَر کے آخر غبارِ مدینہ
ہزار آفریں جاں نثارِ مدینہ
کہاں ایسے دن ہیں کہاں ایسی راتیں
نرالے ہیں لیل و نہارِ مدینہ

○

نعت

اتنا ہوا قریب کہ وہ دُور ہو گیا ۔۔۔ اتنا ہوا عیاں کہ وہ مستور ہو گیا

پردہ کیا بھی دُور تو کیا دُور ہو گیا
وہ آپ اپنے نور میں مستور ہو گیا

سارا بدن حضور کا جب نور ہو گیا
پھر دُور کیا ہے سایہ اگر دُور ہو گیا

وہ نورِ حق جو قبر میں مستور ہو گیا
ہر ذرّہ زمینِ لحد طور ہو گیا

آیا جو سامنے وہی مسحور ہو گیا
زنّار کفر توڑ کے ذوالنّور ہو گیا

خطّۂ عرب کا نور سے معمور ہو گیا
سارا اندھیرا کفر کا کافور ہو گیا

جس دم تصورِ رُخِ پر نور ہو گیا
سینہ تمام نور سے معمور ہو گیا

سوئے مدینہ جانے کا مقدور ہو گیا
سامانِ راحتِ دلِ رنجور ہو گیا

اوجِ فلک کے مہرِ جہاں تاب تھے حضورؐ
عالم تمام نور سے معمور ہو گیا

ہر قول و فعلِ حضرتِ محبوبِ کبریا
تا حشر خلق کے لئے دستور ہو گیا

کیا فیض تھا کہ پڑ گئی جس پر بھی اِک نظر
رشکِ جنیدؒ و شبلیؒ و منصورؒ ہو گیا

یا جان لینے آیا تھا قاتل حضور میں
یا اپنی جان دینا بھی منظور ہو گیا

مشقِ تصورِ رُخِ پُر نور جب بڑھی
میں سر سے لے کے تا بہ قدم نور ہو گیا

ملتے ہی آنکھ دشمنِ جاں بھی تھا جاں نثار
پہلا ہی وار آپ کا بھر پور ہو گیا

غم ہجر کا بڑھا تو زیارت ہوئی نصیب
مغموم رہتے رہتے میں مسرور ہو گیا

موتی بکھیرے میں نے مزارِ حضورؐ پر
ہر قطرہ اشک کا دُرِ منثور ہو گیا

زیرِ علم حضورؐ کے آکر جو لی پناہ
مغلوب بھی مظفر و منصور ہو گیا

گو تھے اُویسؓ دور مگر ہو گئے قریب
بوجہل تھا قریب مگر دور ہو گیا

کیفِ نگاہِ ساقیٔ کوثر نہ پوچھئے
آیا جو سامنے وہی مخمور ہو گیا

کیا حد ہے فیض شافع محشر تو دیکھئے
مجھ سا گناہ گار بھی مغفور ہو گیا

شغل درود بھی ہے عجب شغلِ خوشگوار
جتنا تھا رنج و غم مرا سب دُور ہو گیا

اک دم نظر جو گنبدِ خضرا پہ جا پڑی
سارا سفر کا رنج و تعب دُور ہو گیا

سب نعت ہی ہے جس کی بھی تعریف کیجئے
صلِ علیٰ جو کہنے کا دستور ہو گیا

اے خضر راہ لے خبر اے جذب کر مدد
مجذوبؔ قافلے سے بہت دُور ہو گیا

مجذوبؔ کی معاف ہیں سب ہرزہ گوئیاں
اک شعر بھی جو نعت کا منظور ہو گیا

اب بعد نعت ہرزہ سرائی کا مُنہ نہیں
مجذوبؔ شعر کہنے سے معذور ہو گیا

○

غزل

ہر تمنّا دل سے رخصت ہو گئی
اب تو آ جا اب تو خلوت ہو گئی

یاس ہی اب دل کی فطرت ہو گئی
آرزو جو کی وہ حسرت ہو گئی

سوگ میں یہ کس کی شرکت ہو گئی
بزمِ ماتم بزمِ عشرت ہو گئی

دل میں داغوں کی یہ کثرت ہو گئی
رو نما اِک شانِ وحدت ہو گئی

آ گئے پہلو میں راحت ہو گئی
چل دیتے اُٹھ کر قیامت ہو گئی

آ گئے تھوڑی سی زحمت ہو گئی
میرے جینے کی تو صورت ہو گئی

جو مری ہونا تھی حالت ہو گئی
خیر اِک دُنیا کو عبرت ہو گئی

عشق میں ذلت بھی عزت ہوگئی ‏ ‏ لی فقیری بادشاہت ہوگئی
ایک تم سے کیا محبت ہوگئی ‏ ‏ ساری خلقت ہی سے وحشت ہوگئی
ایسی ضد کا کیا ٹھکانا ہے بھلا ‏ ‏ بات جو کہہ دی وہ قسمت ہوگئی
پڑ گئی تھی اُن پہ بھولے سے نظر ‏ ‏ بات اتنی سی قیامت ہوگئی
جی رہا ہوں موت کی اُمید میں ‏ ‏ مر ہی جاؤں گا جو صحت ہوگئی
اس کو ہر ذرّہ ہے اک دُنیائے راز ‏ ‏ منکشف جس پر حقیقت ہوگئی
خاک میں کس نے ملایا یہ تو دیکھ ‏ ‏ شکر کر مٹّی سوارت ہوگئی
ناز کا باعث ہوا اپنا نیاز ‏ ‏ شکر سے پیدا شکایت ہوگئی
لاکھ جھڑکو اب کہیں پھرتا ہے دل ‏ ‏ ہوگئی اب تو محبت ہوگئی
رنج دینے سے وہ باز آئے تو کب ‏ ‏ جب کہ غم کھانے کی عادت ہوگئی
چشمِ حیراں شکوۂ حرماں نہ کر ‏ ‏ کچھ تو دیکھا جس سے حیرت ہوگئی
وہ ریا جس پر تھے زاہد طعنہ زن ‏ ‏ پہلے عادت پھر عبادت ہوگئی
دے گئی اُن کی شکر رنجی مزا ‏ ‏ درد میں پیدا حلاوت ہوگئی
جا کے بہلاؤں الٰہی دل کہاں ‏ ‏ اب تو وحشت میری فطرت ہوگئی
بختِ خفتہ اور کب جاگے گا تو ‏ ‏ اُٹھ اکر اب صبح قیامت ہوگئی
تیرے حیراں پوچھتے ہیں چونک کر ‏ ‏ اہلِ جنت کیا قیامت ہوگئی
میں بھی نازک طبع وہ بھی تند خو ‏ ‏ خیر یہ گذری محبت ہوگئی
یا تو مسجد رات دن یا میکدہ ‏ ‏ کیا سے کیا اللہ حالت ہوگئی

صبح پیری سر پہ اور میں بے خبر — انتہائے خواب غفلت ہوگئی
قید کر صیاد یا اب ذبح کر — جانِ بلبل گُل کی نکہت ہوگئی
اب تو میں ہوں اور شغل یاد دوست — سارے جھگڑوں سے فراغت ہوگئی
ہم سے بڑھ کر ان کو ہیں مجبوریاں — کہہ نہیں سکتے محبت ہوگئی
حضرت دل آپ اور ارمان وصل — اللہ اللہ اب یہ ہمت ہوگئی
دل میں شورش ہو، مگر اتنی بھی کیا — بدمزہ اُن کی طبیعت ہوگئی
اب کہاں دن رات کی وہ صحبتیں — مل گئے صاحب سلامت ہوگئی

کر چکے رندی بس اے مجذوبؔ تم
ایک چُلّو میں یہ حالت ہوگئی

○

تری محفل میں کیا انوار ہیں اے مہ جبیں ساقی — اتر آیا زمیں پر آج کیا عرشِ بریں ساقی
گھٹا اٹھی ہے تو بھی کھول زلف عنبریں ساقی — ترے ہوتے فلک سے کیوں ہو شرمندہ زمیں ساقی
ترے رندوں پہ سارے کھل گئے اسرار دیں ساقی — ہوا علم الیقیں عین الیقیں حق الیقیں ساقی
یہ کس بھٹی کی دی تو نے شراب آتشیں ساقی — کہ آنکھوں سے لہو کی ندیاں بہنے لگیں ساقی
کہاں روئے زمیں پر تیرے مستانے نہیں ساقی — چھکا ڈالے ہیں لاکھوں آفریں صد آفریں ساقی
جو زیب حلقۂ رنداں ہے تو اے مہ جبیں ساقی — تو وہ عالم ہے ایسا جیسے ہو خاتم میں نگیں ساقی
ہوا اب سرِ وحدت کا مجھے عین الیقیں ساقی — کہ یکساں ہیں مرے دامان و جیب و آستیں ساقی
یہیں سے پاؤں گا ہر نعمت دُنیا و دیں ساقی — کہیں کیوں جاؤں تیرے میکدے میں کیا نہیں ساقی

نہ چھوڑوں گا ترا در تا بوقت واپسیں ساقی　　رہوں گا بھی مروں گا بھی یہیں ساقی یہیں ساقی

نہ میخانہ رہے کیوں رشکِ فردوس بریں ساقی　　مئے گل رنگ سے سیراب ہے یہ سرزمیں ساقی

مجھے اک مرحمت ہے یہ تری چینِ جبیں ساقی　　شراب آتشیں کا جام چشم خشمگیں ساقی

ٹلوں گا میں نہ ہرگز لاکھ ہو تو خشمگیں ساقی　　کہ جو سب سے بہتر ہے وہ ملتی ہے یہیں ساقی

مری مستی ہے فطری ایک دو میرے نہیں ساقی　　شجر ساقی حجر ساقی فلک ساقی زمیں ساقی

کہوں میں کیوں نہ تجھ کو رحمۃ اللعالمیں ساقی　　کہ تیرے فیض سے سیراب ہے روئے زمیں ساقی

کلیجہ پھونک دے گی اُف شراب آتشیں ساقی　　ارے یہ ظلم! کچھ خوفِ خدا تجھ کو نہیں ساقی

جہاں میں آج تجھ سا کوئی دریا دل نہیں ساقی　　مئے گل رنگ سے سیراب ہے روئے زمیں ساقی

مشام جاں معطر کن بہ زلف عنبریں ساقی　　ترحم کن کہ ایں وقت است وقت واپسیں ساقی

بہت پاتا ہوں میں رندوں میں خوف یومِ دیں ساقی　　بنی اُمّ الخبائث بھی شرابِ الصّالحیں ساقی

یہاں تو محتسب ہر وقت ہے اب دلنشیں ساقی　　جہاں گردن جھکا کر بیٹھ جاؤں میں وہیں ساقی

خدارا اک نگاہِ مست وقت واپسیں ساقی　　دمِ رخصت تو خوش ہو جائے یہ جانِ حزیں ساقی

میں ہوں محروم اب تک گو ہے وقت واپسیں ساقی　　مری قسمت کی تیرے میکدے میں کیا نہیں ساقی

مجھے سارے مزے جنت کے حاصل ہیں یہیں ساقی　　کہ کوثر مے ہے غلماں مغبچے تو حورِ عیں ساقی

یہاں آنے کو ہے اک زاہدِ مسجد نشیں ساقی　　بنا دے آج میخانہ کو ہاں خلدِ بریں ساقی

مجھے ہر شے ہے ساقی جب سے تو ہے دلنشیں ساقی　　شجر ساقی[1] حجر ساقی فلک ساقی زمیں ساقی

اگر ملتی رہی تھوڑی سی دُردِ تہ نشیں ساقی　　تو پھر بس منّ و سلویٰ ہے مجھے نانِ جویں ساقی

نگاہِ مست اور پھر اُف چشمِ شرمگیں ساقی　　مے دو آتشہ ہے یہ شرابِ آتشیں ساقی

[1] یہ مصرعہ دوسری بار آیا ہے لیکن مضامین مختلف ہیں (مرتب)

سمجھتا ہوں میں رازِ حسن تیرا اے حسیں ساقی
یہ ہے اک عکس نورِ قلب کا نورِ جبیں ساقی

دمِ آخر تو اُٹھ جائے یہ چشمِ شرمگیں ساقی
نگاہِ مست سے مل لے نگاہِ واپسیں ساقی

پلا اتنی کہ مٹ جائے غمِ دُنیا و دیں ساقی
شرابِ تلخ ہو جائے نباتِ انگبیں ساقی

بُرا سب کہہ رہے ہیں اہلِ دُنیا اہلِ دیں ساقی
ترے رندوں نے بھی اُف ذلتیں کیا کیا سہیں ساقی

شرابِ تلخ دے مجھ کو بجائے انگبیں ساقی
کہ نکلے رقص کرتی روح وقتِ واپسیں ساقی

مٹا دیتا ہے تو دم میں غمِ دُنیا و دیں ساقی
یہاں جس کو نہیں تسکیں کہیں تسکیں نہیں ساقی

یہ فصلِ گل یہ ابرِ سیاہ و برقِ تاباں ہے
کہ در کف ساغر و بر دوش زلفِ عنبریں ساقی

کہاں سے مجھ کو پہونچایا کہاں پیرِ مغاں تو نے
مرا میخانہ اب لاہوت ہے روح الامیں ساقی

ہوا میں بے خبر دونوں جہاں سے ایک ساغر میں
ہوئے طے سب مراحل اولین و آخریں ساقی

عجب ہے تیرے میخانہ کا اے پیرِ مغاں عالم
کہیں ساغر کہیں میکش کہیں مینا کہیں ساقی

نہ چھیڑ اے محتسب میں ہوں مئے وحدت کا متوالا
میں وہ میخوار ہوں جس کے ہیں ختم المرسلیں ساقی

دبانے پڑ رہے ہیں ولولے مستی کے رندوں کو
غضب ہے دیکھنا تیرا بچشمِ شرمگیں ساقی

یہ تر دامن ہی تیرا پاک دامانوں سے بہتر ہے
گریباں چاک ہے اشکوں سے تر ہے آستیں ساقی

پلائے گا بلا اندازہ جب خود پی کے نکلے گا
کریں میکش نہ غم ہرگز جو ہے خلوت نشیں ساقی

لگی ہے آس کوثر کی بھی ہم رندوں کو لے زاہد
خبر بھی ہے وہاں ہوں گے شفیع المذنبیں ساقی

رہے ہشیار پی کر خم کے خم بھی تیرے متوالے
ترے اندازِ مے بخشی پہ ہے صد آفریں ساقی

ریائی گریہ ہم رندوں کو لے صوفی نہیں آتا
کہ رکھتا ہے لبِ خنداں دلِ اندوہگیں ساقی

نظر میں جانچ لیتا ہے کہ کس کا ظرف کتنا ہے
دکھائے کوئی ایسا نکتہ رس اور دوربیں ساقی

گدائے میکدہ ہوں مست ہوں اپنی گدائی میں
یہ ہے سنگ درِ میخانہ مجھ کو شہ نشیں ساقی

طلوعِ آفتابِ حشر ہونے کو ہے گردوں پر
ترا بھی ہاں چلے دورِ شرابِ آتشیں ساقی

سلامت تیرا میخانہ سلامت تیرے مستانے
رہے گا رنگ عالم میں یہی تا یومِ دیں ساقی

زبردستی لگا دی منہ سے بوتل آج ساقی نے
میں کہتا ہی رہا ہاں ہاں نہیں ساقی نہیں ساقی

دو عالم سے ہوا مجذوبؔ یکسو ایک ساغر میں
ہوئے طے سب مراحل اولین و آخریں ساقی

عجب مشرب ہے تیرا تجھ کو اے مجذوبؔ کیا سمجھیں
کہیں پیرِ مغاں تو ہے کہیں میکش کہیں ساقی

الٰہی خیر ہو مجذوبؔ میخانے میں آیا ہے
قدح کش لاابالی جام نازک نازنیں ساقی

سناتا ہے وہی باتیں تو یہ مجذوبؔ مستانہ
ذرا سنبھلے ہوئے لفظوں میں جو تو نے کہیں ساقی

○

زیبِ زمیں نہیں کہ تو زینتِ آسماں نہیں
آنکھ اگر نصیب ہو جلوہ ترا کہاں نہیں

یہ وہ جگہ ہے میکدہ غم کا گذر جہاں نہیں
گردشِ جام ہے یہاں گردشِ آسماں نہیں

پردہ نشیں کا عشق ہے آہ نہیں فغاں نہیں
کس کو خبر اس آگ کی سوز تو ہے دھواں نہیں

عاشقِ خام ہوں ابھی لائقِ امتحاں نہیں
عشق تو ہے درونِ دل یار درونِ جاں نہیں

جس کو میں کہہ سکوں وہ اُف میرا غم نہاں نہیں
جس کو حضور سن سکیں وہ مری داستاں نہیں

ہو کے عیاں عیاں نہیں ہو کے نہاں نہاں نہیں
میرا مشاہدہ غلط میرا بجا گماں نہیں

کہتا ہوں لاکھ دردِ دل ہوتا مگر بیاں نہیں
ایسی زباں زباں ہے کیا دل کی جو ترجماں نہیں

جس میں خزاں کا ہو گزر وہ مرا گلستاں نہیں | جس میں ہو بجلیوں کا ڈر وہ مرا آشیاں نہیں
عشق کی ضرب الاماں زخم نہیں نشاں نہیں | حسن کا بسمل اک جہاں تیر نہیں کماں نہیں
گریہ نہیں تڑپ نہیں نالہ نہیں فغاں نہیں | دردِ دلِ تپاں مرا کس پہ مگر عیاں نہیں
چپ ہوں میں عبث شاذ سے ہیبتِ جلوہ گاہ سے | باتیں ہیں سب نگاہ سے آنکھ تو ہے زباں نہیں
اہلِ نظر تو سیکڑوں صاحبِ دل نہیں کوئی | حسن کے قدر داں بہت عشق کا قدرداں نہیں
دیکھیے اگر بغور تو پائیے اسی کو چار سو | بزمِ جہاں ہے بزم ہو اور کوئی یہاں نہیں
لاکھ چھپا کے سینہ میں لائے مگر خبر نہ تھی | ہائے یہ دل وہ صید ہے جس کو کہیں اماں نہیں
اپنے مقامِ عشق کا ہائے کہوں میں حال کیا | غم تو یہاں ہزار ہا فرصتِ یک فغاں نہیں
جھک کے نہ پھر اٹھے کبھی لائقِ سجدہ ہو جبھی | میرا سرِ سجود ابھی درخورِ آستاں نہیں
جذب میں جب میں آگیا پاس ہی تجھ کو پا گیا | پھر تا رہا سلوک میں جانیں کہاں کہاں نہیں

جذب میں کیا بہار ہے دل ہے کہ جلوہ زار ہے
میں ہوں اور اک نگار ہے ہوش بھی درمیاں نہیں

O

پڑتی ہے وقتِ جور جبیں پر شکن ہنوز | مجذوبِ خام ہے ترا دیوانہ پن ہنوز
افسردہ دل ہے تازہ ہے داغِ کہن ہنوز | گو شمع بجھ چکی ہے مگر ہے جلن ہنوز
سارے حجاب اٹھ گئے پھر بھی ہوئی نہ دید | رخ پر پڑی ہے زلفِ شکن در شکن ہنوز
فیضِ تصورِ گلِ عارض تو دیکھیے | دل مر چکا ہے پھر بھی ہوں رنگیں سخن ہنوز
پیری سے گو ہے جسم پہ اک عالمِ خزاں | رکھتا ہوں دل میں رنگِ ہزاراں چمن ہنوز

دیکھا ازل کو، دہر کو، محشر کو، خلد کو
نادیدہ ہے وہ رونقِ بزمِ انجمن ہنوز

آ آ کے جا رہے ہیں سبھی اس دیار سے
سمجھے ہو پھر بھی تم اسے اپنا وطن ہنوز

منعم تجھے ہے لذتِ دل کی خبر ہی کیا
تو ہے رہینِ لذتِ کام و دہن ہنوز

اوصافِ حسن سب ہیں، نہیں سوزِ عشق کا
محتاجِ شمع ہے یہ بھری انجمن ہنوز

غم سے نجات کی کوئی صورت نہیں رہی
لیکن مری نظر ہے سوئے ذوالمنن ہنوز

تم خاک اہلِ ملتِ بیضا رہو ہمدمو
لب پر تو ہے ترانۂ قوم و وطن ہنوز

مجذوبِ مست گو ہے اب اک پیرِ ناتواں
تیور مگر وہی ہیں وہی بانکپن ہنوز

مجذوب بھی قتیلِ قد و زلف یا ہے
تازہ ہے اس سے قصۂ دار و رسن ہنوز

اس دورِ نو میں تو ہے مجذوب تا بہ عـ۱ دیر
تیرے ہی دم سے تازہ ہے وضعِ کہن ہنوز

اک رندِ بد قماش ہے بالکل کھلا ہوا
مجذوب سے ہے سب کو مگر حسنِ ظن ہنوز

مجذوب کب سے بنتا چلا آ رہا ہوں میں
پھر بھی وہی ہوں خواجہ عزیز الحسن ہنوز

O

بیاں ادنیٰ سا فیضِ بیعتِ پیرِ مغاں کر دوں
اگر سجدے میں سر رکھ دوں زمیں کو آسماں کر دوں

خودی کو میں فنا کر دوں مٹا دوں بے نشاں کر دوں
اڑا دوں جامۂ ہستی کے پرزے دھجیاں کر دوں

عـ۱ عام طور پر "تادیر" مروج ہے (مرتب)

میں اپنے رنگ میں زاہد اگر ذکرِ بتاں کر دوں
تو دم میں کافرِ صد سالہ کو تسبیح خواں کر دوں

رُلا دوں سنگ دل کو بھی جو غم اپنا بیاں کر دوں
اگر چاہوں تو میں پتھر سے بھی دریا رواں کر دوں

کرو تم ظلم اور میں ترک فریاد و فغاں کر دوں
زباں رکھتے ہوئے اپنے کو کیوں کر بے زباں کر دوں

حدیثِ عشق چھیڑوں ترک ذکر این و آں کر دوں
کہوں بس دل سے باتیں بند اب اپنی زباں کر دوں

ذرا ٹھہرو تو پھر میں مختصر ہی داستاں کر دوں
اک آہ جانستاں میں حال سب اپنا بیاں کر دوں

بنوں کیوں خشک زاہد ترک کیوں عشقِ بتاں کر دوں
بہارِ زندگانی کو میں کیوں نذرِ خزاں کر دوں

نہ میں ہوں لائقِ دُنیا نہ میں ہوں قابلِ عقبیٰ
کہاں اپنے کو غارت اے زمین و آسماں کر دوں

خبر ہے محتسب کن مست آنکھوں کا ہوں متوالا
نظر سے آبِ سادہ کو شرابِ ارغواں کر دوں

یہ ہے اک رحمتِ حق خوش مزاجی خوش دلی میری
میں روتوں کو ہنسا دوں غم زدوں کو شادماں کر دوں

ذرا ہشیار رہنا شیخ جی میں ہوں وہ مستانہ
نظر سے زاہدِ صد سالہ کو پیرِ مغاں کر دوں
میں گو مجذوب ہوں لیکن بہ فیضِ مرشدِ کامل
نظر میں راہزن کو رہنمائے سالکاں کر دوں

O

تصوّر عرش پر ہے وقفِ سجدہ ہے جبیں میری
مرا اب پوچھنا کیا ہے فلک میرا زمیں میری
پذیرائی کے قابل کوئی طاعت ہی نہیں میری
نظر تیرے کرم پر ہے الٰہ العالمیں میری
ترے در سے رہے وابستگی تا یومِ دیں میری
ہو مسکن بھی یہیں میرا ہو تربت بھی یہیں میری
اگر اک تو نہیں میرا تو کوئی شے نہیں میری
جو تو میرا تو سب میرا فلک میرا زمیں میری
تسلی اب تو کر جاؤ بوقتِ واپسیں میری۔
دمِ آخر تو خوش ہو جائے یہ جانِ حزیں میری
اُدھر تو در نہ کھولے گا اِدھر میں در نہ چھوڑوں گا
حکومت اپنی اپنی ہے کہیں تیری کہیں میری

کسی کی یاد ہی سے اب تو میرا جی بہلتا ہے
اسی سے اب تو پاتی ہے سکوں جانِ حزیں میری

سب اس بازار میں محو تماشا ہیں ہیں روگرداں
خدا جانے کہاں پہنچی نگاہِ دور بیں میری

اُنہیں کا اب تو نقشہ جم گیا ہے میری آنکھوں میں
اُنہیں کو تک رہا ہوں میں نگاہیں ہوں جہاں میری

تماشہ گاہِ عالم میں اب اُن کا جی نہیں لگتا
یہ کیا دکھلا گئی منظر نگاہِ واپسیں میری

خدا را یوں نہ آؤ بالوں کو کھولے جھومتا ساقی
ارے نیت نہ ڈانواں ڈول ہو جائے کہیں میری

نہیں ہوتا نہیں ہوتا مری سمت آہ رخ اُن کا
نہیں ہوتی نہیں ہوتی وہ چشم شرمگیں میری

مشقت کے لئے پیدا ہوا جو یا ہوں راحت کا
طلب کرتا ہوں میں وہ شے جو قسمت میں نہیں میری

خدا شاہد ہے سچ کہتا ہوں میں دن رات روتا ہوں
مگر نم ہیں نہ یہ آنکھیں نہ تر ہے آستیں میری

بہاراں تیری فرحت بخشیوں کا میں نہیں قائل
میں جب جانوں کہ خوش ہو خاطرِ اندوہگیں میری

الگ رہتا ہوں میں سب سے ملوں تو میں ملوں کس سے
طبیعت اب کسی سے میل ہی کھاتی نہیں میری

جو دبتا ہوں کسی سے میں تو دبتا ہوں تجھی سے میں
جو جھکتی ہے کہیں گردن تو جھکتی ہے یہیں میری

بس اب تو رات دن ساقی ہے میں ہوں اور میخانہ
نہیں لگتی جہاں میں اب طبیعت ہی کہیں میری

بنا محوِ تصور ہو کے میں کس مہ کا آئینہ
کہ اب آ آ کے صورت تک رہے ہیں خود حسیں میری

حوادث میں بھی کس صبر و سکوں کے ساتھ بیٹھا ہوں
تسلّی کر رہا ہے دم بدم اک ہم نشیں میری

بہت ہے ناز اپنی گرمیٔ محفل پہ ساقی کو
ابھی چکھی نہیں اُس نے شرابِ آتشیں میری

اگر زاہد مئے گل رنگ سے دامن ہے تر میرا
تو پھر اشکِ ندامت سے بھی تر ہے آستیں میری

مری تعریف پر ناخوش ہیں وہ یہ ہے کرم اُن کا
کہ اُن کے حُسن کی توہین ہے یہ آفریں میری

وہ ہو عرش بریں یا لامکاں یا دیر یا کعبہ
جہاں بھی تو چھپا جا کر نظر پہنچی وہیں میری

طلب تا حدِ امکاں ہی ہے پایانِ رہِ الفت
جہاں پر بیٹھ جاؤں تھک کے بس منزل وہیں میری

باایں ریش و عمامہ شرکتِ بزمِ بتاں تف تف
یہ نفریں مجھ پہ پیہم کر رہی ہے وضعِ دیں میری

تلاش و جستجو میں چار سو عالم ہے سرگرداں
یہاں آغوش میں بیٹھا ہے وہ پردہ نشیں میری

مری محفل میں جو بیٹھا اُٹھا آتش بجاں ہو کر
دلوں میں آگ بھر دیتی ہے آہِ آتشیں میری

گدا بن کر میں تیرے سنگِ در پہ جب سے آ بیٹھا
سلامی کو پہنچتے ہیں شہِ مسند نشیں میری

تری چوکھٹ کے سجدے ہیں ترے کوچہ کے چکر ہیں
یہی میری عبادت ہے یہی ہے سعیِ دیں میری

ہمیں دونوں تو حسن و عشق کی دنیا کے مالک ہیں
جو تو عرشی تو میں فرشی فلک تیرا زمیں میری

بس اب تو سرخ رو ہو کر ہی اٹھے گا یہ سر میرا
خطائیں بخشوا کر ہی یہ اُٹھے گی جبیں میری

مدینہ میں درِ دِ پاک پر ہو خاتمہ میرا
مکمل ہو الٰہی حُبِّ ختم المرسلیں میری

یہ ہو انوار سے پر میری ہستی کا سیہ خانہ
بس اب تقدیر چمکا دے جمالِ ہم نشیں میری

ان آنکھوں کی بدولت اک پری خانہ ہے دل میرا
نہ ہرگز جائیں اس شکلِ مقدّس پر حسیں میری

جو ہارا ہوں کسی سے میں تو ہارا ہوں مقدر سے
جو ٹوٹی ہے کہیں ہمت تو ٹوٹی ہے یہیں میری

مصیبت میں ہوں اس حُسنِ نظر حسن تخیّل سے
بدل دے اب تو فطرت ہی الٰہ العالمیں میری

تجھے کچھ تو جنونِ عشق پاسِ حسن لازم تھا
غضب ہے ناز برداری کرے وہ نازنیں میری

بھرے پھر میرا دامن ہند سے فریاد لایا ہوں[1]
بتوں نے لوٹ لی سب دولتِ دیں شاہِ دیں میری

نہ جائے گا یہ ذوقِ حسن اے ناصح نہ جائے گا
بنائی ہے مرے خالق نے فطرت ہی حسیں میری

---

[1] اس غزل کے کچھ اشعار مدینہ منورہ میں کہے گئے (مرتب)

کوئی اس میرے اعلیٰ ذوق مے نوشی کو کیا سمجھے
پیئے اصرارِ ساقی ہے یہ اے رندو نہیں میری

گدائی تیری مل جائے تو شاہی مجھ کو مل جائے
ترے کوچہ میں گر جاؤں تو پھر ہے سب زمیں میری

مرے ہی واسطے قائم ہوئے میثاق اور محشر
وہ بزمِ اوّلیں میری یہ بزمِ آخریں میری

یہ پھر اک خواب تھی دُنیا جو دیکھا دل کی دُنیا کو
جب آنکھیں بند کیں میں نے تو آنکھیں کھُل گئیں میری

شفاعت کا مجھے مل جائے مژدہ اے مرے آقا
نظر ہے آپ ہی پر یا شفیع المذنبیں میری

شب و روز آج کل رہتا ہوں دُنیائے تغزّل میں
جو مطلع ہے فلک میرا تو مقطع ہے زمیں میری

بعون اللہ لکھی ہے غزل یہ بے بدل میں نے
قلم رکھ دیں غزل گو ہو چکی اب یہ زمیں میری

میں گو کہنے کو اے مجذوبؔ اِس دُنیا میں ہوں لیکن
جہاں رہتا ہوں میں وہ اور ہی ہے سرزمیں میری

غزل مجذوبؔ میں جب تک نہیں کہتا نہیں کہتا
جو چلتی ہے تو پھر طبعِ رواں رُکتی نہیں میری

○

اُن کو تو نے کیا سے کیا شوق فراواں کر دیا
پہلے جان پھر جانِ جان پھر جانِ جاناں کر دیا

دل قفس میں لگ چلا تھا پھر پریشاں کر دیا
ہم صفیرو تم نے کیوں ذکرِ گلستاں کر دیا

طبعِ رنگیں نے مری گل کو گلستاں کر دیا
کچھ سے کچھ حسنِ نظر نے حسنِ خوباں کر دیا

زاہدوں کو بھی شریک بزمِ رنداں کر دیا
سیکڑوں کو دخترِ رز نے مسلماں کر دیا

جاں سپردِ تیر اور دل صرفِ پیکاں کر دیا
پاس جو کچھ تھا مرے سب نذرِ مہماں کر دیا

جب فلک نے مجھ کو محرومِ گلستاں کر دیا
اشک ہائے خوں نے مجھ کو گل بداماں کر دیا

فکر این و آں نے جب مجھ کو پریشاں کر دیا
میں نے سر نذرِ جنونِ فتنہ ساماں کر دیا

ہو چلے تھے وہ عیاں پھر اُن کو پنہاں کر دیا
ہائے کیا اندھیر تو نے چشمِ گریاں کر دیا

یہ تری زلفیں یہ آنکھیں یہ ترا مکھڑا یہ رنگ
حور کو اللہ کی قدرت نے انساں کر دیا
جن کی استادی پہ خود حکمت بجا کرتی تھی ناز
ایک اُمّی نے انہیں طفلِ دبستاں کر دیا
پھونک دی اک رُوحِ نو مجھ میں مری ہر آہ نے
دردِ دل نے میری رگ رگ کو رگِ جاں کر دیا
چپکے چپکے اندر اندر تو نے اے شوقِ نہاں
دل کو میرے رازدارِ حسنِ پنہاں کر دیا
میرے چارہ گر کا دیکھے تو کوئی حُسنِ علاج
محو دل سے امتیازِ درد و درماں کر دیا
تو نظر آنے لگا کی اِس قدر گہری نظر
میں نے جس ذرہ کو دیکھا چاہ کنعاں کر دیا
ٹوٹ جاتے کیوں نہ ٹانکے زخم کے اے چارہ گر
شاملِ بخیہ مرا تارِ گریباں کر دیا
تلخ کر دی زندگی شورش تری کچھ حد بھی ہے
اُف مرے ہر زخم کو تو نے نمکداں کر دیا
جوشِ وحشت کی مرے دیکھیں عجائب کاریاں
دشت کو ذرّہ تو ذرّے کو بیاباں کر دیا

میں ہوں رند پاک باطن دامنِ تر کو نہ دیکھ
دخترِ رز کو بھی میں نے پاک داماں کر دیا

مجھ کو سوجھا بھی تو کیا مجذوبؔ وحشت کا علاج
میں نے دل وابستۂ زلفِ پریشاں کر دیا

○

کہتا ہوا پھرتا ہے محشر میں یہ دیوانہ
یارب مرا ویرانہ یارب مرا ویرانہ

ہے آمد و رفت اپنی اس بزم میں روزانہ
اک در درِ توبہ ہے اک در درِ میخانہ

مسجد سے چلے آئیں سب جانبِ میخانہ
ہاں بعدِ اذاں اے دل اک نعرۂ مستانہ

جی میں ہے چڑھا جاؤں میخانہ کا میخانہ
ہاں ساقیٔ دریا دل پیمانے پہ پیمانہ

ہو نور سے پُر ساقی ہستی کا سیہ خانہ
کر دیدۂ و دل روشن لا شیشہ و پیمانہ

اللہ تری قدرت مسجد میں ہے میخانہ
صورت مری سنجیدہ سیرت مری رندانہ

عالم مجھے ہو جائے میخانہ ہی میخانہ
ہاں اے کرمِ ساقی یک جلوۂ مستانہ

اب مجھ کو برابر ہے مسجد ہو کہ میخانہ
سمجھا میں اذاں کو بھی اک نعرۂ مستانہ

دکھلا دے کشش اتنی اے جلوۂ جانانہ
گلشن میں رہے بلبل محفل میں نہ پروانہ

تبدیل ہو اب ساقی رسم و رہِ میخانہ
خم کو تو بنا شیشہ کر شیشے کو پیمانہ

یہ کیا ہے ترے ہوتے افسردہ ہے میخانہ
ہاں اے دل دیوانہ اک نعرۂ مستانہ

دیکھا نہ زمانہ میں مجذوبؔ سا مستانہ
فرزانے کا فرزانہ دیوانے کا دیوانہ

دے تاؤ نہ اب اتنا کر آنچ ذرا ہلکی
تیزی پہ ہے مے ساقی اڑ جائے نہ میخانہ

پہنچی ہے طلب میری تدبیر کی سرحد پر — لے اب تو خدا حافظ اے ہمتِ مردانہ
عاشق تو ہے اے زاہد ہر وقت عبادت میں — اشکوں کا تسلسل ہے اک سبحۂ صد دانہ
آنکھیں مری ہوتی ہیں اب بند ہمیشہ کو — ہاں ایک جھلک اب تو اے جلوۂ جانانہ
یہ نیند نہ لائے گا یہ نیند اُڑا دے گا — میری شبِ فرقت کا سنتے تو ہو افسانہ
میخانہ الٹ جائے کایا ہی پلٹ جائے — ہاں اے قدمِ ساقی اک لغزشِ مستانہ
میں لاکھ چلا پھر بھی پہنچا نہ سرِ منزل — کچھ تو ہی سہارا دے اے لغزشِ مستانہ
اتنی تو پلا ساقی اب اس سے بھی کیا کم ہو — لبریز تو ہو جائے یہ عمر کا پیمانہ
ساقی نے بدل ڈالی دنیا مری ہستی کی — آنکھیں ہیں کہ میخانے دل ہے کہ پری خانہ
پہنچیں گے بھلا نالے کیا میری خموشی کو — اک شورشِ بلبل ہے اک سوزشِ پروانہ
وہ حسنِ مجسّم ہے میں عشق سراپا ہوں — وہ عاقل و فرزانہ میں ہوش سے بیگانہ
مجذوبؔ کو جب دیکھا محفل کی طرف آتے — گھبرا کے پکار اُٹھے دیوانہ ہے دیوانہ

دیوانہ بنے اُن کا یہ ظرف نہ یہ ہمّت
مجذوبؔ تو ہے اُن کے دیوانوں کا دیوانہ

○

یہ کون آیا کہ دھیمی پڑ گئی لو شمع محفل کی — پتنگوں کے عوض اڑنے لگیں چنگاریاں دل کی
طریقِ عشق میں دیکھے کوئی جولانیاں دل کی — کہ دم میں دونوں عالم سے گذر کر پہلی منزل کی
بڑے خوش ہیں ابھی کھل جائیں آنکھیں اہلِ محفل کی — اگر پیشِ نظر کر دوں میں بزم آرائیاں دل کی
سکوں میں بھی نمایاں ہیں ابھی بیتابیاں دل کی — تڑپنے کو ہے گویا مضطرب تصویر بسمل کی

بس اب کیا غم یہ سُن لی ہے بشارت پیر کامل کی
صفیر کامیابی ہیں یہی ناکامیاں دل کی

کوئی تہذیب و خودداری تو دیکھے تیرے سائل کی
زباں پر کچھ نہ آیا عمر بھر دل میں رہی دل کی

نہ غافل کہہ کے تم غیبت کرو مجذوب عاقل کی
وہ کیا غافل ہے نگرانی جو رکھے رات دن دل کی

ہمیں تو رات دن اے ہم سفر چلنے سے مطلب ہے
سفر مجذوب ہو جس کا اُسے ہو فکر منزل کی

خدا پر ہے نظر اور محو دید ناخدا ہوں میں
نہ طوفاں کی خبر مجھ کو نہ کشتی کی نہ ساحل کی

کبھی تکلیف فرما کر وہ آئے بھی تو کیا آئے
انہیں خلوت ہی میں رکھتی ہے حیرت اہل محفل کی

جو نالوں میں مزا تھا وہ کہاں ان سرد آہوں میں
مگر یہ پرسکوں موجیں خبر دیتی ہیں ساحل کی

کہیں کون و مکاں میں جو نہ رکھی جا سکی اے دل
غضب ہے اب وہ چنگاری مری مٹی میں شامل کی

ازل سے بندہ کے زنجیروں میں آیا ہے یہ دیوانہ
کہ رکھتی ہیں رگیں ابھری ہوئی صورت سلاسل کی

یہ دامانِ نگاہِ شوق ہے یا دامنِ سائل
یہ ڈورے آنکھ کے ہیں یا لکیریں دستِ سائل کی

خدا سے ڈر ارے ناداں نہ ہو مجذوب کے درپے
تجھے اے محتسب تحقیق بھی ہے کچھ مسائل کی

○

تری چشم میگوں ہے جامِ محبت
تری زُلف مشکیں ہے دامِ محبت

پلا دے ان آنکھوں سے جامِ محبت
بہت دن کا ہوں تشنہ کامِ محبت

سنبھل کر ذرا تیز گامِ محبت
مقامِ ادب ہے مقامِ محبت

یہ ہوتا ہے رخصت غلامِ محبت
سلامِ محبت سلامِ محبت

جو ہے سب سے ادنیٰ غلامِ محبت
وہی ہے وہی ہے امامِ محبت

زباں ہی پہ ہے بس کلامِ محبت
محبت نہیں، یہ ہے نامِ محبت

مرے سامنے لو نہ نامِ محبت
چھلک جائے گا ہائے جامِ محبت

شکر رنجیاں، تلخ کامِ محبت
ضروری ہیں بہرِ قیامِ محبت

وہ دیں جام اور وہ بھی جامِ محبت
تو پی لے نہ کیوں تشنہ کامِ محبت

مقامِ فنا ہے مقامِ محبت
کہ یکساں ہیں سب خاص و عامِ محبت

یہ نظمِ جہاں ہے نظامِ محبت
ہر اک شے میں ہے انضمامِ محبت

الٰہی عطا ہو بنامِ محبت
کمالِ محبت دوامِ محبت

مری جان قربانِ نامِ محبت
لگا لوں گلے آ حسامِ محبت

کوئی خط نہ کوئی پیامِ محبت
مرا دور ہی سے سلامِ محبت

نہ ہو جائے مختل نظامِ محبت
کہ مجذوب ہے اب امامِ محبت

جو مجذوب کا ہے کلامِ محبت
وہ دُنیا کو ہے اک پیامِ محبت

وہی آپ کا ہوں غلامِ محبت
کہ مجذوب ہے جس کا نامِ محبت

جو پختہ ہیں اُن کو بھی بیتاب کر دوں
میں اے معترض ہوں وہ خامِ محبت

ازل ابتدا ہے ابد انتہا ہے
نہ صبحِ محبت نہ شامِ محبت

خدا کے لئے دم تو لینے دے اے دل
ارے ٹھہر! او تیز گامِ محبت

سنبھل کر ملے جو ملے کوئی مجھ سے
میں ہوں خنجرِ بے نیامِ محبت

خطا تو خود اُن کی اور الزام ہم پر
سب الٹا ہی دیکھا نظامِ محبت

پئیں شوق سے ہم نہ کیوں بادۂ غم
پلا دے جو ساقی بجامِ محبت

بچا کر کہاں ہائے لے جاؤں دل کو — بچھا ہے دو عالم میں دامِ محبت

ارے اک نظر اس طرف بھی خدارا — بپاسِ مروت بنامِ محبت

ہٹا لے ارے اپنی مستانہ نظریں — چھلکنے کو ہے میرا جامِ محبت

کبھی اِس کے دل میں کبھی اُس کے دل میں — کہیں بھی نہیں ہے قیامِ محبت

یہ تھا کون غارت گرِ دین و ایماں — ارے لے دیا کس نے نامِ محبت

محبت[1] کے بدلے محبت ستم ہے — نہ لے اُف نہ لے انتقامِ محبت

محبت میں لازم ہیں رسوائیاں بھی — محبت نہیں نیک نامِ محبت

چڑھیں دار پر یا چڑھیں طور پر ہم — رسائی سے بالا ہے بامِ محبت

زر و مال و عزت دل و جان و ایماں — ہبہ کر چکا ہوں بنامِ محبت

کمندِ رسائی ہے جذب اپنا اے دل — لیا اب لیا یہ ہے بامِ محبت

جھکا اس ادا سے کہ بس مار ڈالا — پیامِ اجل تھا سلامِ محبت

نہ رک جائے قاصد نہ رک جائے قاصد — کہے جا کہے جا پیامِ محبت

نہیں غیر کی طرح میں بندۂ زر — میں ہوں بندہ پرور غلامِ محبت

ہمیں دیکھ ابیٹھے ہیں دریا پہ ہم — ابھی تو ہے منصور خامِ محبت

نہ جا گل رخوں پر خبردار اے دل — دو روزہ ہے یہ رنگِ خامِ محبت

نہ ہو گا ابد تک بھی پورا نہ ہو گا — مرا قصہ ناتمامِ محبت

---

[1] خواجہ صاحب کے نزدیک یہ شعر اس قدر اہم تھا کہ مولوی محمد حسن صاحب کاکوروی ناقل ہیں۔
"خواجہ صاحب نے جس وقت یہ شعر فرمایا تو ایک پرچے پر لکھ کر مجھے دیا کہ اسے فرنگی محل پہنچا دیا جائے" (مرتب)

مری چشم پرنم مرا قلب پرغم
یہ مینائے الفت وہ جامِ محبت

بتوں میں تو رہتا ہوں دن رات لیکن
مرا دل ہے بیت الحرامِ محبت

زباں سے وہ کچھ ہی کہے جائیں مجھ کو
نگہ دے رہی ہے پیامِ محبت

کہاں ان کی بزمِ طرب کے ہوں قابل
میں شوریدہ سر تلخ کامِ محبت

محبّت محبّت محبّت محبّت
بڑا لطف دیتا ہے نامِ محبت

نہ ٹھکرا مرے دل کو ظالم نہ ٹھکرا
ارے کچھ تو کر احترامِ محبت

حقیقت ہی اب چار سو جلوہ گر ہے
جدھر پھیر دوں میں زمامِ محبت

حرم ہے یہ اے شیخ یا کوئے دلبر
کہ ہر سو ہے اک اژدحامِ محبت

الٰہی مجھے سب سے بیگانہ کر دے
پلا دے بس اب اپنا جامِ محبت

وہ آئے ہیں اور میں ہوں محوِ تصوّر
عجب کیف ہے کیفِ جامِ محبت

دلوں میں کدورت نہیں میکشوں کے
یہ ہے جامِ مے یا ہے جامِ محبت

ہوس کر نہ منعم کہاں تیری قسمت
مقدر سے ملتا ہے جامِ محبت

محبت کی ہے یہ غزل رک نہ ہمدم
پڑھے جا پڑھے جا کلامِ محبت

شبِ ہجر داغوں کی کثرت سے گویا
مرا دل ہے ماہِ تمامِ محبت

کوئی دیر سے سر جھکائے کھڑا ہے
ارے اب تو لے لے سلامِ محبت

ٹھہر یادِ جاناں ٹھہر میرے دل میں
یہی ہے یہی ہے مقامِ محبت

چھٹا قیدِ ہستی سے قیدِ خودی سے
میں ہو کر گرفتارِ دامِ محبت

مٹے فرق وصل و فراق من و تو
جو ہو جائے راسخ مقامِ محبت

مری شاعری ختم ہے اس غزل پر — یہی آخری ہے پیامِ محبت

نہ مجذوب سا کوئی دنیا میں دیکھا — تمامِ جنون و تمامِ محبت

بہت دور پہونچا ہے مجذوب پھر بھی — بہت دور ابھی ہے مقامِ محبت

نہ ساقی کا دل توڑ مجذوب پی لے — کہ ایسی ہے توبہ حرامِ محبت

ارے چھوڑ مجذوب چھوڑ اس غزل کو — غضب ہے یہ تکرارِ نامِ محبت

میں مجذوب ہوں، یادگارِ جنوں ہوں — مرے دم سے قائم ہے نامِ محبت

ہے مجذوب سے ایک دنیا میں ہلچل — کہیں ہو بھی پختہ یہ خامِ محبت

جو مجذوب کے ہاتھ میں ہاتھ دے دو — تو ہوں دم میں طے سب مقامِ محبت

محبت کا مجذوب تو نہ دم بھر — کہ بدنام ہے تجھ سے نامِ محبت

خدا تجھ کو مجذوب رکھے سلامت
تجھی سے ہے دُنیا میں نامِ محبت

○

ہر چیز میں عکسِ رُخِ زیبا نظر آیا — عالم مجھے سب جلوہ ہی جلوہ نظر آیا

تو کب کسی طالب کو سراپا نظر آیا — دیکھا تجھے اتنا جسے جتنا نظر آیا

عاشق کو تو ہر سو ترا جلوا نظر آیا — مسجد نظر آئی نہ کلیسا نظر آیا

مجذوب کے پہلو میں وہ بیٹھا نظر آیا — اللہ کی قدرت کا تماشا نظر آیا

گردوں کو بھی اب دیکھ کے ہوتی ہے تسلی — غربت میں یہی ایک شناسا نظر آیا

عاشق ہوا اگر کوئی تو مجنوں کی طرح ہو — کعبہ بھی اسے محملِ لیلیٰ نظر آیا

حسرت سے اُسے دیکھ کے آنسو نکل آئے
دنیا میں مجھے جب کوئی ہنستا نظر آیا

گو سب ترے کوچہ میں ہیں ناکامِ تمنّا
پھر بھی جسے دیکھا ترا شیدا نظر آیا

جس چرخ کی اک دھوم ہے وہ بھی ترے آگے
قدموں پہ پڑا ناصیہ فرسا نظر آیا

اللہ ری نقّاشی صانع کا یہ عالم
پردہ تھا مگر ہم کو تماشا نظر آیا

سب تشنہ ہیں معلوم ہوا بحرِ محبت
صحرا تھا مگر دُور سے دریا نظر آیا

صد شکر کہ آپہونچا لبِ گور جنازہ
لو بحرِ محبت کا کنارا نظر آیا

ڈوبے تو کھُلی بحرِ محبت کی حقیقت
ہر قطرے میں اک آگ کا دریا نظر آیا

سب دولتِ کونین جو دی عشق کے بدلے
اس بھاؤ یہ سودا مجھے سستا نظر آیا

کیں بند جب آنکھیں تو مری کھل گئیں آنکھیں
کیا تم سے کہوں پھر مجھے کیا کیا نظر آیا

جب مہر نمایاں ہوا سب چھپ گئے تارے
تو مجھ کو بھری بزم میں تنہا نظر آیا

جو دور نگاہوں سے سرِ عرش بریں ہے
وہ نور سرِ گنبدِ خضرا نظر آیا

صد داغ بسر زخم بسر خاک بسر ہے
مجذوبؔ کے سر عشق کا سہرا نظر آیا

مجذوبؔ کبھی سوز کبھی ساز ہے تجھ میں
تو میرؔ کبھی اور کبھی سوداؔ نظر آیا

مجھ کو تو یہ مجذوبؔ جسے سمجھے ہو زاہد
اک ساقیِ بے ساغر و مینا نظر آیا

○

تم سا کوئی ہم دم کوئی دم ساز نہیں ہے
ہر وقت ہیں باتیں مگر آواز نہیں ہے

یہ نغمۂ دل کش مرا بے ساز نہیں ہے
وہ بول رہے ہیں مری آواز نہیں ہے

پروانہ ہے بلبل کا سا انداز نہیں ہے　　جانباز ہے مجذوبؔ سخن ساز نہیں ہے

گو باز ہوا پھر بھی قفس باز نہیں ہے　　پَر ہیں مگر اُف طاقت پرواز نہیں ہے

مطرب یہ مرا نالہ بھی بے ساز نہیں ہے　　کیا درد میں ڈوبی ہوئی آواز نہیں ہے

جو کچھ بھی ہے سب عشق کی ہے فتنہ طرازی　　ناحق ہے گلہ حُسن فسوں ساز نہیں ہے

زاہد در میخانہ بھی ہے کیا درِ توبہ　　یہ ہر کس و ناکس کے لئے باز نہیں ہے

ہم خاک نشینوں کو نہ مسند پہ بٹھاؤ　　یہ عشق کی توہین ہے اعزاز نہیں ہے

ہم تم ہی بس آگاہ ہیں اس ربط خفی سے　　معلوم کسی اور کو یہ راز نہیں ہے

کہہ دینے سے کھل جاتے جو اے پیر طریقت　　راز اس کو غلط سمجھا ہے وہ راز نہیں ہے

اِس رہ میں قدم حضرتِ دل سوچ کے رکھنا　　انجام ہو جس کا یہ وہ آغاز نہیں ہے

رندوں کو حقارت سے نہ دیکھے کوئی واعظ　　کیا اُن کے لئے توبہ کا در باز نہیں ہے

مجذوبؔ ہوں پیتا ہی چلا جاتا ہوں پیہم　　کتنی مجھے پینا ہے یہ انداز نہیں ہے

مجذوبؔ کی اس شکلِ مقدس پہ نہ جانا
دنیا میں کوئی اُس سا نظر باز نہیں ہے

○

اب بھی مجذوبؔ جو محروم پذیرائی ہے　　کیا جنوں میں ابھی آمیزش دانائی ہے

جاذب حسن مری چشم تماشائی ہے　　لوح دل پر تری تصویر اُتر آئی ہے

دل ازل سے ہے کوئی آج کا سودائی ہے　　تھی جو اک چوٹ پرانی وہ ابھر آئی ہے

کس کے آنے کی خبر نزع میں سن پائی ہے　　جان رگ رگ سے سمٹ کر جو آنکھوں میں آئی ہے

چشم واکردہ بصد شوق تمنائی ہے — ہوش گم کردہ بیک جلوہ تماشائی ہے

خانۂ دل میں عجب انجمن آرائی ہے — رو کشِ بزمِ دو عالم مری تنہائی ہے

آنکھ مشغول بصد انجمن آرائی ہے — قلب آسودہ بیک گوشۂ تنہائی ہے

داغ سجدہ میں ترا جلوہ یکتائی ہے — یہ سرِ عرش مری ناصیہ فرسائی ہے

تو ہے آنکھوں میں تو کیا وسعت بینائی ہے — لامکاں بھی مجھے اک گوشۂ تنہائی ہے

تو اگر درپئے تذلیل تمنائی ہے — وہ بھی آمادہ بہر ذلت و رسوائی ہے

پہنچا صحرا میں تو صحرا میں بہار آئی ہے — تیرا وحشی بھی عجب طرح کا سودائی ہے

تیرے بسمل کو بس اب موت کی نیند آئی ہے — یہ تشنج ہی نہیں آخری انگڑائی ہے

تجھ پہ مرتا ہوں تو اس طرح قضا آئی ہے — جیسے اک عمر سے آپس میں شناسائی ہے

ہوش گم ہجر کی شب غم کی گھٹا چھائی ہے — رات میں رات ہے تنہائی میں تنہائی ہے

بزمِ عالم میں عجب مردہ دلی چھائی ہے — جام و مینا ہے نہ جامی ہے نہ مینائی ہے

میں ہی محروم ہوں اک خلق تماشائی ہے — کیا غضب ہائے پئے ذوق جبیں سائی ہے

مجھے کہاں گردش تقدیر کہاں لائی ہے — بادہ پیمائی تھی اب بادیہ پیمائی ہے

بعد مدت کے مرے لب پہ فغاں آئی ہے — ہاں سنبھل جائیں جنہیں ناز شکیبائی ہے

میں نے کم بخت طبیعت ہی عجب پائی ہے — یہ جدھر آئی ہے بس ہو کے بلا آئی ہے

میں ہوں اور حشر تک اس در کی جبیں سائی ہے — سر یہ زاہد کا نہیں یہ سرِ سودائی ہے

حسن بے ناز ہے انداز ہے رعنائی ہے — سر بسر حشر بداماں تری یکتائی ہے

رات دن میں ہوں تری یاد ہے تنہائی ہے
کام ہی کچھ ہے نہ فرصت ہی کبھی پائی ہے

وہ ہیں پہلو میں شب تار ہے تنہائی ہے
آج تو حضرت دل آپ کی بن آئی ہے

کبھی بر آئے گی امید نہ بر آئی ہے
ہائے وہ دل کہ ترا پھر بھی تمنائی ہے

دید تیری ہو یہی مقصد بینائی ہے
ذکر تیرا ہو یہی حاصل گویائی ہے

بڑھ کے عزت سے تری دی ہوئی رسوائی ہے
عاشقوں کی صف اوّل میں جگہ پائی ہے

کیا کروں ہائے عجب ضیق میں جان آئی ہے
طاقت نالہ نہ یارائے شکیبائی ہے

تیرے کشتوں نے حیات ابدی پائی ہے
اس کو کہتے ہیں مسیحا یہ مسیحائی ہے

عالم عشق و محبت میں بہار آئی ہے
آنسوؤں کی ہے جھڑی غم کی گھٹا چھائی ہے

کس جگہ بےخودیِ شوق یہ لے آئی ہے
کہ جہاں کوئی تمنا نہ تمنائی ہے

حیرت انگیز مری بادیہ پیمائی ہے
دیکھ کر گردش تقدیر بھی چکرائی ہے

رنگ رلیوں پہ زمانے کی نہ جانا اے دل
یہ خزاں ہے جو باندازِ بہار آئی ہے

عقل سے اب تو یہی بات سمجھ میں آئی
جو نہ دیوانہ ہو تیرا وہی سودائی ہے

در زنداں کی طرف دیکھ کے رہ جاتا ہوں
جب یہ سنتا ہوں کہ عالم میں بہار آئی ہے

عشق کے جوش کا ہے پردہ در اصرار مرا
حسن کے شوق کا پردہ تری انگڑائی ہے

جلوہ گر عالم کثرت میں ہے وحدت ہر سو
آئینہ خانہ میں تو محو خود آرائی ہے

اللہ اللہ ترے آتے ہی یہ اشکوں کا ہجوم
حسرت دید بھی مشکل سے نکل آئی ہے

ناز تقویٰ سے بھرا اچھا ہے نیاز رندی
جاہ زاہد سے بھر اچھی مری رسوائی ہے

خلق سے کوئی تعلق نہیں اچھا نہ برا
یعنی گم نام ہوں شہرت ہے نہ رسوائی ہے

میں نہ زندوں میں نہ مردوں میں ادھر ہوں نہ اُدھر
دونوں عالم سے جدا عالمِ تنہائی ہے

ایک مدّت ہوئی توبہ کیئے پھر بھی ہے یہ حال
آنکھ ساغر کو تہی دیکھ کے بھر آئی ہے

میری دُنیا ہی الگ ہے، مرا عالم ہے جُدا
میں ہوں اور دل ہے اور اک گوشۂ تنہائی ہے

یادِ جاناں بھی پڑا اب نہ لیست کا ہے دار و مدار
ہجر میں ایک یہی مونس تنہائی ہے

ہوش نے بھی مرے اب چھوڑ دیا ہے مجکو
میں بھی موجود نہیں، وہ مری تنہائی ہے

حسن خود حسن ہوا تیرے حسین ہونے سے
روئے زیبا ترا خود زینتِ زیبائی ہے

حسن اور عشق کے دیکھے تو کوئی راز و نیاز
آنکھ شرمائی ہے اُن کی مری بن آئی ہے

خیر اپنی نظر آتی نہیں اب لے ہمدم
آج قاتل نے مرے سر کی قسم کھائی ہے

جلوہ ہے عام مگر تاب نظر ہے کس کو
خود تماشا ہے وہ اور خود ہی تماشائی ہے

رات اتنی بھی بڑی ایسی بھی تاریک نہ ہو
روزِ محشر بھی چراغِ شبِ تنہائی ہے

میرا ہم راز نہ ہمدرد نہ ہمدم کوئی
بزمِ عالم مجھے اک عالمِ تنہائی ہے

گھر ہی بیٹھے مرے مرنے کی خبر سن لیتے
اتنی تکلیف بھی کیوں آپنے فرمائی ہے

دل کی ساری ہی رگیں کھچ گئیں اُ مستِ شباب
تو توبہ کہہ کے بری ہو گیا انگڑائی ہے

گو گنہ گار ہوں لیکن تری رحمت کے نثار
ہر مہم میں مری امداد ہی فرمائی ہے

راز وحشت کا مری اہلِ خرد کیا جانیں
کیوں نہ آوارہ پھروں وہ بھی تو ہرجائی ہے

بدشگونی نہ دمِ نزع کرو نوحہ گرو
ہائے مر مر کے تو یہ نیک گھڑی پائی ہے

وہ جفاؤں پہ تلے ہیں تو میں مر مٹنے پر
حسن اور عشق کی کیا معرکہ آرائی ہے

منتظر دیر سے ہے جلوۂ بیتاب اُدھر
بے خودِ شوق اِدھر محوِ جبیں سائی ہے

ساری دُنیا کی نگاہوں سے گرا ہے مجذوبؔ　　تب کہیں جاکے ترے دل میں جگہ پائی ہے

عشق کی شرح ہے مجذوبؔ سراپا یعنی　　سر بسر حسرت و ناکامی و رسوائی ہے

جانے کس دھن میں ہے مجذوبؔ ترا سر بسجود　　ہوش در ہے نہ اسے ہوش جبیں سائی ہے

قدرِ مجذوبؔ کی خاصانِ خدا سے پوچھو
شہرتِ عام تو اک قسم کی رسوائی ہے

○

گردش میں تخیّل کا اثر دیکھ رہے ہیں　　منزل کو بھی ہم رنگ سفر دیکھ رہے ہیں

زورِ کشش موئے کمر دیکھ رہے ہیں　　آنکھوں سے جدا تارِ نظر دیکھ رہے ہیں

اللہ کا گھر یا ترا در دیکھ رہے ہیں　　سجدے میں پڑے سیکڑوں سر دیکھ رہے ہیں

اُن کی نگہہ شوق ہے اک طرفہ تماشا　　ہر شخص سمجھتا ہے اِدھر دیکھ رہے ہیں

اُمیدِ وصال ان کی بایں ہستی موہوم　　اِس خواب میں ہم خواب دگر دیکھ رہے ہیں

اب حشر بپا کرتے ہیں نالوں سے ہم اے چرخ　　کب تک نہیں ہوتی ہے سحر دیکھ رہے ہیں

کھلتی ہی نہیں آنکھ جو ان کی شب خلوت　　کیا خواب میں وہ غیر کا گھر دیکھ رہے ہیں

اُف آخری دیدار بھی میّت کا ہے کیا چیز　　گو دیکھ نہیں سکتے مگر دیکھ رہے ہیں

محفل میں وہ کیا منتظر غیر ہیں اے دل　　کیوں گاہ اِدھر گاہ اُدھر دیکھ رہے ہیں

معلوم ہے ہم کو کہ نہ آئیں گے وہ ہرگز　　ہم پھر بھی مگر جانب در دیکھ رہے ہیں

پردے میں بھی ہم اُن کو تصوّر کی بدولت　　کس لطف سے بے خوف و خطر دیکھ رہے ہیں

وہ سامنے نظروں کے ہیں اے حضرت مجذوبؔ　　اور آپ اِدھر اور اُدھر دیکھ رہے ہیں

کیا محفل عشاق میں ہے صدر کی حاجت
مجذوبؔ کو سب اہلِ نظر دیکھ رہے ہیں

○

مرے جام و مینا نہیں جام و مینا یہ ہے قلب روشن وہ ہے چشم بینا
نہ مطرب نہ ساقی نہ بربط نہ مینا یہ جینا بھی ہے کوئی جینے میں جینا
خدا بھیج دے بے طلب جام و مینا گناہ کبیرہ ہے مانگ کر بھی نہ پینا
ہمیشہ ہوں مست اور ساغر نہ مینا اسے کہتے ہیں دیکھ اے رند پینا
حریفو مبارک تمہیں جام و مینا لہو کے ہمیں گھونٹ دن رات پینا
پھروں بحر در بحر کب تک الٰہی لگا دے بس اب پار میرا سفینہ
میں جنت میں بھی پھر رہا ہوں یہ کہتا مدینہ مدینہ مدینہ مدینہ

بیک جذب مجذوبؔ تا بام پہنچا
جو سالک ہیں وہ آئیں زینہ بہ زینہ

○

چمکنے لگا سر بہ سر نور ہو کر میں جل جانے والا نہیں طور ہو کر
سرِ دار ہو کر سرِ طور ہو کر ترے پاس آیا بڑی دور ہو کر
تری یاد میں خود سے بھی دور ہو کر میں بس رہ گیا نور ہی نور ہو کر
نہ پاس آؤ اتنے ملو دور ہو کر میں کچھ اور کہہ دوں نہ منصور ہو کر
نہ ترساؤ ہر گام پر دور ہو کر کوئی ہار بیٹھے نہ مجبور ہو کر

مجھی میں تو رہتے ہیں مستور ہو کر — وہ دل کا سرور آنکھ کا نور ہو کر

دکھائی دیا ہم کو مخمور ہو کر — یہ ظلمت کدہ عالمِ نور ہو کر

کسی چشم جادو سے مسحور ہو کر — میں دل سونپ بیٹھا ہوں مجبور ہو کر

زباں چپ رہی گرچہ مجبور ہو کر — رہا بال بال اپنا منصور ہو کر

جو اک التجا کی تھی مجبور ہو کر — وہ رد ہو گئی ہائے منظور ہو کر

چلا میں ازل سے جو مخمور ہو کر — رہا تا ابد نشّہ میں چور ہو کر

دل اسرارِ فطرت سے معمور ہو کر — رہا میرے پہلو میں مسرور ہو کر

حدیں[۱] عشق کی کر رہے ہیں وہ قائم — کبھی پاس آکر کبھی دُور ہو کر

تصوّر سلامت تحیّر سلامت — میں بیٹھا ہوں اپنی جگہ طور ہو کر

میں کس کے لئے جان دینے چلا ہوں — چلی آرہی ہے قضا حور ہو کر

کوئی دل لگی ہے یہ اے شیخ رندی — بہت ہوش رکھنا ہے مخمور ہو کر

نظر کیا کروں اب سوئے جام و مینا — تری مست آنکھوں کا مخمور ہو کر

رسائی تصوّر کی ہے لامکاں تک — رہو گے کہاں ہم سے مستور ہو کر

عجب رنگ لائی ہے اب میری مستی — تقدّس کے جامے میں مستور ہو کر

اب اتنی رعایت تو اے آسماں ہو — نئے غم ملیں پچھلے غم دور ہو کر

گھٹا ہے کہ اُنڈی چلی آرہی ہے — دُعا کس نے کی نشّہ میں چور ہو کر

سبھی تیرے عشاق ہوتے ہیں واصل — کوئی پاس رہ کر کوئی دُور ہو کر

بدلنے لگے کروٹیں اہلِ مرقد — ذرا دُور ہو کر ذرا دُور ہو کر

۱؎ خواجہ صاحب اکثر فرمایا کرتے تھے کہ یہ شعر خصوصیت سے عبدالوحید خاں کے مطلب کا ہے (مرتب)

میں کہنے کو تھا کچھ کہ چپ کر گئے وہ — زباں رہ گئی دارِ منصور ہو کر
تنِ یاسمیں پر لباسِ مُصفا — وہ آئے ہیں نورٌ علیٰ نور ہو کر
چلا آ رہا ہے کھنچا اِک زمانہ — کشش اس قدر اس قدر دور ہو کر
نہ جینے سے خوش ہوں نہ مرنا روا ہے — یہ جینے میں جینا ہے مجبور ہو کر
ہوا وہم کیا دفعتہً آتے آتے — وہ گذرے مری قبر سے دُور ہو کر
چلا ہوں میں پھر ہائے سوئے ستمگر — جگر تھام کر دل سے مجبور ہو کر
یہ کون آ کے بیٹھا سُویدائے دل میں — سیاہی چمکنے لگی نور ہو کر
لگایا ہے دِل اِک بُتِ سنگ دل سے — رہے گا یہ شیشہ بس اب چور ہو کر
عجب اک معمہ سا میں بن گیا ہوں — نہ مختار ہو کر نہ مجبور ہو کر
وہ خوش بخت و خوش وقت مجذوب ہم ہیں — غموں میں بھی رہتے ہیں مسرور ہو کر
نہ آنا تھا ان کو نہ آئے نہ آئے — جہاں سے اُٹھے ہم ہی مجبور ہو کر
وہ نظروں میں میری کھُبے جا رہے ہیں — سراپا ادا چشمِ بد دور ہو کر
کسی حال میں چین پاتا نہیں دل — نہ مغموم ہو کر نہ مسرور ہو کر
چھپانے کو ہم تم چھپاتے ہیں دونوں — رہے گا یہ افسانہ مشہور ہو کر

میں مجذوب ہوں، جذبِ الفت سلامت
بچو گے کہاں مجھ سے تم دُور ہو کر

○

کیا نظر مجھ پر نہ ڈالی جائے گی — کیا مری فریاد خالی جائے گی

زاہدوں پر مے اُچھالی جائے گی
جان اِن مردوں میں ڈالی جائے گی

یوں نظر عاشق پہ ڈالی جائے گی
دیکھ کر گردن جھکالی جائے گی

مے بھی یوں طاہر بنالی جائے گی
آبِ زمزم میں ملالی جائے گی

جب کسی سے لو لگالی جائے گی
پھر یہ آشفتہ خیالی جائے گی

شیخ کی پگڑی اچھالی جائے گی
سرکشی سر سے نکالی جائے گی

بے سوالی بھی نہ خالی جائے گی
دل کی بات آنکھوں سے پالی جائے گی

بات کیا منہ سے نکالی جائے گی
اک نظر بھی تو نہ ڈالی جائے گی

اک ذرا مرضی جو پالی جائے گی
پھر طبیعت کیا سنبھالی جائے گی

کب نگاہِ لطف ڈالی جائے گی
کب مری آشفتہ حالی جائے گی

یوں نظر تو مجھ پہ ڈالی جائے گی
جب میں دیکھوں گا ہٹالی جائے گی

بات وہ منہ سے نکالی جائے گی
جو نہ مانی اور نہ ٹالی جائے گی

شیخ پینے کا ارادہ تو کرے
حوضِ کوثر سے منگالی جائے گی

یاد تیری بڑھتے بڑھتے ایک دن
تا بہ حدِّ بے خیالی جائے گی

آ رہا ہے جھومتا دستِ ناز
اب طبیعت کیا سنبھالی جائے گی

بس ملامت ہی کو ہیں احباب سب
کوئی صورت بھی نکالی جائے گی

دل میں دے دے کر حسینوں کو جگہ
حُسن کی دُنیا بسالی جائے گی

لرزہ براندام ہیں کون و مکاں
کس کی حسرت دل میں ڈالی جائے گی

ڈال کر اُن پر نظر اے چشمِ شوق
جان آفت میں نہ ڈالی جائے گی

جس کو تاکوں گا نشیمن کے لئے / بس وہ ڈالی کاٹ ڈالی جائے گی
آئے گا گر بزمِ مے میں محتسب / اور اک بوتل منگا لی جائے گی
گالیاں سننے کے ہم عادی نہیں / خو مگر اس کی بھی ڈالی جائے گی
اور تو نکلیں گے ہی خرقہ سے کام / اس میں بوتل بھی چھپا لی جائے گی
داغِ دل چمکے گا بن کر آفتاب / لاکھ اس پر خاک ڈالی جائے گی
سب ترا پردہ دھرا رہ جائے گا / جب ذرا گردن جھکا لی جائے گی
ہائے ایسے میں مرا ساقی کہاں / کیا بھری برسات خالی جائے گی
لاکھ ہو بحرِ محبت پُرخطر / کشتیٔ دِل اس میں ڈالی جائے گی
غیر کی مانیں گے بے چون و چرا / میں کہوں گا، نی نکالی جائے گی
اور کیا موقع ہے اب تو قبر میں / مستیٔ پیرانہ سالی جائے گی
ہائے کہنا اُن کا عرضِ وصل پر / جاؤ کچھ صورت نکالی جائے گی
دیکھ اے واعظ یہ چھیڑ اچھی نہیں / دوڑ کر بوتل اُٹھا لی جائے گی
ابر میں تلقینِ توبہ شیخ جی / وقعتِ فرمانِ عالی جائے گی
کیا رہے گا دل یونہی محرومِ فیض / کیا یہ جھولی یونہی خالی جائے گی
اور ہو جائیں گی پیدا سیکڑوں / اک اگر حسرت نکالی جائے گی
ہم غریبوں کو دئے جائیں گے داغ / غیر کو پھولوں کی ڈالی جائے گی
یہ سن اے مجذوبؔ اُس پر خم پہ خم / کب تری بے اعتدالی جائے گی

مستیاں مجذوبؔ اب زیبا نہیں
وقعت پیرانہ سالی جائے گی

○

اِدھر دیکھ لینا اُدھر دیکھ لینا
پھر اُن کا مجھے اِک نظر دیکھ لینا

دکھائیں گی آہیں اثر دیکھ لینا
وہ آئیں گے تھامے جگر دیکھ لینا

انہیں اک نظر چشم تر دیکھ لینا
رُلائے گا خوں عمر بھر دیکھ لینا

اِن آہوں کا میری اثر دیکھ لینا
دو عالم کو زیر و زبر دیکھ لینا

غضب ہے غضب ہے ارے اُف غضب ہے
ترا مسکرا کر اِدھر دیکھ لینا

بپا دل میں کرتا ہے اک حشرِ ارماں
ادا سے ترا اک نظر دیکھ لینا

یہ کر دے نہ مجذوبؔ محرومِ سجدہ
اُنھیں چارسو جلوہ گر دیکھ لینا

○

کچھ اور ہی اب ہے میری دنیا جو کوئی پیشِ نظر نہیں ہے
وہ حالِ قلب و جگر نہیں ہے وہ رنگِ شام و سحر نہیں ہے

جہاں میں ہر سو ہے اس کا جلوہ کہاں نہیں ہے کدھر نہیں ہے
وہ ذرہ ذرہ میں جلوہ گر ہے مگر کوئی دیدہ ور نہیں ہے

بس ایک بجلی سی پہلے کوندی پھر اس کے آگے خبر نہیں ہے
اور اب جو پہلو کو دیکھتا ہوں تو دل نہیں ہے جگر نہیں ہے

کسی کے زندہ شہید ہم ہیں نہیں یہ حسرت کہ سر نہیں ہے
ہمیں تو ہے اس سے بڑھ کے رونا کہ دل نہیں ہے جگر نہیں ہے

ہنسی بھی ہے میرے لب پہ ہر دم اور آنکھ بھی میری تر نہیں ہے
مگر جو دل رو رہا ہے پیہم کسی کو اس کی خبر نہیں ہے

خلافِ عادت وہ ملتفت ہیں یہ بات کیا ہے خبر نہیں ہے
کہیں کوئی اور ظلمِ تازہ تو ان کے پیشِ نظر نہیں ہے

جہاں میں کوئی بشر نہیں ہے کہ جس میں کوئی کسر نہیں ہے
وہ جس میں کوئی کسر نہیں ہے بشر نہیں ہے بشر نہیں ہے

قرار سے جس پہ جم کے بیٹھوں کوئی بس اب ایسا در نہیں ہے
وہ آستاں ہائے جب سے چھوٹا مرا کوئی مستقر نہیں ہے

بلا ہے یہ ذوقِ عاشقی کا بنا ہے جنجال میرے جی کا
ذرا خیال آ گیا کسی کا تو نیند پھر رات بھر نہیں ہے

ارے یہ کیا ظلم کر رہا ہے کہ مرنے والوں پہ مر رہا ہے
جو دم حسینوں کا بھر رہا ہے بلند ذوقِ نظر نہیں ہے

تھکا مسافر ہے شام سر پر نہ کوئی ساتھی نہ کوئی رہبر
پھر ایسی منزل کہ جس سے بڑھ کر کوئی سفر پرخطر نہیں ہے

نہیں وہ اب دور دل میں گھر ہے کلام ہر دم بیک دگر ہے
نفس نفس میرا باخبر ہے وہاں کی اب کیا خبر نہیں ہے

اب ایسے عالم میں پائیں کیوں ہم نہ تیرہ و تار دونوں عالم
وہ نورِ قلب و جگر نہیں ہے وہ رونقِ بحر و بر نہیں ہے

کبھی نظر میں جمال تیرا کبھی نظر میں جلال تیرا
بس اب ہے دل اور خیال تیرا کسی کا اس میں گذر نہیں ہے

طلب میں کر تو کمی نہ طالب یہ نور دل ہو نہ جاتے حاجب
یہ صبحِ کاذب ہے صبحِ کاذب سحر نہیں ہے سحر نہیں ہے

نہ ہوش اپنا نہ ہم نشیں کا نہ جانِ زار و دل حزیں کا
خیال ہر دم ہے اک حسیں کا بس اب کسی کی خبر نہیں ہے

یہ میرا سر کوئی سر میں سر ہے جنوں کی جا شورشوں کا گھر ہے
وبالِ دوش اب اس قدر ہے یہ دردِ سر اب ہے سر نہیں ہے

بلائیں تیر اور فلک کماں ہے چلانے والا شہِ شہاں ہے
اسی کے زیرِ قدم اماں ہے بس اور کوئی مفر نہیں ہے

اسی پہ رکھ اپنی بس نظر تو نگہ نہ دوڑا ادھر ادھر تو
خود اس سے ہے لاکھ بے خبر تو وہ تجھ سے خود بے خبر نہیں ہے

جو عشقِ صادق کا سوز کامل ان اپنی آہوں میں کرلے شامل
تو کون سی پھر مہم ہے لے دل جو آہ کرتے ہی سر نہیں ہے

بجا ہے سالک جو تجھ کو ڈر ہے مری رہِ جذب پُرخطر ہے
مگر یہی سب سے مختصر ہے جبھی تو مجھ کو حذر نہیں ہے

رہے گی ہردم زباں پہ جاری سناتے گذرے گی عمر ساری
یہ داستانِ الم ہماری طویل ہے مختصر نہیں ہے

یہاں کی راحت ہے کوئی راحت یہاں کی زحمت ہے کوئی زحمت
یہ اک سرا ہے مقامِ عبرت یہ کوئی رہنے کا گھر نہیں ہے

نہ دیکھا اس دارِ امتحاں میں یہ حال بھی عشقِ جانِ جاں میں
نہیں ہے مجذوب سا جہاں میں کوئی پراگندہ تر نہیں ہے

کسی کا مجذوب کو نہیں ہوش اپنے مطلب کی سب خبر ہے
وہ کون سا راز عشق کا ہے کہ جس کی اس کو خبر نہیں ہے

یہ کیا غضب ہے، یہ کیا غضب ہے، کہ زر کی مجذوب سے طلب ہے،
وہ صاحب سوز و ساز اب ہے وہ صاحب سیم و زر نہیں ہے

○

سالک ہیں مگر جذب کا رکھتے ہیں اثر ہم
جانا تو کدھر ہم کو ہے جاتے ہیں کدھر ہم
اٹھتے ہیں سنانے کے لئے دردِ جگر ہم
ہوتی ہے ابھی بزمِ سخن درہم و برہم

کچھ اس کے سوا کہہ نہ سکے تا بہ سحر ہم
ٹھہرو کہ ابھی رکھتے ہیں اک عرضِ دگر ہم

ہاں دیکھ رہے تھے تری دزدیدہ نظر ہم
پہلو میں نہ دل پاتے ہیں اپنے نہ جگر ہم

رکھنے کو تو رکھتے نہیں گو تابِ نظر ہم
یہ بھی کہیں ممکن ہے کہ دیکھیں نہ اُدھر ہم

کوشش ہے کہ راحت میں کریں عمر بسر ہم
تو دیکھتے ہیں خواب میں اک خوابِ دگر ہم

وہ صبح کو آئیں گے یہ سنتے ہیں خبر ہم
دیکھیں گے انہیں ہم بھی جو دیکھیں گے سحر ہم

پاتے نہیں دنیا میں بلاؤں سے مفر ہم
سایہ کی طرح ساتھ ہیں جاتے ہیں جدھر ہم

سو بار کیا عہد نہ جائیں گے اُدھر ہم
پھر شوق سے خود ہو گئے مجبور مگر ہم

آتا ہے نظر حسن ہی جاتے ہیں جدھر ہم
کیا پھوڑ لیں اب آنکھ ہی اے حسنِ نظر ہم

رکھتے ہی نہیں آہ میں اب کوئی اثر ہم
کر دیتے تھے دنیا کو کبھی زیر و زبر ہم

جب ایک اسی ذات پہ رکھتے تھے نظر ہم
خطروں میں بھی گھس جاتے تھے بے خوف و خطر ہم

اُٹھ جائے ابھی کام لیں ہمت سے اگر ہم
اِک یوں ہی سا پردہ ہے اُدھر وہ ہیں اِدھر ہم

مجذوب ہیں طے جذب سے کر لیں گے سفر ہم
رہبر ہمیں درکار نہ محتاجِ خضر ہم

برسائیں گے جب خونِ دل و خونِ جگر ہم
دیکھیں گے جب ہی نخلِ محبت میں ثمر ہم

ناچیز ہیں پھر بھی ہیں بڑی چیز مگر ہم
دیتے ہیں کسی ہستیِ مطلق کی خبر ہم

اس دل کو کریں کیا کہ بتوں کا ہے مرقع
ویسے تو ہٹانے کو ہٹا لیں بھی نظر ہم

کیا لطف ہے کیا وقت ہے مسرور ہے دُنیا
یادِ شبِ فرقت سے ہیں بیزار سحر ہم

اغیار سے ہنس ہنس کے ہیں کس لطف کی باتیں
بیٹھے ہیں الگ بزم میں با دیدۂ تر ہم

اتنی تو خبر ہے کہ کوئی ہوش ربا تھا
رکھتے نہیں بس اس کے سوا اور خبر ہم

در پردہ کوئی پردہ نشیں دیکھ لیا ہے
اب حور بھی آجائے تو ڈالیں نہ نظر ہم

سو بار تو دیکھا انہیں سیری نہیں ہوتی
حسرت ہے یہی دیکھتے پھر ایک نظر ہم

اب آنکھ اٹھا کر بھی نہیں دیکھتے ہم کو
ہیں یاد بھی وہ دن کہ تھے منظورِ نظر ہم

ہم اور وہ ہوجائیں جدا یہ نہیں ممکن
ہیں نکہت و گل شمس و ضیا شیر و شکر ہم

اب تم ہی بتاؤ تمہیں کس طرح منائیں
چاہی تھی معافی تو ہوئے اور بھی بر ہم

دیکھیں انہیں کس آنکھ سے ہمت نہیں پڑتی
وہ مصحفِ رخ پاک ہے آلودہ نظر ہم

نشے میں جوانی کے تمھیں ہوش بھی کچھ ہے
آنچل تو سنبھالو کہ لگا دیں گے نظر ہم
دعویٰ تھا ہمیں ضبط کا اب ہو گئے کیسے
قابو نہ ہمیں دل پہ نہ مختارِ جگر ہم
پیری میں حسینوں سے لڑائیں تو نظر کیا
دزدیدہ مگر ڈال ہی لیتے ہیں نظر ہم
دنیا کے نہ عقبیٰ کے یہاں کے نہ وہاں کے
زندوں میں نہ مُردوں میں اِدھر ہیں نہ اُدھر ہم
ہیں ہم بھی سرِ راہ کھڑے آج حسینو
بن ٹھن کے نہ نکلو کہ لگا دیں گے نظر ہم
دم بھر تو بھلا کوئی ہمیں جی کے دکھا دے
کر لائے ہیں جس حال میں اک عمر بسر ہم
اب شغل ہے دن رات طوافِ درِ جاناں
منزل پہ پہنچ کر بھی ہیں مشغول سفر ہم
اب صبح ہوئی اب وہ اُٹھے اب وہ سدھارے
آثارِ سحر دیکھتے ہیں قبلِ سحر ہم
اتنا نہ بڑھا خود کو رہ حدِ ادب میں
اے شوق ہوئے جاتے ہیں گستاخ نظر ہم

ہردم جو تصور میں ہے اُن کا رُخِ روشن
پاتے ہیں شبِ غم میں بھی آثارِ سحر ہم

خود کو بھی ترے عشق میں ہم غیر ہی سمجھے
جی بھر کے نہ دیکھا کہ لگا دیں گے نظر ہم

محروم درِ فیض سے کوئی نہیں جاتا
آئے ہیں بہت دُور سے یہ سُن کے خبر ہم

ہوتا ہے نظر باز بُرا پردہ نشینو
جھانکو نہ جھروکوں سے لگا دیں گے نظر ہم

بیگانۂ احباب جو ہم ہیں تو گلہ کیا
ہم وہ ہیں کہ رکھتے نہیں اپنی بھی خبر ہم

جو اُن کی خوشی ہے وہی اپنی بھی خوشی ہے
جا دل تجھے چھوڑا کہ جدھر وہ ہیں اُدھر ہم

کوئی تو سبب رکھتے ہیں اے بادِ بہاری
ہر بار جو رہ جاتے ہیں پھر تول کے پر ہم

آنکھوں کی بدولت ہے مصیبت میں دل اپنا
لپکا تھا کبھی اب تو ہیں بے زار نظر ہم

سالک ہیں رفیقوں میں تو تیاریاں کیا کیا
اور عزم سفر رکھتے ہیں بے زادِ سفر ہم

ہر خیر میں ہو جاتا ہے یہ نفس مزاحم
مسدود ہیں سب راستے اب جائیں کدھر ہم
سالک ہمیں رکھنا نہیں منظور انہیں کو
پھر ہو گئے مجذوب ملاتے ہی نظر ہم

مجذوب ہیں جب تک کہ نہ دیدو گے معافی
مرجائیں گے قدموں سے اٹھائیں گے نہ سر ہم

○

کچھ نہ پوچھو ماجرائے دردِ دل　　دل نہیں ہے پھر بھی ہائے دردِ دل
یہ مِری دُنیا برائے دردِ دل　　ہیچ ہے ہر شے سوائے دردِ دل
لب پہ ہیں گو شکوہ ہائے دردِ دل　　دل سے ہوں لیکن فدائے دردِ دل
میرے گھر کیا ہے سوائے دردِ دل　　ہے یہ اک عبرت سرائے دردِ دل
میں تو ہوں ایسا فدائے دردِ دل　　اپنے سر لے لوں بلائے دردِ دل
اب کہاں پہلو میں ہائے دردِ دل　　داغِ دل ہیں نقشِ پائے دردِ دل
دل کسی کو دے تو پائے دردِ دل　　نقدِ دل ہی ہے بہائے دردِ دل
اب کہاں وہ کیف ہائے دردِ دل　　دردِ سر ہے اب بجائے دردِ دل
زیست کیا ہے ابتدائے دردِ دل　　موت کیا ہے انتہائے دردِ دل
ہوں پرانا آشنائے دردِ دل　　مجھ سے پوچھو راز ہائے دردِ دل
آزمائے آزمائے دردِ دل　　جان کر دوں گا فدائے دردِ دل

دے مجھے اب اے خدائے دردِ دل | وہ جو مر کو بھی نہ جائے دردِ دل
اِک جہاں کو جو رلائے دردِ دل | وہ تجھے ظالم ہنسائے دردِ دل
جب نہ دل ہی میں سمائے دردِ دل | لب پہ کیوں آ آ نہ جائے دردِ دل
موت ہے جب ابتدائے دردِ دل | کیا نہ ہو گی انتہائے دردِ دل
اب تو دُنیا سے اٹھائے دردِ دل | دردِ دل ہی ہے دوائے دردِ دل
اُف نہیں دبتا دبائے دردِ دل | ضبط ہے شدت فزائے دردِ دل
میں کبھی بلبل بھی سنائے دردِ دل | کوئی روئے کوئی گائے دردِ دل
کوئی ہو صبر آزمائے دردِ دل | لب پہ ہاں آنے نہ پائے دردِ دل
ہم ہیں لذت آشنائے دردِ دل | تو ہے منعم ناسزائے دردِ دل
رات دن ہے ہائے ہائے دردِ دل | گھر ہے یا ماتم سرائے دردِ دل
اب نہ بس دردر پھرائے دردِ دل | اب تو دنیا سے اُٹھائے دردِ دل
آئے خالی ہاتھ ہی دنیا میں ہم | کچھ اگر لائے تو لائے دردِ دل
سینۂ پُر داغ ہے رشکِ جناں | تو نے کیا کیا گل کھلائے دردِ دل
وہ چلے آئیں جگر تھامے ہوئے | آج اثر ایسا دکھائے دردِ دل
پہلے دردِ دل سے میں تڑپا کیا | اب تڑپتا ہوں برائے دردِ دل
بڑھ نہ اتنا اے شبِ فرقت نہ بڑھ | گھٹ نہ جائے گھٹ نہ جائے دردِ دل
عرصۂ محشر بنے فرشِ زمیں | آسماں سر پر اٹھائے دردِ دل
عیشِ دُنیا کیا ہمیں مرغوب ہو | ہم ہیں لذت آشنائے دردِ دل

کیا کہوں کیسے اٹھائے ہیں مزے — لُوں نہ میں شاہی بجائے دردِ دل

رات دن رکھتا ہوں سینے سے لگائے — تو بھی ہے کیا چیز ہائے دردِ دل

لوٹتے دنیا کے ہم بھی کچھ مزے — پڑ گئی سر ہی بلائے دردِ دل

مبتلا ہو سب بلاؤں میں مگر — ہو نہ کوئی مبتلائے دردِ دل

کس کو یہ دولت نصیب اے چارہ گر — جان تو جائے نہ جائے دردِ دل

وہ تسلی دے رہے ہیں بار بار — مرحبا اے مبتلائے دردِ دل

دردِ دل ہر درد کا درماں ہوا — اب نہیں کچھ غم سوائے دردِ دل

دردِ دل پیدا ہوا دل کے لئے — دل ہوا پیدا برائے دردِ دل

ہنس نہ ظالم میرے حالِ زار پر — لگ نہ جائے بد دُعائے دردِ دل

لے چلے ہیں ہم تو اس بازار سے — ایک جنسِ بے بہائے دردِ دل

ہائے پہلو سے وہ پھر اُٹھ کر چلے — اُٹھ کے پھر ان کو بٹھائے دردِ دل

کیوں نہ ہر دم وجد میں رقصاں رہوں — دل ربا ہے ہر ادائے دردِ دل

اب رہو مجذوبؔ یادِ یار میں — کہہ چکے بس ماجرائے دردِ دل

کوئی تجھ کو پوچھتا مجذوبؔ کیا — ہے یہ سب عزت عطائے دردِ دل

جذب نے مجذوبؔ رسوا کر دیا
کھل گئے سب رازہائے دردِ دل

○

جی اُٹھے مردے تری آواز سے — پھر ذرا مطرب اسی انداز سے

کام مطرب سے نہ ہم کو ساز سے — آشنا ہیں طوُر کی آواز سے
گنگنا ؤ گے جو اِس انداز سے — خود بخود نکلیں گے نغمے ساز سے
کیا ہو خاطر خاطرِ ناساز سے — گا رہا ہوں دُکھ بھری آواز سے
انتہا پر ہے نظر آغاز سے — ہوں مخاطب طوُر کی آواز سے
نغمہ پیدا ہے کہ نوحہ ساز سے — ہوک سی اُٹھتی ہے اِس آواز سے
ہم تو ہونے دیں نہ واقف راز سے — بس چلے بھی دیدۂ غماز سے
اک نظر میں آشیاں گم کردہ کو — بھانپ لیں ہم ہیئت پرواز سے
دیکھئے آخر وہی ہو کر رہا — سمجھے بیٹھے تھے جسے آغاز سے
آشنا اچھا ہے یا نا آشنا — اس کو پوچھو آشنائے راز سے
حالِ دل سب اُس سے کہہ دوں اے ندیم — کچھ نہ پوشیدہ رہے ہم راز سے
جاگ اٹھے فتنے تو نالوں سے مرے — وہ مگر اٹھے نہ خوابِ ناز سے
میکدے میں کہتا ہوں سُن کر اذاں — آشنا سا ہوں کچھ اِس آواز سے
آشنا بیٹھا ہو یا نا آشنا — ہم کو مطلب اپنے سوز و ساز سے
اہلِ محفل نقشِ محفل ہو گئے — بزم میں آئے وہ اِس انداز سے
آ رہا ہے ہائے وہ مستِ شباب — کس ادا، کس ناز، کس انداز سے
اب زمیں پر ہی نہیں پڑتے قدم — آ رہا ہوں کس کی بزمِ ناز سے
سب نے کرلی حرزِ جاں وردِ زباں — بات جو نکلی لبِ اعجاز سے
گرم بازاری ہے حسن و عشق کی — سچ اگر پوچھو نیاز و ناز سے

پھر ہوں تازہ واقعات کوہِ طور پھر اُٹھے پردہ حریم ناز سے

ہوش دلبر کا تو اے مجذوب رکھ
بس ارے بس پی مگر انداز سے

○

جو صورت گیر حسن و عشق کی دنیا کہیں ہوتی
ترے ضو کا فلک بنتا مرے ظل کی زمیں ہوتی

دکھانے پر بھی بے پردہ نہ اے پردہ نشیں ہوتی
کلائی کی تجلی پھیل کر خود آستیں ہوتی

رعایت ناتوانوں کی الٰہ العالمیں ہوتی
قیامت ہم سے مُردوں کی یہیں زیرِ زمیں ہوتی

تری نیچی نظر اونچی اگر اے مہ جبیں ہوتی
فلک زیر و زبر ہوتا، تہ و بالا زمیں ہوتی

امید و بیم سے یک سو تو یہ جانِ حزیں ہوتی
بلا سے بدگمانی آپ کی بڑھ کر یقیں ہوتی

سمٹ کر تن سے آنکھوں میں مری جانِ حزیں ہوتی
پھر اُن کے دیکھنے کو وہ نگاہِ واپسیں ہوتی

بس اب تو ہمدمو کوئی جگہ ایسی کہیں ہوتی
اکیلے بیٹھے رہتے یاد ان کی دل نشیں ہوتی

کسی صورت نہ بے پردہ نگاہ شرمگیں ہوتی
نکلتی تیری آنکھوں سے تو میرے دل نشیں ہوتی

اگر چشم تصوّر میں وہ زلفِ عنبریں ہوتی
دلِ مجنوں کو میرے لیلیٰ محمل نشیں ہوتی

دکھاتے پھر تماشا تم کو ہم اپنے تڑپنے کا
جو عالم بے فلک ہوتا جو دنیا بے زمیں ہوتی

ہجوم آرزو ہے یا کوئی ہنگامۂ وحشت
خوشا وقتیکہ جب دل میں کوئی حسرت نہیں ہوتی

وہاں رہتے جہاں دودِ فغاں کا آسماں ہوتا
وہاں بستے جہاں خاکسترِ دل کی زمیں ہوتی

جو اُن کو دیکھ پاتے ہم تو کیا پھر زندہ رہ جاتے
نگاہِ اوّلیں اے دل نگاہِ واپسیں ہوتی

نہیں کرتے ہیں وعدہ دید کا وہ حشر سے پہلے
دلِ بے تاب کی ضد ہے ابھی ہوتی یہیں ہوتی

ہٹاتے ہم نشیں ہر چند لیکن چشمِ گریاں پر
کبھی یہ آستیں ہوتی کبھی وہ آستیں ہوتی

حیا ہے اُن کی آنکھوں میں تو وہ ہم سے نہیں ملتے
کہ رُخ اُن کا ادھر ہوتا نظر ان کی کہیں ہوتی

تجھے معلوم کیا زاہد کہ ایماں کیسی دولت ہے
کسی کافر ادا پر مر کے تجھ کو قدرِ دیں ہوتی

معافی مانگنے کو مانگ لیتا سو دفعہ اُن سے
کوئی تقصیر بھی کوئی خطا بھی ہم نشیں ہوتی

جدھر ہوتا ہے رُخ اُن کا اُدھر ہی جا پہونچتا ہوں
مگر ان کی نظر مجھ پر نہیں ہوتی نہیں ہوتی

نکلنے دیتے یہ کانٹے ہمیں کب دشتِ وحشت سے
کسی کے ہاتھ میں دامن کسی کے آستیں ہوتی

ہمارے دستِ وحشت کو ہماری چشمِ گریاں کو
گریباں اک نیا ہوتا نئی اک آستیں ہوتی

بھلا اے زخمِ دل اس چھوٹے منہ سے ان کے واروں پر
کبھی تو مرحبا ہوتا کبھی تو آفریں ہوتی

پتہ چلتا کہ غم میں زندگی کیوں کر گذرتی ہے
ترے قالب میں کچھ دن کو مری جانِ حزیں ہوتی
شبِ غم وہ نہیں آتے تو ہم کو موت ہی آتی
تمنا کوئی تو پوری الٰہ العالمیں ہوتی
ذرا دیکھو تو تم انصاف سے مجذوبؔ کی ہیئت
محبت کے ریاکاروں کی یہ صورت نہیں ہوتی
کرو مجذوبؔ ساری حسرتوں سے قلب کو خالی
وہ جب آتے ہیں دل میں جب کوئی حسرت نہیں ہوتی

○

گم گشتۂ حیرت کوئی مجھ سا بھی نہیں ہے
میں خود ہوں کہیں دل ہے کہیں ہوش کہیں ہے
گردش کا یہاں کچھ اثر اے چرخ نہیں ہے
جسم اپنا کہیں بھی ہو مگر دل تو وہیں ہے
یہ آج تصوّر میں مرے کون حسیں ہے
ہر مُو شجرِ طور ہے دل عرشِ بریں ہے
وہ بت ہے کبھی اور کبھی پہلو میں نہیں ہے
مجھ سا بھی کسے جنت و دوزخ کا یقیں ہے

بےکس کا دو عالم میں ٹھکانا بھی کہیں ہے
برگشتہ فلک مجھ سے ہے بیزار زمیں ہے

اک عمر سے الجھن میں مری جانِ حزیں ہے
یہ بھی ہے کوئی بات کہ ہاں ہے نہ نہیں ہے

غفلت کا نہیں وقت دمِ بازپسیں ہے
آجا کہ کوئی ہجر میں مرنے کے قریں ہے

یہ نالہ کناں کون بآوازِ حزیں ہے
دیکھو کہیں مجذوبِ غزل خواں تو نہیں ہے

جو وہم و گماں ہے اسے رتبہ ہے یقیں کا
مورد ہے گماں کا جو سزاوارِ یقیں ہے

ناصح مری حالت پہ نہ کر ہائے ملامت
کر شکر مرا دل ترے پہلو میں نہیں ہے

وہ اٹھ بھی گئے بزم سے کب کے مگر اب تک
اللہ ری حیرت جو جہاں تھا وہ وہیں ہے

آجاتے ہیں بے پردہ حسین یوں مرے آگے
جیسے مری آنکھیں ہی نہیں دل ہی نہیں ہے

ہر وقت ہے پیشِ نظر اک حسن کی دنیا
اب تو ہے جو آنکھوں میں تو ہر چیز حسیں ہے

اب میری زیارت کو چلی آتی ہے دنیا
آئینہ کسی کا یہ مرا داغِ جبیں ہے

تھا عالمِ بالا میں تو گردش میں فلک تھا
اب جب سے میں دنیا میں ہوں گردش میں زمیں ہے

سر میں مرے سودا ہے کہ ہے تاج میں گوہر
دل میں ہے مرے داغ کہ خاتم میں نگیں ہے

سب ہیچ ہیں سب ہیچ ہیں یہ عیش کے ساماں
جب تو ہی نہیں گھر میں تو پھر کچھ بھی نہیں ہے

اتنے کہیں آسودہ تہِ خاک نہ ہوں گے
محشر کے تو قابل اسی کوچہ کی زمیں ہے

فریاد کہ اک بندۂ حق کوئے بتاں میں
آوارہ دل آوارہ سر آوارہ جبیں ہے

اعدا تو پھر اعدا ہیں ملا دوست بھی ایسا
جو دشمنِ دل دشمنِ جاں دشمنِ دیں ہے

کچھ بھی نہ ہو اک تو ہو تو سب کچھ ہے مرے پاس
سب کچھ ہو مگر تو نہ ہو تو کچھ بھی نہیں ہے

پردے ہی سے ہے تابِ نظر ہم کو میسر
پردہ ہی ترا پردہ در اے پردہ نشیں ہے

رہئے تو کبھی رندوں میں اے شیخِ زمانہ
قائل ابھی حضرت کا یہ احقر تو نہیں ہے

اک شہرِ طلسمات ہے یہ عالمِ فانی
دراصل یہاں کوئی مکاں ہے نہ مکیں ہے

رہتا ہوں کسی اور ہی عالم میں شب و روز
اوپر نہ فلک ہے مرے نیچے نہ زمیں ہے

اُف عکس کشِ حسن ہیں کیسی مری آنکھیں
کھب جاتا ہے نظروں میں ذرا بھی جو حسیں ہے

مجذوبؔ بھلا یہ تو ہے غفلت کا تری حال
اور اپنے گماں میں تجھے مرنے کا یقیں ہے

کھویا ہوا تکتا ہے بس ایک ایک نظر کو
مجذوبؔ تری بزم میں ہے بھی کہ نہیں ہے

اے پیر فلک تو نے تو دیکھا ہے زمانہ
مجذوبؔ سا آوارہ بھی دُنیا میں کہیں ہے

○

کوئی مزہ مزہ نہیں کوئی ہنسی ہنسی نہیں
تیرے بغیر زندگی موت ہے زندگی نہیں

لاکھ ہنسی کی بات ہو لب پہ مگر ہنسی نہیں
غنچۂ دل بس اب مرا بہرِ شگفتگی نہیں

دل کی لگی ہے عاشقو یہ کوئی دل لگی نہیں
ہنس نہ سکوگے گو ہنسو عشق ہے یہ ہنسی نہیں
حال میں اپنے مست ہوں غیر کا ہوش ہی نہیں
رہتا ہوں میں جہاں میں یوں جیسے یہاں کوئی نہیں

یہ بھی ہے اک ادائے حسن یار کی بے رخی نہیں
برہمیٔ مزاج دوست ناز ہے برہمی نہیں
مجھ میں سبھی ہنر سہی تاب تو ضبط کی نہیں
شرط وفا وہاں یہی اور یہاں یہی نہیں

میکشو یہ تو میکشی رندی ہے میکشی نہیں
آنکھ کی تم نے پی نہیں آنکھ سے تم نے پی نہیں
اس دل زار سے مفر عشق سے جیتے جی نہیں
رونا ہے مجھ کو عمر بھر غم مرا عارضی نہیں

ٹھہرے گا دل تھمیں گے اشک آہ مگر ابھی نہیں
غم ہے یہ دل لگی نہیں رونا ہے یہ ہنسی نہیں
کچھ بھی ہو عشق میں روا اتنی بھی بدظنی نہیں
کہتے ہیں وہ ابھی نہیں سنتا ہوں میں کبھی نہیں

چھوٹے بڑے کا عشق میں دیکھا تو فرق ہی نہیں
شہ کی یہاں شہی نہیں خواجہ کی خواجگی نہیں

توبہ تو بار بار کی بات نفی اختیار کی
توبہ مگر بہار کی آہ کبھی نبھی نہیں

پیر مغاں کا دم کہاں اس کی وہ بزم جم کہاں
بادہ نہیں تو ہم کہاں زیست یہ زیست ہی نہیں

پیار کے وہ ستم کہاں جور نما کرم کہاں
جان کہاں ہے ہم کہاں موت ہے زندگی نہیں

کیا میں کہوں کہ کیا ہوں میں پتلا اک آگ کا ہوں میں
کب سے تو رو رہا ہوں میں دل کی لگی بجھی نہیں

جائیں بچشم نم کہاں روئیں اب اپنا غم کہاں
پہلا سا اب کرم کہاں ایسا تو اب کوئی نہیں

سب کا غلط ہے یہ گماں زندہ ہی اب ہوں میں کہاں
وہ جو تھا اپنا جانِ جاں پہلو میں جب وہی نہیں

دل میں اگر حضور ہو سر ترا خم ضرور ہو
جس کا نہ کچھ ظہور ہو عشق وہ عشق ہی نہیں

عشق کا حق ادا کیا حسن کا حق بھی کر ادا
عشق کا کچھ ہو مرتبہ حسن پہ برتری نہیں

پہلے تھا گریۂ و بکا اب ہے تحیّر و خفا
رنگ وہی ہے بزم کا ہاں وہ ہما ہمی نہیں

حسن کا خوش نما چمن عشق کا دل کشا چمن
سر سے ہے تا بہ پا چمن یہ مری شاعری نہیں

کیسے ہیں وہ یہ کیا خبر دیکھا ہے بھر کے کب نظر
دیکھا بہت بچشم تر رخ پہ نظر جمی نہیں

ہجر کی شب عجب ہے شب حال یہ کیا ہے العجب
تارے ہیں روشنی نہیں چاند ہے چاندنی نہیں

شیشہ ہے جام ہے نہ خم اصل تو رہ وفقیں ہیں گم
لاکھ سجا لیے ہو تم بزم ابھی سجی نہیں

زیر و زبر ابھی کہاں نظم زمین و آسماں
کیا ہے مری ابھی فغاں پی کے تو میں نے کی نہیں

ان پہ کیا نثار سر مال و زر و دل و جگر
یہ بھی نہیں ہے عشق اگر پھر کہیں عشق ہی نہیں

یادِ خدا نہ بندگی دل میں بھری ہے گندگی
یہ بھی ہے کوئی زندگی ننگ ہے زندگی نہیں

دیکھے جو خود کو عرش پر اس سے نہ قطع کر نظر
دل میں نہ ہو جو اُن کا گھر یہ کوئی چیز ہی نہیں

خندۂ لب پہ تو نہ جا دل میں ہے گریۂ و بکا
میں ہوں نمونہ ابر کا میری ہنسی ہنسی نہیں

کتنا ہی تو بڑا سہی یہ بھی ہے زاہد آگہی
سمجھے جو خود کو منتہی وہ ابھی مبتدی نہیں

حُسن کی بارگاہ ہے سہل کوئی نباہ ہے
آہ بھی اک گناہ ہے عشق ہے دل لگی نہیں

پُر ز عیوب ہوں مگر آیا ہوں میں بچشم تر
ایک یہی ہے بس ہنر اور ہنر کوئی نہیں

جس نے دیئے یہ رنج و غم کھاتا ہوں اس کی میں قسم
پی بھی تو پی بچشم نم اپنی خوشی تو پی نہیں

بادِ صبا ہو ابر ہو موسمِ نو بہار ہو
کوئی شگفتہ کر سکے ہائے یہ وہ کلی نہیں

پینے پہ پل پڑا ہوں میں سچ ہے بے خطا ہوں میں
پیاس بجھا رہا ہوں میں کب سے تو میں نے پی نہیں

تجھ میں طلب نہیں ابھی مے کی ہے ورنہ کیا کمی
سمجھا ہے جس کو تشنگی حرص ہے تشنگی نہیں

مے یہ ملی نہیں ہے یوں قلب و جگر ہوئے ہیں خوں
کیوں میں کسی کو مفت دوں مے مری مفت کی نہیں

سخت ہے کش مکش میں جاں دل بھی ہے مضطرب مرا
سچ ہے کہ ہے مرا گماں تم نے صدا تو دی نہیں

بیٹھا ہوں میں جھکائے سر نیچی کیئے ہوئے نظر
بزم میں سب سہی مگر وہ جو نہیں کوئی نہیں

دیکھنے دے تصور اب بیٹھے ہیں کب سے یوں ہی سب
سی دیئے تو نے میرے لب آنکھ تو میری سی نہیں

مال و زر و دل و جگر کر دے سبھی کو وقفِ در
بندگی اور بقیدِ سر ننگ ہے بندگی نہیں

عشق میں جان مبتلا لاکھ تو اپنا غم بڑھا
غم کی تو ہے اک انتہا حد کوئی عشق کی نہیں

دل ہے امید و بیم میں کش مکش عظیم میں
بیٹھے ہوئے حریم میں ہاں ہے کبھی کبھی نہیں

ان کی محبت آہ میں شوق بھری نگاہ میں
یعنی ابھی ہے راہ میں دل میں ابھی بسی نہیں

پاتا ہوں ان کو شک نہ کر جان سے بھی قریب تر
فرق ضرور ہے مگر حد کوئی قرب کی نہیں

ہوش نہ جانے تھا کدھر سوچا تو اب ہوئی خبر
باتیں ہزار کیں مگر دل میں جو تھی کہی نہیں

اے مرے باغ آرزو کیسا ہے باغ ہائے تو
کلیاں تو گو ہیں چار سو کوئی کلی کھلی نہیں

دل میں لگا کے ان کی لو کر دے جہاں میں نشر ضو
شمعیں تو جل رہی ہیں سو بزم میں روشنی نہیں

دہر کی اب ہے انجمن تیرہ و تار اے حسن[1]
باعث نور تو ہی بن اوروں کو فکر ہی نہیں

○

حسینوں میں دل لاکھ بہلا رہے ہیں	مگر ہائے پھر بھی وہ یاد آ رہے ہیں
غزل ہے مری اور وہ گا رہے ہیں	غضب کر رہے ہیں ستم ڈھا رہے ہیں
بہار آئی ہے اور مزے آ رہے ہیں	خم و جام و مینا بھرے جا رہے ہیں
دم نزع تکلیف فرما رہے ہیں	جو وہ آ رہے ہیں تو ہم جا رہے ہیں

---

[1] مجذوب صاحب پہلے حسن تخلص کرتے تھے۔ (مرتب)

تصور میں وہ بار بار آرہے ہیں
جھلک اپنی پردے سے دکھلا رہے ہیں

کہیں وہ تو دیکھو نہیں آرہے ہیں
کہ ہم درد دل میں کمی پا رہے ہیں

کسے دیکھ کر آج ہم آرہے ہیں
کہ آنکھوں سے انوار برسا رہے ہیں

نہ سمجھو کہ بہر طرب گا رہے ہیں
پئے گریہ ہم دل کو گرما رہے ہیں

مریض محبت ہیں اب کیا دھرا ہے
جو باقی ہیں وہ سانس آجا رہے ہیں

مرض عشق کا کیا مبارک مرض ہے
عیادت کو کیا کیا حسیں آرہے ہیں

مرے سارے شکوے کئے رد یہ کہہ کر
بجا آپ ارشاد فرما رہے ہیں

وہ آنکھیں نشیلی وہ پلکیں نکیلی
گرے جا رہے ہیں مرے جا رہے ہیں

نہیں مانتا ہے نہیں مانتا ہے
بہت دل کو ہم اپنے سمجھا رہے ہیں

ارے اُف غضب ہیں یہ آنکھیں نشیلی
سنبھالو ارے ہم گرے جا رہے ہیں

یہاں ان کو آنا نہیں ہے تو پھر کیوں
تصوّر میں آآکے ترسا رہے ہیں

میں ہوں نزع میں پھر بھی دیکھو وہ کیسے
خراماں خراماں چلے آرہے ہیں

عجب حال ہے آج اپنا کہ ساغر
لبالب ہے پھر بھی بھرے جا رہے ہیں

بہت ہی ہیں گستاخ گیسو تمہارے
ہٹاتے ہو پھر بھی یہ منہ آرہے ہیں

جدھر جذب ہم کو لئے جا رہا ہے
کئے بند آنکھیں چلے جا رہے ہیں

یہ سب سوچ کر دل لگایا ہے ناصح
نئی بات کیا آپ فرما رہے ہیں

کہاں صوفیو وہ سماعِ بزرگاں
یہ جھگڑے ہیں جو تم کو وجد آرہے ہیں

بنو نغمہ سنج احادیث و قرآں
یہی گیت سارے سلف گا رہے ہیں

مجھے یاس کیوں ہو کہ وہ دل میں بیٹھے | برابر تسلّی دیتے جا رہے ہیں
کیا جب کبھی یاد مجذوب اُن کو | تو کیا دیکھتا ہوں کہ وہ آ رہے ہیں

میں مجذوب ہوں کچھ سمجھتے تو ناصح
بھلا آپ بھی کس کو سمجھا رہے ہیں

○

جو تیری یاد فرقت میں مری دمساز بن جائے | تو میرے دل کی ہر دھڑکن تری آواز بن جائے
بگڑ جائے بلا سے یا مرا آغاز بن جائے | کسی صورت مگر انجام اے ہمراز بن جائے
نیاز عشق جب اے حسن تیرا ناز بن جائے | تو پھر یہ بندگی میری نہ کیوں اعزاز بن جائے
دل ناکام کا کام اے نگاہِ ناز بن جائے | جو تو چھیڑے تو یہ میرا شکستہ ساز بن جائے
ترس کچھ آ چلا صیاد کو ہاں پھڑپھڑائے جا | یہ شاید صورت پرواز ہی پرواز بن جائے
نمایاں ہو نہ چہرے سے نہ آنکھوں سے نہ باتوں سے | محبت راز اندر راز اندر راز بن جائے
جو میں ڈالوں نگاہیں حسن میں سب جذب ہو جائیں | کوئی تو ناز بن جائے کوئی انداز بن جائے
حرم سے کرتا ہے کس رند کو شیخ حرم خارج | جہاں میں بیٹھ جاؤں جلوہ گاہِ ناز بن جائے
مسیحا ہو قضا ہو یاس ہو امید ہو وہ ہوں | کوئی تو چارہ سازِ خاطر ناساز بن جائے
نہ اُف بھی میں نے کی پھر بھی جفا کا تیری شہرہ ہے | مرا کیا اب خموشی بھی اگر آواز بن جائے
جو نغمہ چھیڑ دے مطرب تو آ تنا محو ہو جاؤں | کہ میرا ساز ہستی نغمۂ بے ساز بن جائے
رہے سوزاں تو پھر یہ شمع کر لے انجمن پیدا | رہے قائم تو پھر یہ سوز میرا ساز بن جائے
اگر سینے سے نکلے ساتھ لے کر دل کی آہوں کو | مری آواز پھر تو صور کی آواز بن جائے

اگر ہو جائے کامل تا بہ گلشن لے اڑے مجھ کو
یہ میری حسرت پرواز ہی پرواز بن جائے

ترے راز نہاں کھلنے کی صورت ہو تو کیوں کر ہو
ترا راز آشنا جب خود سراپا راز بن جائے

مجھے اے مطرب خوش گو جو مثل ساز تو چھیڑے
مری آواز بھی پھر تو تری آواز بن جائے

جو تو چکھے تو یہ تیرا لب بے کیف اے واعظ
لب ساغر سے مل مل کر لب اعجاز بن جائے

مزا اے حسن جب ہے، عشق کا بھی کیف ہو تجھ میں
کہ پھر تو تیر و نشتر تیرا ہر انداز بن جائے

ہلا دو عرش الٹ دو فرش ابھی اے ناتوانو تم
اگر تم سب کی آوازوں کی اک آواز بن جائے

کبھی میں تجھ کو چھیڑوں اور کبھی تو مجھ کو چھیڑ اے دل
کبھی میں ساز بن جاؤں کبھی تو ساز بن جائے

ہے اب مجذوب معیار محبت پہلے مجنوں تھا
کوئی عشق ایسی شے ہے جس کا اک انداز بن جائے

یہی ہے رنگ اگر مجذوب کی مستانہ غزلوں کا
عجب کیا ہند کا یہ حافظ شیراز بن جائے

○

کیا جانیں کس انداز سے ظالم نے نظر کی
حالت ہی دگرگوں ہے مرے قلب و جگر کی

پھنکتا ہوں شب و روز پڑا بستر غم پر
ہوتی ہے بری ہائے لگی آگ جگر کی

کاٹے نہیں کٹتا تری فرقت کا زمانہ
ہوتی نہیں اب شام جو مر مر کے سحر کی

اغیار سے ہنس ہنس کے کیا کرتے ہیں باتیں
پروا ہی انہیں کیا ہے کسی دیدۂ تر کی

انداز تغافل بھی تو دلکش ہے تمہارا
جھٹ پھیر لیا منہ کو جو بھولے سے نظر کی

ہر لحظہ نگہ کر کے گراتے رہے بجلی
اچھی یہ رعایت ہے مرے سوز جگر کی

سب چھوڑ دیں اس کشتۂ غفلت کو خدا پہ
نازاں کا بڑھا اور بھی میں نے جو خبر کی

○

کوئی محرم نہیں سب حال مرا راز میں ہے
ناشنیدہ ہے وہ نغمہ جو مرے ساز میں ہے

کوئی ہو بندہ ترا اک نگہ ناز میں ہے
جانے کیا سحر تری چشم فسوں ساز میں ہے

مجھ کو جو نوحۂ غم میں ہے وہی ساز میں ہے
گوش زد تیری ہی آواز ہر آواز میں ہے

بے خودِ شوق یہاں جلوہ گہ ناز میں ہے
طور پر بحث ابھی صورت و آواز میں ہے

عشق پروانہ کا انجام بھی آغاز میں ہے
اس کا ہر مرحلہ طے ایک ہی پرواز میں ہے

جان رگ رگ سے کھنچی آتی ہے کانوں کی طرف
کس قیامت کی کشش اُف تری آواز میں ہے

بات کو تم نے بڑھا رکھا ہے ناحق اِتنا
فیصلہ ایک نگاہِ غلط انداز میں ہے

یوں تو اس پیکرِ ہستی میں مرے کچھ بھی نہیں
کوئی مطرب ہو تو ہر نغمہ مرے ساز میں ہے

کر نظر دل پہ مرے قولِ انا الحق پہ نہ جا
صورتِ عجز مرے آئینۂ ناز میں ہے

میں بنا خاک سے کیوں خاک میں ملنے کے لئے
میرا انجام بھی مضمر مرے آغاز میں ہے

تیری خاطر سے میں ہر بات پہ چپ ہوں ورنہ
ایک ہنگامہ مری طبعِ سخن ساز میں ہے

پر شکستہ نہ سمجھ بلبلِ قدسی ہوں میں
پرِ جبریل مرے بازوئے پرواز میں ہے

کھنچ رہی ہیں جو رگیں نزع کے عالم میں مری
طائرِ روح مرا کوشش پرواز میں ہے

وہ مزا ہے مرے نالوں میں جو نغموں میں نہیں
کیفِ صد ساز مری خاطرِ ناساز میں ہے

ناحق الزام انا الحق کا ہے منصور کے سر
لب پہ مطرب کے جو نغمہ ہے وہی ساز میں ہے

گھر نہ جانے دیا بارش نے تو جھنجلائیں نہ آپ　　بس کسی کا کوئی سامان خدا ساز میں ہے

ہچکیاں بھی مری سن لو مرے نالے تو سنے　　ہر واک نغمہ ابھی اور مرے ساز میں ہے

لاکھ اٹھا اب کہیں اٹھتا ہے یہ مجذوب کا سر

سجدہ مچلا ہے ترے در پہ جبیں ناز میں ہے

○

بن پڑا کوئی نہ عنوانِ بیانِ دردِ دل　　بے زبانی ہی بنی آخر زبان دردِ دل

رات دن ہے اک ہجومِ طالبانِ دردِ دل　　خانقاہِ اشرفی ہے یا دکان دردِ دل

خانقاہِ اشرفی ہے لامکانِ دردِ دل　　ذرہ ذرہ ہے یہاں کا اک مکان دردِ دل

اضطرابِ دل جو ہو شایانِ شانِ دردِ دل　　دل رہے باقی نہ پھر نام و نشان دردِ دل

راز اندر راز ہے رازِ نہانِ دردِ دل　　دردِ دل ہے جانِ دل جانان ہے جان دردِ دل

کوئی اہلِ دل نہ کوئی رازدانِ دردِ دل　　دل کی دل ہی میں رہے گی داستانِ دردِ دل

ہر طرف سے آ رہے ہیں طالبانِ دردِ دل　　یہ مری آہ و فغاں ہے یا اذانِ دردِ دل

کچھ نہیں مقبول ہے جز ارمغانِ دردِ دل　　ہے مرا پیرِ مغاں بس قدردان دردِ دل

یہ ہوا ثابت بوقتِ امتحانِ دردِ دل　　دردِ دل سمجھے تھے جس کو تھا گمان دردِ دل

صورتِ انجم ہیں میری آہ کی چنگاریاں　　اور مرا دودِ فغاں ہے آسمانِ دردِ دل

کیوں مرے اشک مسلسل رہتے ہیں ہر دم رواں

جستجو میں کس کی ہے یہ کاروان دردِ دل

○

جذبِ دل سے آرزوئے دل عجب مشکل میں ہے
بارہا یہ دل سے نکلی پھر بھی دل کی دل میں ہے

کیا کروں یارب کدھر جاؤں کشاکش دل میں ہے
اِک کشش گرداب میں ہے اِک کشش ساحل میں ہے

کوئی حسرت ہے نہ اب کوئی تمنّا دل میں ہے
شکر ہے اب عشق اپنا آخری منزل میں ہے

سوزِ حسرت کے سوا بس اور کیا اب دل میں ہے
اِک یہی تو شمع اِس اجڑی ہوئی محفل میں ہے

پار لگ کر بھی ہنوز اے ناخدا ڈر دل میں ہے
دیر سے ساحل پہ ہوں اور اب بھی شک ساحل میں ہے

خیر تیری یاد کی ہر دم جو میرے دل میں ہے
اِک یہی مشکل کُشا بس میری ہر مشکل میں ہے

جلوہ گر کس شان سے اُمّید میرے دل میں ہے
اب تو میرا حال ہی بس حکم مستقبل میں ہے

اِک مسلسل کیفِ ذوق و شوقِ منزل دل میں ہے
خیر یہ مقصد تو حاصل سعیِ لاحاصل میں ہے

کر رہے ہیں عرض سب جس جس کے جو جو دل میں ہے
وہ سنیں کس کس کی کیا کیا جان اِک مشکل میں ہے

کس غضب کی ہائے تنگی قیدِ آبِ گل میں ہے
دل بھی ہے اِک کش مکش میں جان بھی مشکل میں ہے

گھر پہ رکھ کر آئے مبتنی عقل جس عاقل میں ہے
سوچ کر رکھے قدم مجذوبؔ اس محفل میں ہے

حوضِ کوثر موجزن پیر مغاں کے دل میں ہے
کس میں ہے جو بات میرے مرشدِ کامل میں ہے

سب کا منظورِ نظر ہے جاگزیں ہر دل میں ہے
عشق بھی مجذوبؔ کا اب حُسن کی منزل میں ہے

ہو بہو منظر نظر میں اور تصور دل میں ہے
گو نہیں ہے پھر بھی مجذوبؔ آپ کی محفل میں ہے

قطع راہِ عشق ہو لے راہ رو ممکن نہیں
اک سفر ہے تا بہ منزل اک سفر منزل میں ہے

یوں تو ہے اکثر دلوں میں آمد و رفت آپ کی
دیکھنا لیکن جو ہے وہ یہ کہ گھر کس دل میں ہے

ایک سے ہے ایک بڑھ کر گو تمنا دل فریب
کیا تمنا اب ہو جانِ ہر تمنا دل میں ہے

کوئی مطرب رات دن پردہ میں ہے مضراب زن
راز میری نغمگی کا اضطراب دل میں ہے

ہوش کس کو ہے یہاں بیٹھے ہیں سب کھوئے ہوئے
کوئی کیا جانے کہاں ہے جو تری محفل میں ہے

رقص میں تیغ ادا ہے وجد میں تیرِ قضا
آج کس بسمل کی آمد کوچۂ قاتل میں ہے

ساری مردہ آرزوئیں پھر سے زندہ ہو گئیں
جب سے تم آئے ہوا اک حشرِ تمنا دل میں ہے

مشکلیں کس خوگرِ مشکل پہ ڈالی ہیں فلک
مشکل آسانی میں آسانی مجھے مشکل میں ہے

روح مثلِ شعلۂ جوالہ رقصاں ہے مری
کس مزے کی ہائے سوزش داغ ہائے دل میں ہے

ہو خدا ہی ناخدا میرا تو بیڑا پار ہو
اب مری کشتیِ دل اک بحرِ بے ساحل میں ہے

عیب بھی جب حسن میں آیا تو خوبی ہو گیا
داغ بھی ہے وہ درخشاں جو مہ کامل میں ہے

کیا ہوا ناری ہے نار عشق سے عاری ہے تو
اور یہ آتش، مدعا آدم کی آب و گل میں ہے

وہ نہیں آتے نہ آئیں تا بہ کے اب انتظار
آج کر ڈالیں گے ہم بھی جو ہمارے دل میں ہے

بند کروا ہیں نہ منہ مجذوبؔ کا بکنے بھی دیں
اک اسی کے دم سے رونق آپ کی محفل میں ہے

بس ارے بس روک اپنے جذب کو مجذوبؔ روک
عشق بھی ہے کش مکش میں حسن بھی مشکل میں ہے

رہ نہ یوں غفلت میں اے مجذوبِ مجنوں ہوشیار
دل پہ ہر دم رکھ نظر لیلیٰ اسی منزل میں ہے

غیر اور مجذوبؔ کی بابت میں کر دوں فیصلہ
فرق بس ان میں وہی ہے جو زبان و دل میں ہے

دوست دشمن سب ترے مجذوبؔ قائل ہیں مگر
کوئی قائل ہے زباں سے کوئی قائل دل میں ہے

○

کیا ہو گئے ہیں بیعت پیر مغاں سے ہم
باتیں زمیں پہ رہ کے کریں آسماں سے ہم

لائے مجھے ایسی کیا تڑپ اِس آستاں سے ہم
اک جست میں نکل گئے ہفت آسماں سے ہم

لپٹے ہیں نقش بن کے ترے آستاں سے ہم
مٹ جائیں گے مگر نہ ٹلیں گے یہاں سے ہم

کچھ بھی نہ پا سکے انھیں وہم و گماں سے ہم
دیکھیں جو اُن کو لائیں وہ آنکھیں کہاں سے ہم

واقف نہیں ہیں اور تو سود و زیاں سے ہم
چھوڑا جہاں تو مل گئے جانِ جہاں سے ہم

کہتے ہیں رنگِ رخ سے نظر سے زباں سے ہم
قاصر ہیں پھر بھی درد کی شرح و بیاں سے ہم

کھل جائے یہ زباں تو کہیں نوحہ خواں سے ہم
گزریں جو جان سے تو ملے جانِ جاں سے ہم

منصور خوش نہیں ترے طرزِ بیاں سے ہم
گو تو بھی کہہ رہا ہے وہیں سے جہاں سے ہم

اے دل رہے کہیں کے نہ عشقِ بتاں سے ہم
دنیا رہی نہ دیں، گئے دونوں جہاں سے ہم

خوش ہیں بہار سے نہ ہیں ناخوش خزاں سے ہم
وابستہ سب تو باغ سے ہیں باغباں سے ہم

کہہ لیتے ہیں سب آنکھوں ہی آنکھوں میں حالِ دل
کہنے کو یوں تو کچھ نہیں کہتے زباں سے ہم

کیا چیز عشق ہے کسی مستِ شباب کا
گو پیر ہو گئے ہیں مگر ہیں جواں سے ہم

اشکِ رواں بدیدہ و میخانہ در بغل
لے آئے سب کچھ آج تو پیرِ مغاں سے ہم

آہِ رسا نے آج تو واصل بنا دیا
دیکھا! کہاں پہنچ گئے دم میں کہاں سے ہم

بھٹکی ہوئی نظر ہے تو بہکے ہوئے قدم
دیکھا ہے کس کو آتے ہیں جانیں کہاں سے ہم

مطلب کے سب ہیں سب کو بس اب آزما چکے
ملتے ہیں مہرباں سے نہ نامہرباں سے ہم

یہ داغِ سجدہ داغِ غلامی ہے آپ کا
پہچانے اب تو جاتے ہیں بس اس نشاں سے ہم

بیٹھے ہیں سب کو چھوڑ کے اب یادِ یار میں
ہم سے خفا جہاں ہے خفا ہیں جہاں سے ہم

کر دے دعا کہ فکرِ سخن سے نجات ہو
بس داد چاہتے ہیں یہی قدرداں سے ہم

بس کہ یہ داغ دل کا کھرا ہو خدا کرے
بس لے چلے ہیں اک یہی تحفہ جہاں سے ہم

بے تابِ شوقِ منزلِ جاناں تھے کس قدر
آگے تڑپ کے ہو گئے عمرِ رواں سے ہم

اپنا وجودِ ہستیِ موہوم ہو گیا
رہتے ہیں لو لگائے جو اک بے نشاں سے ہم

جاتا نہیں ہے بھول کے بھی اس طرف خیال
بیگانہ کتنے ہو گئے اب آشیاں سے ہم

رخصت کا میری ہائے وہ حسرت بھرا سماں
روئے لپٹ لپٹ کے ترے آستاں سے ہم

رہتے ہیں باغ باغ خزاں ہو کہ ہو بہار
چنتے ہیں پھول کس چمنِ بے خزاں سے ہم

دن رات یادِ گل میں ہیں رنگیں نوائیاں
آزاد ہیں غمِ قفس و آشیاں سے ہم

مجذوبؔ کہنا چھوڑ دیں اپنے کو اے بتو
تڑپا نہ دیں جو درد بھری داستاں سے ہم

مجذوبؔ کا مقابلہ سودائے خام ہے
لا سکتے ہیں بھلا یہ مضامیں کہاں سے ہم

○

سکوں دشمن تلاطم آشنا دل ہوتا جاتا ہے
وفورِ موج سے گرداب ساحل ہوتا جاتا ہے

بمقدارِ جنوں مجذوبؔ عاقل ہوتا جاتا ہے
کہ ہوش اپنا تو زائل ان کا حاصل ہوتا جاتا ہے

ادھر ہر گام پر گم کردہ منزل ہوتا جاتا ہے
بفیضِ جذب ادھر مجذوبؔ واصل ہوتا جاتا ہے

وفورِ غم سے اب احساس باطل ہوتا جاتا ہے
سکونِ دل کا باعث خود غمِ دل ہوتا جاتا ہے

تماشا گاہِ الفت کوئے قاتل ہوتا جاتا ہے
جو واصل ہوتا جاتا ہے وہ بسمل ہوتا جاتا ہے

خموشی کی طرف مجذوبؔ مائل ہوتا جاتا ہے
جو سر تا پا زباں تھا سر بسر دل ہوتا جاتا ہے

کسی کے حسن میں اب عشق شامل ہوتا جاتا ہے
بقدرِ مہر ظالم اور قاتل ہوتا جاتا ہے

بہ تائید خدا اب جوش زائل ہوتا جاتا ہے
بہ فیض ناخدا گرداب ساحل ہوتا جاتا ہے

مری نظروں میں بے وقعت مرا دل ہوتا جاتا ہے
حقیقت میں یہ اب وقعت کے قابل ہوتا جاتا ہے

نگاہ خلق میں دنیا کی رونق بڑھتی جاتی ہے
مری نظروں میں پھیکا رنگ محفل ہوتا جاتا ہے

کہیں چھوٹے گا تنہائی یہ شوق بزم آرائی
کہ خلوت خانۂ دل بھی تو محفل ہوتا جاتا ہے

ذرا دیکھے تو مجنوں شانِ مستانہ روی میری
غبارِ رہ کا ذرہ ذرہ محمل ہوتا جاتا ہے

اب اُن کی کس قدر نازک مزاجی بڑھتی جاتی ہے
وہاں اب سانس لینا بھی تو مشکل ہوتا جاتا ہے

خدا پر چھوڑ دو چارہ گرو اب مرحلہ میرا
تم آساں کرتے جاتے ہو یہ مشکل ہوتا جاتا ہے

قدم مجذوب کے رُکتے نہیں بڑھتے ہی جاتے ہیں
رفیق اِک اِک جدا منزل بمنزل ہوتا جاتا ہے

○

میں روسیاہ جلوہ گہ بے حجاب میں
یہ جاگتے میں دیکھ رہا ہوں کہ خواب میں

رحمت جھلک رہی ہے گرجتے سحاب میں
پنہاں نوازشیں ہیں کسی کے عتاب میں

یہ رُنمائیاں تری ظالم شباب میں
سینوں سے دل نکل نہ پڑیں اضطراب میں

اُو بے نقاب جلد چھپا منہ نقاب میں
تو اور غیر کی نظرِ انتخاب میں

یہ جوشِ اشک ہے، مری چشم پر آب میں
یا بھر دیا ہے عشق نے دریا حباب میں

ڈوبے گا تو کبھی محتسب اس احتساب میں
غوطے لگا رہی ہیں نگاہیں شراب میں

کیوں اتنا اہتمام ہے راحت کے باب میں
رہنا ہی کتنے دن ہے جہانِ خراب میں

ساقی نہیں تو کچھ نہیں بزمِ شراب میں
فرحت شراب میں ہے نہ لذت کباب میں

او ہنس کے منہ کو ڈھانپنے والے نقاب میں
سو التفات ہیں ترے اس اجتناب میں

جو آب و تاب ہے مرے جام شراب میں
وہ ماہتاب میں ہے نہ وہ آفتاب میں

کچھ عذر ہے نہ معذرت ان کی جناب میں
بس دم بخود کھڑا ہوں میں لطف عتاب میں

اب کیا ہے لاکھ منہ کو چھپاؤ نقاب میں
اب تو سما گئے نظرِ انتخاب میں

مجذوبؔ کی تو چشم حقیقت مآب میں
کچھ امتیاز ہی نہیں ہستی و خواب میں

مجذوبؔ کب ہے دائرۂ احتساب میں
کیا امتیاز اس کو ہے آب و شراب میں

پینے سے کیا بجھے گی بلا کی ہے تشنگی
ساقی مجھے تو آج ڈبو دے شراب میں

اب نشہ منحصر نہیں اپنا شراب پر
کیف شراب اب ہمیں حاصل ہے آب میں

حق جانتے تو ہیں وہ مگر مانتے نہیں
ضد ہے جناب شیخ تقدس مآب میں

غصہ کریں ہزار وہ اے دل برا نہ مان
صدہا نوازشیں ہیں نہاں اس عتاب میں

آنے نہ پاؤں تا کہ میں مطلب کی بات پر
الجھا دیا ہے مجھ کو سوال و جواب میں

اپنے پہ اعتماد تھا حق پر نہ تھی نظر
بس یہ کمی تھی کوشش ناکامیاب میں

بدتر ہے موت سے بھی ہمیں عشق میں سکوں
وہ وہ اٹھائے ہم نے مزے اضطراب میں

جب آشیاں کو میں نے سپرد قضا کیا
کیا کیا تڑپ کے رہ گئی بجلی سحاب میں

سمجھا بجھا کے لائے خرابے میں شیخ کو
ساقی ملا دے آج تو زمزم شراب میں

رندو تمہاری طرح ہو رسوا مری بلا
مستی نہیں سرور ہے میری شراب میں

دل میں جو کیف ہے تو ہر اک شے میں کیف ہے
بزم جہاں میں ہوں کہ میں بزم شراب میں

تُن تُن سنی کہ سینے میں پیدا ہوئی جلن
یہ راگ ہے کہ آگ ہے چنگ و رباب میں

زاہد بُرائی عُجب و ریا میں نہ کبر میں
جو کچھ بھی ہے بُرائی تو بس اک شراب میں

مَیلان ہے جبھی تو بتوں سے گریز ہے
مضمر ہے التفات مرے اجتناب میں

اتنے خفا جو مجھ سے ہیں سچ کہئے شیخ جی
ایسے ہی کیا تھے آپ مقدس شباب میں!

میری رگوں میں ہے مئے احمر بجائے خوں
ڈوبا ہوا ہوں سر سے قدم تک شراب میں

سچ پوچھئے تو دونوں حقیقت میں ایک ہیں
لفظوں کا صرف فرق ہے حسن و شباب میں

پردے تو اپنے پرتو رخ پر ہزار ڈال
سب ہیچ ہیں یہ اک نگر کامیاب میں

بے اختیار شیخ کی بھی اٹھ گئی نظر
کس درجہ اُف کشش ہے کسی کے شباب میں

فکرِ عمل ہو لاکھ، نہیں قوتِ عمل
قدرِ شباب ہم نے نہ کی کچھ شباب میں

عشاق تھے ہزار مگر واہ ری نگاہ
مجذوب ہی جچا نظرِ انتخاب میں

مجذوب سے لذائذ مستیِ عشق پوچھ
کیفیتیں کہاں ہیں یہ کیف شراب میں

پیری میں بھی وہ شان ہے مجذوبِ مست کی
جیسے ہو بانکپن کسی مست شباب میں

مہر و وفا اجی[1] پس مجذوب اب کہاں
یہ خوبیاں تو تھیں اسی خانہ خراب میں

○

آ گئیں یاد وہ آنکھیں مجھے پیمانوں سے
غم مرا اور بڑھا عیش کے سامانوں سے

بڑھ گیا ربط کچھ ایسا مرا بیگانوں سے
کچھ تعلق ہے نہ اپنوں سے نہ بیگانوں سے

بھاگتا ہے دل سوزاں عبث ارمانوں سے
جس جگہ شمع گئی گھر گئی پروانوں سے

---

[1] حضرت مجذوبؒ روزمرہ گفتگو میں یہ لفظ بطور خاص استعمال فرمایا کرتے تھے (مرتب)

حسن کے راز کو پوچھے کوئی حیرانوں سے | عشق کے رمز کو سمجھے کوئی دیوانوں سے

اجنبیت نہیں دل کو ترے پیکانوں سے | کچھ وہ گھل مل گئے ایسے مرے ارمانوں سے

جھک گئی بزم کچھ ایسی ترے پیمانوں سے | آج سر ہی نہیں اٹھتے ہیں گریبانوں سے

دل جو ملتا ہے تو بس سوختہ سامانوں سے | انس اگر کچھ ہمیں ہوتا ہے تو ویرانوں سے

اپنے گلزار کی جا خیر منا بادِ بہار | چھیڑ اچھی نہیں ہم سوختہ سامانوں سے

کیا پلائے گا ہمیں گھونٹ لہو کے ساقی | خون چھلکتا ہے تری چشم کے پیمانوں سے

کوئی تدبیر بھی چلتی ہے سیہ بختی میں | زلف پر خم بھی سلجھتی ہے کہیں شانوں سے

اہلِ بزم آ کے اب اے شمع کہاں بیٹھیں گے | پہلے ہی بھر گئی محفل ترے پروانوں سے

بل کی لیتی ہی رہے شانوں کی حد سے نہ بڑھے | زلف سے کہہ دو نہ الجھے وہ پریشانوں سے

غم تو ہیں سینکڑوں دیں دل میں جگہ کس کس کو | اب تو ہم آ گئے تنگ آپ کے مہمانوں سے

جلوہ افروز ہے ہر شمع میں جلوہ تیرا | کوئی محفل نہیں خالی ترے پروانوں سے

بار بار آئیں نہ کیوں ڈھونڈھنے دل میں تیرے | تیر بچھڑے تھے تمہارے یہیں پیکانوں سے

چاہیئے کوئی بہانہ ہمیں رونے کے لئے | آنکھ بھر آئی چھلکتے ہوئے پیمانوں سے

اہل ظاہر نہیں سمجھے تجھے اے سادہ جمال | کوئی اس حسن کو پوچھے ہم ادا دانوں سے

شوق[1] سے مٹھیاں بھر بھر کے مجھے مٹی دی | آج تو لاد دیا آپ نے احسانوں سے

آپ سا حور لقا آپ سا شیریں گفتار | اپنی آنکھوں سے نہ دیکھا نہ سنا کانوں سے

کس قدر ہوش ربا ہوتا ہے پُر درد کلام
پوچھیے گفتۂ مجذوبؔ کے دیوانوں سے

---

[1] مولوی عبدالوحید خاں صاحب کا انتہائی پسندیدہ شعر ہے۔ (مرتب)

جو چپ بیٹھوں تو اک کوہِ گراں معلوم ہوتا ہوں
جو لب کھولوں تو دریائے رواں معلوم ہوتا ہوں
دمِ گفتار شاخِ گل فشاں معلوم ہوتا ہوں
بوقتِ خامشی آتش بجاں معلوم ہوتا ہوں
جو ہوں دراصل صورت سے کہاں معلوم ہوتا ہوں
بہارِ بے خزاں ہوں گو خزاں معلوم ہوتا ہوں

الگ سب سے ہوں سب کے درمیاں معلوم ہوتا ہوں
کہاں پہنچا ہوا ہوں میں کہاں معلوم ہوتا ہوں
بظاہر تو میں رسوائے جہاں معلوم ہوتا ہوں
دمِ مستی مگر شاہِ شہاں معلوم ہوتا ہوں
شریکِ بزمِ رنداں ہوں مگر از روئے کیفیت
شریکِ محفلِ روحانیاں معلوم ہوتا ہوں

بھٹکتے ہیں جو سر آنکھوں پہ سب اس سے خوشی کیا ہو
کسی کی طبعِ نازک پر گراں معلوم ہوتا ہوں
تصور نے کسی کے میری دُنیا ہی بدل ڈالی
کہاں معلوم ہوتا تھا کہاں معلوم ہوتا ہوں

بظاہر ایک قطرہ ہوں مگر اے زاہد خود بیں
جو میں پی لوں تو بحرِ بے کراں معلوم ہوتا ہوں

سراپا غم تو ہوں لیکن سراپا ضبط بھی ہوں میں
نہ سمجھو شادماں گو شادماں معلوم ہوتا ہوں

میں ہوں ہم بزمِ اہلِ دل بھی اور ہم بزمِ رنداں بھی
وہاں محسوس ہوتا ہوں یہاں معلوم ہوتا ہوں

نیاز و ناز کی دنیا میں جس دم جا پہنچتا ہوں
تو آزادِ زمین و آسماں معلوم ہوتا ہوں

یہ کنجِ تنگ و تاریک اپنا کیا ہے کوئی کیا جانے
یہاں تو میں مکینِ لامکاں معلوم ہوتا ہوں

دمِ تیغ آزمائی کھلتے ہیں فولاد کے جوہر
میں جو کچھ ہوں بوقتِ امتحاں معلوم ہوتا ہوں

ابھی میں رازداں ہونے سے کوسوں دور ہوں لیکن
ابھی آثار سے میں رازداں معلوم ہوتا ہوں

کسی کی یاد نے کیا رفتہ رفتہ کر دیا مجھ کو
بس اب اک پیکرِ وہم و گماں معلوم ہوتا ہوں

نہ میخانہ میں مجھ کو دیکھ کر بدظن ہو اے واعظ
وہاں اے بے خبر کب ہوں جہاں معلوم ہوتا ہوں

نگاہ غور جب میں ڈالتا ہوں اپنی ہستی پر
تو اک چھوٹا سا خود اپنا جہاں معلوم ہوتا ہوں

میں سر سے تا قدم اک درد کی تصویر ہوں گویا
خموشی میں بھی سرتا پا فغاں معلوم ہوتا ہوں

جو تھے اسرار مخفی عشق کے سب میں نے کہہ ڈالے
جو اہلِ دل ہیں میں ان کی زباں معلوم ہوتا ہوں

بلند اتنی ہے پروازِ نظر کس کی کہ پہچانے
میں ہوں عرش آشیاں بے آشیاں معلوم ہوتا ہوں

جنوں عارض ہے فرطِ غم سے گو اب غم کا پردہ ہے
سراپا غم ہوں لیکن شادماں معلوم ہوتا ہوں

مرا مرقد زیارت گاہِ جملہ اہلِ بنیش ہے
میں مٹ کر بھی نشانِ بے نشاں معلوم ہوتا ہوں

میں ہوں رہرو طریقِ جذب کا اے بے خبر سالک
تجھے سرگرمِ سعیِ رائیگاں معلوم ہوتا ہوں

سراپا ہوں میں گوش ہوش اے مجذوب باطن میں
بظاہر گو میں سرتا پا زباں معلوم ہوتا ہوں

نہ میری بڑ پہ جا مجذوب کی پہچان پیدا کر
سراپا دل ہوں سراپا زباں معلوم ہوتا ہوں

میں خرابِ بادۂ وساغر رہا　　دل فدائے ساقیِ کوثر رہا

گو مرے درپے عدو اکثر رہا　　جو مری قسمت کا تھا مل کر رہا

لب پہ ذکرِ زمزم و کوثر رہا　　دل میں شوقِ بادہ و ساغر رہا

سب وہاں خوں روئے میں ششدر رہا　　سب بنے یاقوت میں پتھر رہا

میں وہاں گو بے زباں بن کر رہا　　دل میں اک ہنگامۂ محشر رہا

گو وہ گُل پیشِ نظر دم بھر رہا　　دل میں برسوں اک عجب منظر رہا

قولِ حق تھا جو وہی لب پر رہا　　حلق میرا گو تہِ خنجر رہا

کچھ نہ ہوش کوچۂ دلبر رہا　　کیوں رہا کب تک رہا کیوں کر رہا

گو مرا دشمن زمانہ بھر رہا　　مجھ پہ فضلِ خالقِ اکبر رہا

تیری چوکھٹ پر نہ خم جو سر رہا　　سربسر مستوجبِ خنجر رہا

وہ تو ہر لحظہ کرم گستر رہا　　دل ہی یہ کم بخت غم پرور رہا

باغِ عالم دشت سے بدتر رہا　　سر میں سودا پاؤں میں چکر رہا

کیا کہوں دُنیا میں میں کیوں کر رہا　　عمر بھر جینا مجھے دوبھر رہا

جسم بے حس بے شکن بستر رہا　　میں نئے انداز سے مضطر رہا

کون سوزِ عشق میں بڑھ کر رہا　　غیرِ پروانہ، میں خاکستر رہا

گو بلا سے میں تہِ خنجر رہا　　سامنے اُن کا رُخِ انور رہا

سنگِ در کا تکیہ زیرِ سر رہا　　سایۂ دیوار کا بستر رہا

جلوہ فرما دیر تک دلبر رہا　　سب نے کہہ لی اپنی میں ششدر رہا

حالِ دل کہنے کی جرأت کب ہوئی — داخلِ دفتر ہی یہ دفتر رہا

آستاں بوسِ صنم دُنیا رہی — سنگِ اسود اس کا سنگِ در رہا

رُخ کیا میں نے جو دُنیا کی طرف — صاحبِ زر بندۂ بے زر رہا

دیکھنے والوں کے دل گھائل ہوئے — زخم بھی اس تیر کا نشتر رہا

سب چمن والوں نے تو لوٹی بہار — اور مجھے صیاد ہی کا ڈر رہا

تھم گئے آنسو رہی دل میں جلن — نم رہیں آنکھیں کلیجہ تر رہا

عمر بھر پھرتا رہا میں در بدر — مر کے بھی چرچا مرا گھر گھر رہا

وہ بلا لیتے یہ تھی قسمت کہاں — ذکر میرا بزم میں اکثر رہا

سب پڑھا لکھا میں بھولا یک قلم — اک سبق ہاں عشق کا ازبر رہا

میں رہا تو باغِ ہستی میں مگر — بے نوا، بے آشیاں، بے پر، رہا

کیسے کیسے بت رہے پیشِ نظر — اللہ اللہ روز و شب لب پر رہا

یاد کر بلبل کبھی وہ دن بھی تھے — میں بھی تیرا ہم نوا اکثر رہا

نفس نے مجھ کو دیئے کیا کیا سبق — رہزنِ عالم مرا رہبر رہا

کوئی سمجھا رند کوئی متقی — لب پہ توبہ ہاتھ میں ساغر رہا

سینکڑوں فکریں ہیں تم کو عاقلو — تم سے تو مجذوبؔ ہی بہتر رہا

کیوں رہا مجذوبؔ بے غم مجھ سے سُن
بے غرض، بے مدعا، بے زر، رہا

یہ دنیا اہلِ دنیا کو بسی معلوم ہوتی ہے
نظر والوں کو یہ اُجڑی ہوئی معلوم ہوتی ہے

حجاب اوروں کو دنیا کے دنی معلوم ہوتی ہے
مجھے ہر سو تری جلوہ گری معلوم ہوتی ہے

مجھے ہر دم اجل سر پر کھڑی معلوم ہوتی ہے
مری ہر سانس مجھ کو آخری معلوم ہوتی ہے

نہ مژگاں تر نہ آنکھوں میں نمی معلوم ہوتی ہے
اُنہیں اِس دل کے رونے پر ہنسی معلوم ہوتی ہے

محبت ابتدا میں بےبسی معلوم ہوتی ہے
مگر آخر میں یہ شاہنشہی معلوم ہوتی ہے

تری تصویر سی ہر سو کھنچی معلوم ہوتی ہے
تصوّر کی یہ سب صورت گری معلوم ہوتی ہے

یہ کے دن کی بہار باغ ہے کے دن کی ہے رونق
مجھے پھولوں کے ہنسنے پر ہنسی معلوم ہوتی ہے

نہ جائیں میری اس خندہ لبی پر دیکھنے والے
کہ لب پر زخم کے بھی تو ہنسی معلوم ہوتی ہے

نہ شیشہ ہے نہ ساغر ہے نہ ساقی ہے نہ دلبر ہے
مجھے تو موت اب یہ زندگی معلوم ہوتی ہے

محبت رنج گئی دل میں تو شوق اب اُنس سے بدلا
نہ کر غم یہ ہے ہیشنی جو کمی معلوم ہوتی ہے

اہم سمجھا تھا میں نے ابتدائے عشق میں جن کو
اب ان باتوں پہ خود مجھ کو ہنسی معلوم ہوتی ہے

میں رونا اپنا روتا ہوں تو وہ ہنس ہنس کے سنتے ہیں
اُنھیں دل کی لگی اک دل لگی معلوم ہوتی ہے

خیالی روشنی روشن خیالی آج کل کی ہے
یہ ظلمت ہے جو سب کو روشنی معلوم ہوتی ہے

مجھی شوریدہ سر سے رونقیں تھیں بزمِ عالم میں
انہیں بھی آج محفل میں کمی معلوم ہوتی ہے

محبت ہے محبت پھونک ہی ڈالے دو عالم کو
یہ چنگاری سی جو دل میں دبی معلوم ہوتی ہے

طبیعت بھی بدل جاتی ہے شاید عشق میں ناصح
جو اچھی بات ہے وہ بھی بُری معلوم ہوتی ہے

یہ کس نے کر دیا سب دوستوں سے مجھ کو بیگانہ
مجھے اب دوستی بھی دشمنی معلوم ہوتی ہے

ادا داں ہوں سمجھتا ہوں میں خوب اُن کی اداؤں کو
نہیں ہے بے دلی گو بے رخی معلوم ہوتی ہے

ذرا ہمت کرے پھر کیا نہیں انسان کے بس میں
یہ ہے کم ہمتی جو بے بسی معلوم ہوتی ہے

یہ نورِ صبح کاذب ہے نہ جانا اس پہ اے سالک
یہ دھوکا ہے جو دل میں روشنی معلوم ہوتی ہے

تجھے یارب خبر ہے جس نظر سے دیکھتا ہوں میں
بتوں میں بھی تری صنعت گری معلوم ہوتی ہے

اِک ایسا وقت بھی آتا ہے اس دورِ محبت میں
کہ نغمہ نوحہ اور شادی غمی معلوم ہوتی ہے

طلب کرتے ہو دادِ حسن تم پھر وہ بھی غیروں سے
مجھے تو سن کے بھی اِک عار سی معلوم ہوتی ہے

جو میں دن رات یوں گردن جھکائے بیٹھا رہتا ہوں
تری تصویر سی دل میں کھنچی معلوم ہوتی ہے

بنا رکھی ہے مجذوبؔ اپنی حالت کیوں خراب ایسی
تری صورت تو یہ اچھی بھلی معلوم ہوتی ہے

○

○

رحم کھا کر وہ کبھی جلوہ دکھا بھی دے گا
جس نے یہ درد دیا ہے وہ دوا بھی دے گا

نقشِ باطل کو مرے دل سے مٹا بھی دے گا
اپنا نقشہ وہ مرے دل میں جما بھی دے گا

ہاں دلِ زار کہیں ہار نہ دینا ہمّت
جس سے ہے کوفت وہی عشق مزا بھی دے گا

دیتا ہے زہر کا پیالہ مرا ساقی پہلے
پی لیا جس نے اُسے آبِ بقا بھی دے گا

دخترِ رز سے یہاں دل نہ لگائے کوئی
ٹوٹ کر شیشۂ دل اب یہ صدا بھی دے گا

باریابی کی میں شرطوں کا خلاصہ سمجھا
وہ ہی پہنچے گا جو اپنے کو مٹا بھی دے گا

بے جھجک شوق سے ہاں مٹنے پہ ہو جا تیار
بے نشاں کر کے وہ کچھ اپنا پتا بھی دے گا

دلِ گم گشتہ کو ڈھونڈھیں گے بیابانوں میں
کچھ پتہ ہم کو وہ نقشِ کفِ پا بھی دے گا

ایسے کم بخت کو کہتے تو ہو خدمت میں قبول
دل مرا کچھ تمہیں زحمت کے سوا بھی دے گا!

شہسوارِ رہِ پر خارِ محبت تھم جا
ہاں! ترا ساتھ کوئی آبلہ پا بھی دے گا

یہ تغافل ہے غضب کچھ تو ملے دادِ وفا
ہم تو سمجھیں گے جزا گر وہ سزا بھی دے گا

وجہ شادابیِ گلزار ہے بارانِ بہار
صبر کر جس نے رلایا ہے ہنسا بھی دے گا

خدمتِ عشق میں اے دل تو کئے جا نالے
رحم کھا کر وہ کبھی آہِ رسا بھی دے گا

بزمِ الفت میں رہے مدِ نظر پاسِ ادب
جس نے محفل میں بٹھایا ہے اٹھا بھی دے گا

سرد ہو جائے گا دنیا سے دل اپنا اک دن
غم ہی خود بڑھ کے مرے غم کو گھٹا بھی دے گا

اِک جہاں میں دلِ پُر داغ تھا مشہورِ وفا
کیا خبر تھی کہ یہ کم بخت دغا بھی دے گا

وعدۂ حشر پہ کیا شاد ہو یہ جانِ حزیں
اس قدر عرصہ تو وعدے کو بھلا بھی دے گا

خانۂ ویرانیِ دل پر نہ کڑھے عاشقِ زار
جس نے اس گھر کو اُجاڑا ہے بسا بھی دے گا

کثرتِ خندہ سے آنسو بھی نکل آتے ہیں
یہ بہت ہنسنا ترا تجھ کو رُلا بھی دے گا

اے صبا ٹھہر! لیتی جا خبرِ مرگ مری
ایک پیغام یہ مجبورِ وفا بھی دے گا

بد دعا ہو گی وہ بیمارِ محبت کے لیئے
اس کو صحت کی اگر کوئی دعا بھی دے گا

دل بری سیکھ ہی لو گے ابھی سن ہی کیا ہے
جس نے یہ حسن دیا ہے وہ ادا بھی دے گا

○

نہیں جانا ہوا ہے جانبِ میخانہ برسوں سے
بھرا ہے دل میں شوقِ نعرۂ مستانہ برسوں سے

وہ ہو، حق اب کہاں افسردہ ہے میخانہ برسوں سے
نہیں برپا ہوئی ہے مجلسِ رندانہ برسوں سے

ہوا کئے ان وہ دل میں انجمن آرا نہ برسوں سے
یہ ہے معمورۂ عالم مجھے ویرانہ برسوں سے

ہے بے دلبر مرا آغوش اک غم خانہ برسوں سے
مرے پہلو سے غائب ہے دلِ دیوانہ برسوں سے

نہیں ہے اب میسر صحبتِ جانانہ برسوں سے
غمِ فرقت سے ہوں میں اُستنِ حنّانہ برسوں سے

نہیں مہماں ہوا وہ زینتِ کاشانہ برسوں سے
گذرتی ہے نہیں اب بے مے و میخانہ برسوں سے

ہے برگشتہ کسی کی نرگسِ مستانہ برسوں سے
لئے پھرتا ہوں میں اپنا تہی میخانہ برسوں سے

نہیں اب شمع و گل اور بلبل و پروانہ برسوں سے
زبانوں پر ہے میرا اور ترا افسانہ برسوں سے

کبھی کعبہ تھا دل اب تو ہے بت خانہ برسوں سے
ترستا ہوں تجھے اے جلوۂ جانانہ برسوں سے

کبھی رہتا تھا ہاتھوں ہاتھ یہ دن رات رندوں میں
مگر بالائے طاق اب ہے مرا پیمانہ برسوں سے

تری نظروں کے صدقے اک ہجومِ شوق ہے دل میں
ہوا آباد دم بھر میں جو تھا ویرانہ برسوں سے

ڈھلک جائے مری آنکھوں سے اک آنسو بھی ناممکن
یہاں لبریز ہے گو صبر کا پیمانہ برسوں سے

خدارا بابِ رحمت کھول دے ہاں کھول دے ساقی
کہ مجھ پر بند ہے تیرا درِ میخانہ برسوں سے

انہیں آخر مری یاد آئی اور اس پیار سے آئی
نہیں آیا ہے اس جانب مرا دیوانہ برسوں سے

بجز عجز و نیاز و بندگی میں اور کیا جانوں
کہ دل ہے زیرِ مشقِ نازِ معشوقانہ برسوں سے

نہ رہ سکتا تھا ہرگز بے مے و معشوق جو دم بھر
وہی ہے ہائے اب بے شاہد و پیمانہ برسوں سے

مٹے سب ورد لیکن سلسلہ اشکوں کا جاری ہے
یہی ہے اب تو اپنا سبحۂ صد دانہ برسوں سے

دلِ پر شوق روز اس بزم میں اس طرح جاتا ہے
کہ دیکھی ہو نہ جیسے صورتِ جانانہ برسوں سے

بعید انصاف سے ہے غیر کو ترجیح مجھ پر ہو
وہ کل عاشق ہوا تیرا میں ہوں دیوانہ برسوں سے

غضب ہے غیر سا ناآشنا اب آشنا ٹھہرے
وہ ہو بیگانہ جس کے ساتھ تھا یارانہ برسوں سے

نہ آئی میری نوبت ہائے ساقی وائے محرومی
مسلسل گو ہے گردش میں ترا پیمانہ برسوں سے

نہیں ہوتا ادائے حقِ نعمت کچھ نہیں ہوتا
مرا سر گو ہے وقفِ سجدۂ شکرانہ برسوں سے

صراحی در بغل ساغر بکف مستانہ وار آجا
لگائے آسرا بیٹھا ہے اک مستانہ برسوں سے

بس اب آجا بس اب آجا کرم فرما کرم فرما
صدائیں دے رہا ہے کوئی بیتابانہ برسوں سے

مجھے ساقی کر اس دربار میں جانے کے پھر قابل
دلِ بے کیف ہے ناقابلِ نذرانہ برسوں سے

تری اس درگذر کے میں نثار اس لطف کے قرباں
کیا پھر آشنا اس کو جو تھا بیگانہ برسوں سے

بنا کر خم مجھے ساقی اب اک گوشے میں بٹھلا دے
میں ہوں گردش میں ہر دم صورتِ پیمانہ برسوں سے

عجب ہیں جمع شوق و غم کی کیفیات گوناگوں
مرا دل ہو رہا ہے اک عجائب خانہ برسوں سے

سراپا اب وہ حسرت ہے جو سرتاپا مسرت تھا
وہ اب ہے سر بسر غم جس نے غم جانا نہ برسوں سے

سمجھنے ہی نہیں دیتا یہ شورِ بلبلِ نالاں
مجھے درسِ خموشی دیتا ہے پروانہ برسوں سے

ہزاروں آئے دن ہیں انقلاب اس دور میں لیکن
ہے اک حالت پہ قائم شورشِ دیوانہ برسوں سے

زمانے بھر میں تھا مشہور زہد و اتقا جس کا
وہی رکھتا ہے اب تو مشربِ رندانہ برسوں سے

کبھی مجنوں سناتا تھا اور اب مجذوب ہے سن لو
چلا آتا ہے دنیا میں مرا افسانہ برسوں سے

ترا مجذوبؔ جذبِ عشق ہی سے کام نکلے گا
عبث ہے تو مریدِ ہمتِ مردانہ برسوں سے

○

وہ مستِ ناز آتا ہے ذرا ہشیار ہو جانا
یہیں دیکھا گیا ہے بے پیے سرشار ہو جانا

نکلنا ان کا پردے سے مرا دیوار ہو جانا
غرض کوئی نہ کوئی مانعِ دیدار ہو جانا

تجھے اے شیخ فکرِ جبّہ و دستار ہو جانا
ہمیں ہستی کا جامہ اور سر بھی بار ہو جانا

کسی سے پردے ہی پردے میں آنکھیں چار ہو جانا
نگاہوں کا اتر نا دل میں اور اسرار ہو جانا

ہمارا شغل ہے راتوں کو رونا یادِ دلبر میں
ہماری نیند ہے محوِ خیالِ یار ہو جانا

نہیں درکار ہے ہم کو پیے جا تو ہی اے ساقی
ہمیں تو مست کرتا ہے ترا سرشار ہو جانا

لگاوٹ سے تری کیا دل کھلے معلوم ہے ہم کو
ذرا سی بات میں کھنچ کر ترا تلوار ہو جانا

تصوّر کی مرے گل کاریاں صیّاد کیا جانے
قفس کا بھی گلوں کی یاد میں گلزار ہو جانا

عبث ہے جستجو بحرِ محبت کے کنارے کی
بس اس میں ڈوب جانا ہی ہے اس کے پار ہو جانا

خبر کیا تھی کہ اس انکار میں اقرار پنہاں ہے
مرا غش کھا کے گرنا باعثِ دیدار ہو جانا

کہاں اب رہ گئی ہے شاعری مجذوبؔ تائب کی
کبھی ہاں جذب میں آنا تو کچھ اشعار ہو جانا

حسن پسند پاک ہوں فاسق بے حیا نہیں
دیدِ جمال کے سوا کچھ مرا مدعا نہیں

طعنۂ اقربا نہیں یا غمِ دل رُبا نہیں
فکرِ معاش مجھ کو کیا کھانے کو میرے کیا نہیں

کب وہ وہیں گرا نہیں جس کو ذرا لگا نہیں
تیری نظر کا تیر بھی جس پہ پڑا بچا نہیں

کہنے کا تیرے ناصحا مانتا میں بُرا نہیں
ہوش رُبا کے سامنے ہائے ابھی پڑا نہیں

نفس کا مار سخت جاں دیکھا ابھی مرا نہیں
غافل اِدھر ہوا نہیں اس نے اُدھر ڈسا نہیں

کشتیٔ دل یہ ناگہاں آ گئی ناخدا کہاں
ہٹئے تو ابتدا نہیں بڑھئے تو انتہا نہیں

جن و ملک ہوں یا بشر سب سے ہے تو ہی خوب تر
تجھ میں نہیں کوئی کسر ہاں مگر اک خدا نہیں

تقویٰ کا ہو لباس بس اور نہیں کوئی ہوس
مدِ نظر غلام کے خرقہ نہیں قبا نہیں

دیکھ نہ قلب مبتلا رنگ پہ گل رخوں کے جا
پھول ہیں سب یہ کاغذی بوئے وفا ذرا نہیں

ڈھونڈ کوئی تو راز داں اس کا جو دے تجھے نشاں
گھر میں خزانہ ہے نہاں تجھ کو مگر پتا نہیں

کس لئے مجھ سے عار ہے پہلوئے گل میں خار ہے
گل کی یہی بہار ہے خار سے گل جدا نہیں

جس نے بچشمِ نکتہ بیں دیکھ لیا وہ مہ جبیں
اس کی نظر میں پھر کہیں کوئی حسین جچا نہیں

تابِ کلام آتشیں اب نہیں اے دل حزیں
اور ذرا بڑھا نہیں حشر بپا ہوا نہیں

دل ہو وہ جس میں کچھ نہ ہو جلوۂ یار کے سوا
میری نظر میں خاک بھی جام جہاں نما نہیں

اے مرے ترک ناز میں تجھ پہ ہزار آفریں
بچھ گئی صف کی صف وہیں ہاتھ جہاں اٹھا نہیں

غنچئے بہت نہ پارسا آنکھ تو کھولئے ذرا
رندوں نے تاڑ ہی لیا نشہ مے چھپا نہیں

اس نے نکال بھی دیا پھر بھی ہوں میں وہیں پڑا
جاؤں کدھر میں اے خدا در کوئی دوسرا نہیں

چسکا لگا ہے جام کا شغل ہے صبح و شام کا
اب میں تمہارے کام کا ہم نفسو رہا نہیں

تجھ کو ہوئی نہ کچھ خبر نکلا کہاں گیا کدھر
عرش بریں سے گو اُدھر نالہ مرا رکا نہیں

ہوگئی خشک چشم تر بہہ گیا ہو کے خوں جگر
رونے سے دل مرا مگر ہائے ابھی بھرا نہیں

شکر خدائے لم یزل لکھی ہے میں نے وہ غزل
جس کا کہیں کوئی بدل کہتا ہوں برملا نہیں

جذب ہے اپنا نور پر نام میں بھی ہے کیا اثر
فکر ہزار کی مگر مقطع میں لا سکا نہیں

○

شراب ارغواں کیا پی کہ میرا کل جہاں بدلا
نظر آتا ہے اب رنگ زمین و آسماں بدلا

مری دنیائے دوں کو تو نے اے پیر مغاں بدلا
قیاس اب ہو گیا عرفاں یقیں سے اب گماں بدلا

نگاہِ اقربا بدلی، مزاجِ دوستاں بدلا
نظر اک ان کی کیا بدلی کہ مجھ سے کل جہاں بدلا

تہِ گردونِ گرداں گلستاں کا گلستاں بدلا
مگر اک رنگِ یک رنگاں نہ زیرِ آسماں بدلا

رکی آہیں تو کیا حالِ دلِ آتش بجاں بدلا
تپش افزوں ہوئی سوزِ نہاں سے اب دھواں بدلا

فغاں بدلی اثر بدلا زباں بدلی بیاں بدلا
یہ اے مجذوب رنگ اپنا بتاؤ تو کہاں بدلا

جہاں بدلا تو بدلا تو بھی اے جانِ جہاں بدلا
زمیں بدلی تو بدلی تھی غضب ہے آسماں بدلا

چمن کا رنگ گو تو نے سراسر اے خزاں بدلا
نہ ہم نے شاخِ گل چھوڑی نہ ہم نے آشیاں بدلا

طریقِ زہد میں رہ رہ کے حالِ سالکاں بدلا
طریقِ جذب میں لیکن جو بدلا ناگہاں بدلا

سبھی کے ہوش پرّاں تھے جو وہ جانِ جہاں بدلا
مگر میرا نہ رنگِ رُخ بھی وقتِ امتحاں بدلا

تماشہ دیکھیے اب ایک تو ہے جان دو قالب
محبت نے تو نظمِ ارتباطِ جسم و جاں بدلا

کبھی ہم کہہ سکے ہمدم نہ کھُل کر حالِ دل اُن سے
کہ ہر لفظ اپنا سو بار آتے آتے تا زباں بدلا

یہ ہے کیا حال فرقت میں کہ نیند آئی نہ پھر شب بھر
ذرا کروٹ جہاں بدلی ذرا پہلو جہاں بدلا

تمہیں میری طلب نے ڈھونڈ کر ہی دم لیا آخر
ہزار اپنے پتے بدلے ہزار اپنا نشاں بدلا

تجھے پیرِ مغاں حق سے عطا کو ثر ہو بدلے میں
ترے اس بادۂ گل رنگ نے رنگِ جہاں بدلا

طریقِ عشق میں گو کارواں پر کارواں بدلے
نہ ہم نے رہ گذر بدلی نہ میرِ کارواں بدلا

کیا کب ہم نے دل تھوڑا یہیں تا عمر سر پھوڑا
نہ ہم نے سنگِ در چھوڑا نہ ہم نے آستاں بدلا

ارے توبہ کوئی حد ہے بھلا اس بدگمانی کی
ذرا میں پاس جا بیٹھا کہ اُس نے پاسباں بدلا

سرِ بازار حُسن و عشق کی رسوائیاں توبہ
شعارِ مہوشاں بدلا مذاقِ عاشقاں بدلا

خوشا یہ دن کہ میری زیست آخر مرگ سے بدلی
بالآخر خوابِ راحت سے مرا خوابِ گراں بدلا

سر آنکھوں پر جفا تیری مگر معلوم یہ تو ہو
طریقِ مہربانی تو نے کیوں اے مہرباں بدلا

میں اب پیتا ہوں آنسو پہلے آنکھوں سے بہاتا تھا
روانی ہے وہی گو ہاں رُخِ سیلِ رواں بدلا

گماں میں اور سب کے فرق آیا جب حجاب اُٹھے
نہ لیکن اک سرِ مو بھی یقینِ عاشقاں بدلا

جسے رہنا ہو محرم وہ بگوشِ ہوش یہ سن لے
جہاں لب پر فغاں آئی کہ اس نے رازداں بدلا

کروں کیا دل ہے با صد زہد و تقویٰ مائل رندی
جبلّت کیا بدل سکتی عمل کو اپنے ہاں بدلا

کرشمے عشق کے ہیں پہلے گریہ تھا اب آہیں ہیں
تماشا ہے کہ بادِ تند سے آب رواں بدلا

نہ رہ چھوڑی نہ ہم نے نقش پائے رہرواں چھوڑے
ہوا کے رخ پہ رخ تو نے تو گردِ کارواں بدلا

سنے سوتے میں جس دم نالہ ہائے نیم شب میرے
تو چونک اُٹھے وہ یہ کہہ کر کہ کیا وقتِ اذاں بدلا

رہا بارِ امانت گو وبالِ دوش رستے بھر
نہ کندھا بھی مگر ہم نے تہِ بارِ گراں بدلا

خدا نے کھول دیں آنکھیں حقیقت منکشف کر دی
خدا کا شکر ہے اب بغض سے عشقِ بتاں بدلا

کیسے گئے تھے شوق سے لینے اُس آشنا کو ہم
ویسے کے ویسے آ گئے اپنا سا منھ لئے ہوئے

جان سے بھی عزیز کیوں مجھ کو نہ ہوں یہ داغِ دل
ہائے کسی کو کیا خبر کس کے ہیں یہ دیئے ہوئے

کہنے کو ہجر ہے مگر دل کی کسی کو کیا خبر
پھرتے ہیں اُس نگار کو پہلو میں ہم لئے ہوئے

ہو گئے زندہ مردہ دل جب یہ سنا وہ آئیں گے
جب یہ سنا نہ آئیں گے مر گئے پھر جئے ہوئے

چاہتے ہیں نہ فاش ہو اُن کو جو مجھ سے ربط ہے
رہتے ہیں سب کے سامنے خود کو جو وہ لئے ہوئے

○

رہتا ہوں محو لذتِ دیدِ فضائے دل — باغ و بہارِ زیست ہیں یہ داغ ہائے دل
رہنے دو چپ مجھے نہ سنو ماجرائے دل — میں حالِ دل کہوں تو ابھی منھ کو آئے دل
دم بھر قرار لینے نہیں دیتا ہائے دل — کیسی یہ پڑ گئی ہے مرے سر بلائے دل
اِن گل رخوں کے رنگ پہ ہرگز نہ جائے دل — جھوٹے یہ پھول ہیں کہیں دھوکا نہ کھائے دل
اب ہو چکی ہے جرم سے زائد سزائے دل — جانے دو بس معاف بھی کر دو خطائے دل
ہر ہر ادا بتوں کی ہے قاتل برائے دل — آخر کوئی بچائے تو کیوں کر بچائے دل
مجذوبؔ تو بھی غیرِ خدا سے لگائے دل — عشقِ بتاں ہے بندۂ حق نا سزائے دل
مجذوبؔ اب کسی سے نہ یا رب لگائے دل — پائے تو تیری یاد سے بس چین پائے دل

سمجھے گا کون کس سے کہوں راز ہائے دل — دل ہی سے کہہ رہا ہوں ہیں سب ماجرائے دل
کب تک یہ ہائے ہائے جگر ہائے ہائے دل — کر رحم اے خدائے جگر اے خدائے دل
آتے نہیں ہیں سننے میں اب نالہ ہائے دل — سنسان کیوں پڑی ہے یہ ماتم سرائے دل
مجذوبؔ اب کسی سے بھلا کیوں لگائے دل — دل آشنائے درد ہے درد آشنائے دل

مدت سے میرے پردہ نشیں تیرے واسطے — خالی کیے ہوئے ہوں میں خلوت سرائے دل
اے چشمِ شوق ہائے نہ دیکھ اس طرف نہ دیکھ — دیدار تو ہے اور بھی حسرت فزائے دل
دل جنسِ بے بہا ہے مگر تیرے واسطے — بس اک نگاہِ لطف ہے اے جاں بجائے دل
اے درد آج قصہ ہی کر دے تمام تو — کب تک یہ روز روز کے صدمے اٹھائے دل
جو دل میں ہے بیان میں آنا محال ہے — جو لب پہ ہے وہ کب ہے مرا مدعائے دل
اُف کس بلا کا حسن ہے اُف کیا سنگھار ہے — آئینہ دیکھتے ہو کہیں آ نہ جائے دل
جولانگہ طرب ہے گذرگاہِ زندگی — وقفِ ہجوم و یاس ہے حسرت سرائے دل
کب تک رہوں میں ہائے کشاکش میں مبتلا — قابو عطا ہو دل پہ بس اب لے خدائے دل

مجذوبؔ مست سے تجھے نسبت ہی شیخ کیا
تو پارسائے وضع ہے وہ پارسائے دل

○

نظر ایسی تو ہو دریا کو ہم قطرہ سمجھتے ہیں
وہ ہیں کوتاہ بیں قطرے کو جو دریا سمجھتے ہیں

وہ پردہ ہے جسے اہلِ نظر جلوہ سمجھتے ہیں
تسلی پھر انہیں کیا ہو جو یہ نکتہ سمجھتے ہیں

جو سمجھے ہیں بہت کچھ وہ بھی ان کو کیا سمجھتے ہیں
کوئی ان کو سمجھ سکتا نہیں اتنا سمجھتے ہیں

خبر بھی ہے کہ ہم ہیں کس سراپا ناز کے بندے
وزیر و شہ کوئی ہو ہم کسی کو کیا سمجھتے ہیں

ابھی چاہیں تو آہوں سے الٹ دیں سارے عالم کو
ہم اک خاموش محشر ہیں وہ ہم کو کیا سمجھتے ہیں

بظاہر بے رخی در پردہ دزدیدہ نگاہی ہے
ترے سب راز ہم اے حسن بے پروا سمجھتے ہیں

ہم ایسے بحر میں ڈوبے ہیں جو ہے بحر بے پایاں
ہم اپنے قعرِ دریا کو لب دریا سمجھتے ہیں

نہیں اب کوئی موقع ان کے آگے لب کشائی کا
وہ میرے شکر کو بھی شکوہ بیجا سمجھتے ہیں

نہ سمجھا ہے کسی نے اور نہ سمجھے گا کوئی ان کو
وہ ہیں کچھ اور ہی اور لوگ انہیں کیا کیا سمجھتے ہیں

مزے کی چیز تو دنیا میں بس اک بادہ نوشی ہے
جو کچھ اس کے سوا ہے اس کو ہم جھگڑا سمجھتے ہیں

○

نازک بہت ہیں پاؤں مرے نونہال کے
آنکھیں بچھائے حور تو پلکیں نکال کے

وہ سو رہے ہیں منہ پہ دوپٹہ جو ڈال کے
کن حسرتوں سے تکتے ہیں ارماں وصال کے

کیا کیا بھے شوق آج عروسِ جمال کے
اندھیر تو نے کر دیا گھونگھٹ نکال کے

برسات میں یہ ان کی ادا دے گئی مزا
چلنا اٹھا کے پائنچے دامن سنبھال کے

کم سن ہیں ڈر نہ جائیں وہ شکل اس کی دیکھ کر
شب آئے منہ پہ چادرِ مہتاب ڈال کے

ہالہ میں چاند دیکھ کے یاد آ گیا مجھے
کھڑکی سے جھانکنا وہ ترا منہ نکال کے

آیا جو چاند ابر میں آنکھوں میں پھر گیا
آنا وہ شب کو رُخ پہ نقاب اُن کا ڈال کے

یوں کوندتی ہیں ابر میں رہ رہ کے بجلیاں
یاد آئیں جیسے ہجر کی شب دن وصال کے

ابرِ سیہ میں برق منور نہیں حسن
آیا ہے مانگ کوئی پریرو نکال کے

○

اگر بچشم حقیقت مآب دیکھیں گے
نقاب میں بھی انہیں بے نقاب دیکھیں گے

ہمیشہ ہم تو بہ چشم پُر آب دیکھیں گے
نقاب اٹھا بھی تو کیا بے نقاب دیکھیں گے

نہ آپ جانبِ مستِ شباب دیکھیں گے
جنابِ شیخ تقدس مآب دیکھیں گے

جو غور سے خطِ شوق آنجناب دیکھیں گے
تو لفظ لفظ میں مضمر کتاب دیکھیں گے

اگر وہ گریۂ چشم پُر آب دیکھیں گے
تو آسماں کو اک ادنیٰ حباب دیکھیں گے

شبِ فراق نہ ہوگی یہ ختم جیتے جی
بس اب تو حشر کے دن آفتاب دیکھیں گے

یہ خوابِ زیست ہی اک روز ہوگا خوابِ عدم
درونِ خواب ہی تعبیرِ خواب دیکھیں گے

ترس ترس کے ملا ہے ہمیں یہ روزِ حساب
بس آج تو اُنہیں ہم بے حساب دیکھیں گے

طلب کریں گے جو اس زندگی میں راحت کو
وہ گویا خواب میں اک اور خواب دیکھیں گے

رہیں گے شاہ فقیری میں بھی ترے عاشق
یہ جھونپڑوں میں بھی محلوں کے خواب دیکھیں گے

یہ غیر ہے یہ ہے مجذوبؔ دونوں حاضر ہیں
اب آپ کی نظرِ انتخاب دیکھیں گے

○

سودا چمن کو ہے مرے گل کا بہار میں
عالم جو نشترِ رگِ گل کا ہے خار میں

وہ دل میں اور دل بدنِ داغ دار میں
بیٹھے ہیں تخت پر وہ مگن لالہ زار میں

آنکھیں مری تصورِ گیسوئے یار میں
ایسی ہیں جیسے پھرتے ہیں آہو تتار میں

بھولا گنہ کا لطف عذابِ مزار میں
نکلا سرورِ مے کا مزا سب خمار میں

روپوش حسن ہو گیا سب خطِ یار میں
حیرت ہے آفتاب نہاں ہے غبار میں

دل کو نہیں بتوں کا تصور مزار میں
حورانِ خلد جلوہ نما ہیں کنار میں

ابرِ سیاہ حرف ہیں قرطاس برق ہے
تحریر حال چشم و دل بے قرار میں

غارت گری کو دل میں وہ آ پہنچا شاہ حسن
آئی ہے یہ خبر مجھے اشکوں کے تار میں

سجدے پہ سجدے یاں ہیں توجہ نہیں ادھر
میں ان کو سوجھتا نہیں دل کے غبار میں

ترساں سوارِ کشتیِ طوفاں رسیدہ ہیں
ارماں لرز رہے ہیں دلِ بے قرار میں

عشاق بس کہ خاک ہوئے اس قدر وہاں
تجویز جاتے حشر ہوئی کوئے یار میں

ہم داغ داروں کو بھی رکھو ساتھ اے بتو — رونق ہے لالہ زار ہی سے کوہسار میں
پس پس کے سرمہ چشمِ تصور کا ہو گئے — ارمان آسیائے دلِ بے قرار میں
کوچہ میں ماہ کے ہے بلاؤں کا یہ ہجوم — چھپتا ہے مہر سایۂ دیوارِ یار میں
عشقِ بتاں نے پھونک دئے سیکڑوں بدن — صدہا مکان جل گئے اس اک شرار میں
گنتا ہوں تارے رات بھر اے شیخ شب گزار — بڑھ کر ہیں کس کے سبحہ کے دانے شمار میں
اڑتی ہے گرد پھرتے ہیں یوں آہوانِ چشم — صحرا ہے چشم روزنِ دیوارِ یار میں
درباں سمجھ ہر ایک کو راضی بھی سب کو رکھ — جب ہی تو جا سکے گا حضوریِ یار میں
سودائے زلف ساقی مہوش جو ہے اسے — نشتر ہے برق کا رگِ ابرِ بہار میں
بلبل ہیں اس چمن میں ہزاروں فغاں کناں — نالے ہیں بے شمار دلِ داغ دار میں
پہنچی ہے روح خلد میں تن گور میں رہا — ہے فرق پا پیادہ میں اور شہسوار میں
پرزے اُڑے ہیں جسم کے جوں برگ ہائے گل — رنگِ خزاں دکھاتے ہیں عاشق بہار میں
دل ہو شباب میں نہ کوئی مبتلائے عشق — بلبل اسیر ہو نہ الٰہی بہار میں
مدفن ہے دل کا تن مرا اور حسرتوں کا دل — مدفون دو مزار ہیں میرے مزار میں
اب تو سیاہ کاری میں کچھ سوجھتا نہیں — آنکھیں ہماری مر کے کھلیں گی مزار میں
میں اور غزل میں آمد مضموں سے دونوں تنگ — لیتا ہوں ایک کو تو ہیں دس انتظار میں
بجلی نہیں فلک پہ یہ جوشِ نشاط ہے — لیتی ہے آسماں کی بطرے بہار میں
مجھ وحشیِ نزار سے صحرا بہت ہے تنگ — دامانِ دشت الجھا ہے بے طرح خار میں
فردوس کو چلے ہیں تو اترا لباسِ تن — شاخوں کو ملتے ہیں نئے خلعت بہار میں
ہستی کا جامہ پھینک لباسِ فنا پہن — کپڑے نئے بدل کے تو جا بزمِ یار میں

ہر وقت مست نیک و بدِ خلق سے الگ واعظ ولی کے وصف ہیں مجھ بادہ خوار میں

سیلِ جہاں میں کیا تنِ خاکی کو ہے قیام کیا رک سکے مکان کوئی پانی کی دھار میں

کیا ہی حسنؔ نے ان کی غزل پر غزل کہی
دیتے ہیں داد ناسخ و آتش مزار میں

O

دل جب ہی دل ہے جب اس میں یادِ جانانہ رہے
گھر جب ہی گھر ہے جب اس میں صاحب خانہ رہے

کچھ نظر سالک پہ بھی مجذوبِ مستانہ رہے
کیوں وہ تیرے دور میں مستی سے بیگانہ رہے

سب مزے لیں جذب میں مجذوبِ مستانہ رہے
لطف اٹھائیں بادہ کش گردش میں پیمانہ رہے

تا ابد مجذوبؔ اب بس تیرا دیوانہ رہے
یار کیا اغیار کیا اپنے سے بیگانہ رہے

ہم تو بس دُنیا میں محوِ یادِ جانانہ رہے
غیر تو ہیں غیر خود اپنے سے بیگانہ رہے

خاک دُنیا میں رہے ہم حق سے بیگانہ رہے
وقفِ بت خانہ رہے یا وقفِ میخانہ رہے

رہ کے دُنیا میں بھی ہم دُنیا سے بیگانہ رہے
وقفِ ذکر یار محوِ یادِ جانانہ رہے

عاشقوں میں کوئی عاقل کوئی دیوانہ رہے
میں ہوں وہ دیوانگی میں بھی جو فرزانہ رہے

پھیر لوں رُخ پھیر لوں ہر ماسوا سے پھیر لوں
میں رہوں اور سامنے بس روئے جانانہ رہے

توبہ کرنے سے جبلت بھی بدلتی ہے کہیں
گو ہوئے زاہد مگر جذبات رندانہ رہے

دن گذارے ساز میں راتیں گذاریں سوز میں
عمر بھر ہم دن میں بلبل شب میں پروانہ رہے

بت مجھے مائل کریں میں اُن سے روگرداں رہوں
کعبہ آگے ہو مرے پیچھے صنم خانہ رہے

ہے یہی دستور ساغر پُر کبھی خالی کبھی
ایک حالت ہی پہ کیوں یہ دل کا پیمانہ رہے

کیا غضب ہے دوست دشمن کی نہ ہو تم کو تمیز
دوست سے بیگانگی دشمن سے یارانہ رہے

جی نہ چھوڑ اے ناتوانِ عشق ہرگز جی نہ چھوڑ
کام مردانہ نہ ہو ہمت تو مردانہ رہے

اپنا دل بھی دیکھ زاہد میری نظریں دیکھ کر
دل خدا خانہ رہے گو آنکھ بت خانہ رہے

آ سما جا مجھ میں ہو پیوستِ جاں اے جانِ جاں
آنکھ میری گلستاں ہو دل جلوہ خانہ رہے

ہے خلافِ وضع زاہد برملا رندی اگر
دخترِ رز سے چھپے چوری ہی یارانہ رہے

آسماں سے لاکھ نازل ہوں بلائیں غم نہیں
سر پہ رندوں کے سلامت پیرِ میخانہ رہے

برخلافِ سالکاں مجذوبؔ کا مسلک ہے یہ
طبع تو ہو زاہدانہ وضع رندانہ رہے

دے رہے ہیں وہ ندا اور تو ہے بڑ میں مبتلا
ہوش اے اُن کا تو اے مجذوبؔ مستانہ رہے

○

یہ قید کون و مکاں تو شایانِ شانِ آزادگاں کہاں ہے
میرا جہاں ہے وہ عالم ہُو جہاں زمیں ہے نہ آسماں ہے

وہ گل فشانی ہو یا ہو پت جھڑ مجھے تو پُرلطف ہر سماں ہے
کبھی وہ شکلِ بہار ظاہر کبھی عیاں صورتِ خزاں ہے

نظر میں مجذوبِ نارسیدہ کی عرش و کرسی ہے لامکاں ہے
پہنچ کسی کے شکستہ پا کی بھی اللہ اللہ کہاں کہاں ہے

نہ ہو پریشاں جو کوئی اے دل کبھی عیاں ہے کبھی نہاں ہے
نہ ہار اے ناصبور ہمت تری طلب کا یہ امتحاں ہے

لطافتوں میں ڈبونے والی کچھ اس قدر یادِ جانِ جاں ہے
کہ اب تو یہ جانِ ناتواں بھی مری طبیعت پہ اُف گراں ہے

تری تو ہر ہر ادا سے مجذوبِ بے خبر حال دل عیاں ہے
جنوں کو تو پردہ پوش سمجھا غلط گماں ہے غلط گماں ہے

کسی سے کیا حاجت بیاں ہے کہ حالِ دل بے کہے عیاں ہے
نگاہ میری نہیں زباں ہے سکوت میرا نہیں بیاں ہے

تری گلی ہے مری فغاں ہے مری جبیں تیرا آستاں ہے
یہی بس اب ہے نماز میری یہی بس اب تو مری اذاں ہے

مجھے تو مطلب ہے بس طلب سے کہ اُن کو منظور امتحاں ہے
میں مطمئن ہوں کہ حاصلِ عمر یہ مری سعیِ رائیگاں ہے

مجھے جہاں میں نصیب سامانِ زندگانیٔ جاوداں ہے
تری محبت ترا تصور یہ روحِ دل ہے وہ جانِ جاں ہے

اُسے جدا کر سکے بھلا یہ اجل کی بھی دسترس کہاں ہے
وہ غیر منفک جو ایک ربط خفی مرے ان کے درمیاں ہے
بہ فیض عکسِ جمالِ رنگیں تصور اب رشکِ صد جناں ہے
یہ ہے جو باغ و بہارِ عالم مری نگاہوں میں اب خزاں ہے

قفس سے چھٹنا یہ ہم صفیر و عبث بایں موسم خزاں ہے
چمن میں اب جاکے کیا کریں گے کہ شاخِ گل ہے نہ آشیاں ہے
کہاں یہ خوش رنگ تیلیاں اور کہاں وہ صد رنگ خشک تنکے
مگر قفس پھر بھی اُف قفس ہے اور آشیاں پھر بھی آشیاں ہے

مرا بیاباں رہے سلامت بڑے مزے سے گذر رہی ہے
نہ اس میں صیاد کا ہے کھٹکا نہ اس میں اندیشۂ خزاں ہے
ہزار بدلا کرے زمانہ کہن نہ ہوگا مرا فسانہ
پڑھیں گے سب اس کو والہانہ کہ حسبِ ہر ذوق و ہر زماں ہے

نظر سے اپنی گرا ہوا ہوں نظر میں سب کی چڑھا ہوا ہوں
فروتنی عزت جہاں ہے زمیں نہیں ہے یہ آسماں ہے
یہ پہنچ کے مجذوب سالکوں میں سمجھ نہ اپنے کو ساتھیوں میں
نہ دم لے یہ کارواں نہیں ہے بڑھے جا یہ گردِ کارواں ہے

اُڑیں بھی اہلِ زمیں فلک پر نہ آنکھ مجذوبؔ اٹھا جھکا سر
تجھے تو ہوگا عروج مرکر تہہ زمیں تیرا آسماں ہے

یہ زاہدانہ تو ڈھنگ تیرا نفس نفس عود و چنگ تیرا
یہ کیا ہے مجذوبؔ رنگ تیرا جہاں میں اک تو بھی چیستاں ہے

اگرچہ مجذوبؔ اور سالک ہیں دونوں ہی ایک راستہ پر
بڑا تفاوت ہے منزلوں میں یقیں یقیں ہے گماں گماں ہے

ہمیشہ دہرائے گا زمانہ کلامِ مجذوبؔ والہانہ
کسی حسیں کا نہیں فسانہ یہ ایک عاشق کی داستاں ہے

○

عزیز آشنا سب سے بیزار ہو کر — چلا ہوں میں کس کا طلب گار ہو کر
میں بیگانۂ یار و اغیار ہو کر — پڑا ہوں ترے در پہ سرشار ہو کر
مرا آج شہرہ ہے دونوں جہاں میں — معزز ہوا میں ترا خوار ہو کر
عبادت ریاضت کرے لاکھ زاہد — مقدس جو ہوگا تو میخوار ہو کر
جھروکے میں بیٹھے غضب ڈھا رہے ہیں — نہ نکلے کوئی زیرِ دیوار ہو کر
کریں گے کرم جب وہ دیکھیں گے عاجز — مرا کام نکلے گا دشوار ہو کر
لگیں گے سرِ راہ کشتوں کے پشتے — ادا سے وہ چلتے ہیں تلوار ہو کر
یہ جھکنا ادا سے ارے مار ڈالا — گلے مل رہے ہیں وہ تلوار ہو کر
پہنچتے ہیں سب عشق میں تا بہ ساحل — کوئی ڈوب کر اور کوئی پار ہو کر
خدا خیر رکھے خدا خیر رکھے — وہ نکلے ہیں گھر سے طرح دار ہو کر

زباں سے اب انکار کیوں ہو رہا ہے — لگا ہوں لگا ہوں میں اقرار ہو کر
نہ ہو گا کبھی ختم کیا خوابِ غفلت — لگا اونگھنے پھر میں بیدار ہو کر
کیا جذب نے دم میں باہر بھنور سے — عبث ڈر رہا ہوں میں اب پار ہو کر
بڑے چین میں تھا میں جب بے خبر تھا — پڑا مشکلوں میں خبردار ہو کر
یہ مجذوب سے بحث و تقریر ناصح — نہ کر ایسی باتیں سمجھ دار ہو کر

نہیں آج کل سادگی کا زمانہ
رہو تم بھی مجذوب ہشیار ہو کر

○

کسی کا جو رہ نہانی عیاں نہیں ہوتا — ہزار کھاتا ہوں چوٹیں نشاں نہیں ہوتا
ادا شناس نرالے زباں نہیں ہوتا — کہے وہ کس سے کوئی نکتہ داں نہیں ہوتا
جب اپنے پاس وہ آرام جاں نہیں ہوتا — تو درد دل میں جگر میں کہاں نہیں ہوتا
کسی پہ حالِ دل اپنا عیاں نہیں ہوتا — بیاں ہزار کروں میں بیاں نہیں ہوتا
کہا جو میں نے کرم مہرباں نہیں ہوتا — کہا بگڑ کے اجارہ ہے ہاں نہیں ہوتا
جنونِ عشق یہ اللہ رے تیری یک رنگی — کچھ امتیاز بہار و خزاں نہیں ہوتا
ہمیشہ رہتا ہے اک عالمِ فنا طاری — میں زندہ ہوں مگر احساسِ جاں نہیں ہوتا
غم اُن کا اس لئے مرغوب ہے مجھے ناصح — کہ اُن کے غم میں غم این و آں نہیں ہوتا
وہ سب کے سامنے اس سادگی سے بیٹھے ہیں — کہ دل چرانے کا اُن پر گماں نہیں ہوتا
وہ پوچھتے بھی ہیں آکر کبھی جو حال مرا — تو لب پہ کچھ بجز آہ و فغاں نہیں ہوتا

سب ایک رنگ میں ہیں میکدے کے خورد و کلاں	یہاں تفاوتِ پیر و جواں نہیں ہوتا
قمارِ عشق میں سب کچھ گنوا دیا میں نے	امیدِ نفع میں خوفِ زیاں نہیں ہوتا
گنوا رہا ہے عبث شیخ عمر خلوت میں	شریکِ حلقۂ پیرِ مغاں نہیں ہوتا
ہم اپنے آپ کے ہوتے ہیں آپ ہی دشمن	وہ مہرباں کبھی نامہرباں نہیں ہوتا
کہیں بھی راہ میں منزل سے پہلے دم لینا	شعارِ توسنِ عمرِ رواں نہیں ہوتا
وہ محتسب ہو کہ واعظ وہ فلسفی ہو کہ شیخ	کسی سے بند ترا رازداں نہیں ہوتا
میں ڈر رہا ہوں ذرا اہلِ قبر بتلا دو	زمیں تلے تو کوئی آسماں نہیں ہوتا
میں ناتواں ہوں ترے سالکوں میں یوں جیسے	غبارِ راہ پسِ کارواں نہیں ہوتا
بڑھے گی حسن کی ہر روز گرم بازاری	گراں ہزار کرو تم گراں نہیں ہوتا
خدا کا حکم بجا لانا اس قدر ہے گراں	بتوں کے ناز اٹھانا گراں نہیں ہوتا
عبث ہے فکرِ مداوا کہ موت سے پہلے	سکوں پذیر یہ قلبِ تپاں نہیں ہوتا
شبِ وصال سرِ شام ہی سے رٹ ہے انہیں	یہ آج کیا ہے کہ وقتِ اذاں نہیں ہوتا
بڑی ہے قدر تری سالکوں میں اے مجذوبؔ	نہ ہو زمانہ اگر قدرداں نہیں ہوتا
نکالو یادِ حسینوں کی دل سے اے مجذوبؔ	خدا کا گھر پئے ذکرِ بتاں نہیں ہوتا

جہاں فریب ہے مجذوبؔ یہ تری صورت
بتوں کے عشق کا تجھ پر گماں نہیں ہوتا۔

وہ راز ہوں جو عیاں ہو کے بھی عیاں نہ ہوا
وہ نکتہ ہوں جو بیاں ہو کے بھی بیاں نہ ہوا

رُواں رُواں مرا کیا عشق میں زباں نہ ہوا
بیاں نہ ہونا تھا یہ حالِ دل بیاں نہ ہوا

کسی پہ سوزِ دل اپنا کبھی عیاں نہ ہوا
لگائی آگ تو تم نے مگر دھواں نہ ہوا

چھپا ہزار مگر پھر بھی وہ نہاں نہ ہوا
وہ بے نشاں ہے تو کیا یہ بھی اک نشاں نہ ہوا

تلاشِ عیش میں جانا کہاں کہاں نہ ہوا
کوئی زمیں نہ ملی جس پہ آسماں نہ ہوا

خیالِ جاں نہ تمنائے جانِ جاں نہ ہوا
امیدِ نفع میں اندیشۂ زیاں نہ ہوا

کوئی مقابلِ انسانِ ناتواں نہ ہوا
جو بار سب کو گراں تھا اسے گراں نہ ہوا

مکاں اک اپنا محبت میں لامکاں نہ ہوا
قفس میں رہ کے بھی کب عرش آشیاں نہ ہوا

وہ بات کون سی تھی غیروں کی جو بھلی نہ لگی
وہ قول کون سا اپنا تھا جو گراں نہ ہوا

وہ لاکھ عقل کے پتلے ہوں پھر ہیں دیوانے
جنہیں بہار میں اندیشۂ خزاں نہ ہوا

نہ ہوگا میری طرح کوئی ناتواں ایسا
کہ ان کی خاطرِ نازک پہ بھی گراں نہ ہوا

وہ مہرباں تھے کہی سب نے سرگذشت اپنی
ہمیں نصیب ہی عنوانِ داستاں نہ ہوا

ہمیں سمجھتے ہیں کچھ کج ادائیاں اس کی
جو مہرباں ہے تو سمجھو وہ مہرباں نہ ہوا

ازل سے پڑھتے چلے آرہے ہیں پھر بھی مگر
عجب سبق سبقِ عشق ہے رواں نہ ہوا

ہنوز حسن کے بازار کا ہے زور وہی
گراں کیا بہت اس نے مگر گراں نہ ہوا

ہم اجنبی ہی رہے اور اجنبی ہی چلے
ملے تو سب سے مگر کوئی رازداں نہ ہوا

سب اپنا اپنا سمجھتے ہیں مجھ کو ہم مشرب
مگر میں وہ ہوں کہ خود رازداں نہ ہوا

غنی ہوں فقر میں واغوں سے دل ہے مالا مال
عیاں کسی پہ یہ گنجینۂ نہاں نہ ہوا

بپا ہے عشق سے اک حشر آرزو دل میں — ہجوم پھر بھی بہ اندازۂ مکاں نہ ہوا

نہ چھوڑا دستِ جنوں میں بھی حسرتوں نے مجھے — میں کب چلا کہ بہ ہمراہ کارواں نہ ہوا

کہاں ترقی دُنیا کہاں ترقی دین — غبار لاکھ اٹھا پھر بھی آسماں نہ ہوا

یہ باغ سبز تو دنیا کا چیز ہی کیا ہے — یہ طالب آپ کا تو طالبِ جناں نہ ہوا

سب ایک رنگ میں ہیں اہلِ دیر و اہلِ حرم — وہ کون ہے کہ جو گرویدۂ بتاں نہ ہوا

زمانہ بھر ہے جو سرشارِ غفلت و مستی — یہ دورِ جام ہوا دورِ آسماں نہ ہوا

فروتنی کی بدولت ہے یہ عروجِ فلک — نہ جب تک آ گئے جھک کاسہ کے آسماں نہ ہوا

گلا نہ گھونٹے ہمارا نہ ہوں گے ہم ناصح — اگر یہ مشغلۂ نالہ و فغاں نہ ہوا

یہ دیکھ لو ہیں بڑھاپے میں مستیاں میری — وہ پیر ہوں کہ مقابل کوئی جواں نہ ہوا

وہ بچ کے بھی جو چلے غیر سے یہ غمزہ و ناز — کسی سے کیا کہیں کیا کیا ہمیں گماں نہ ہوا

جہاں وہ آئے تصور میں میں ہو لیے خود — مکین جب ہوا پیدا تو پھر مکاں نہ ہوا

نہ رد ہوئی کوئی بیجا بھی بات غیروں کی — کچھ التفات سوئے عرضِ بیکساں نہ ہوا

تمہارے حسن کی شہرت کہاں کہاں نہ ہوئی
ہمارے عشق کا چرچا کہاں کہاں نہ ہوا

○

کروں ناصح میں کیوں کر ہائے یہ عدہ نہ دیکھوں گا
نظر پڑ جائے گی خود ہی جو دانستہ نہ دیکھوں گا

نگاہِ ناز کو تیری میں شرمندہ نہ دیکھوں گا
ہٹائے لیتا ہوں اپنی نظر اچھا نہ دیکھوں گا

جہاں میں کیا نہ دیکھا اور ابھی کیا کیا نہ دیکھوں گا
مگر مجذوبؔ سا عاشق کوئی دیکھا نہ دیکھوں گا

صنم خانہ نہ دیکھوں گا کہ میں کعبہ نہ دیکھوں گا
نہ لوں گا چین جب تک وہ رخِ زیبا نہ دیکھوں گا

تماشے پردہ ہائے چشم میں کیا کیا نہ دیکھوں گا
کبھی اپنے کو تنہائی میں بھی تنہا نہ دیکھوں گا

نہ کر پردہ نہ کر پردہ ارے آجا نہ دیکھوں گا
چلا آ بے محابا ہاں چلا بھی آ نہ دیکھوں گا

نہ دیکھوں گا حسینوں کو ارے توبہ نہ دیکھوں گا
تقاضا لاکھ تو کر لے دلِ شیدا نہ دیکھوں گا

بلا سے میں اگر رو رو کے بینائی بھی کھو بیٹھوں
کروں گا کیا ان آنکھوں کو جو وہ جلوہ نہ دیکھوں گا

کرے گا تو کرم کب تک رکے آنکھوں میں دم کب تک
عدم کی راہ لیتا ہوں بس اب رستہ نہ دیکھوں گا

نہ روکوں گا میں نالوں کو نہ لوں گا چین میں جب تک
تجھے مائل ادھر اے حسنِ بے پروا نہ دیکھوں گا

اٹھاؤں گا نہ زانو سے میں ہرگز اپنا سر ہمدم
ارے میں اپنی آنکھوں سے انہیں جاتا نہ دیکھوں گا

بلا سے میرے دل پر میری جاں کچھ بھی گذر جائے
میں تیری خاطرِ نازک کو آزردہ نہ دیکھوں گا

حسینوں سے وہی پھر حضرتِ دل دیدہ بازی ہے
ابھی تو کر رہے تھے آپ یہ دعویٰ نہ دیکھوں گا

ترستا رہتا ہوں دن بھر تڑپتا رہتا ہوں شب بھر
ترا منہ صبح اٹھ کر اے بتِ ترسا نہ دیکھوں گا

وہ کہتے ہیں نہ سمجھوں گا تجھے مجذوب میں عاشق
کہ جب تک کوچہ و بازار میں رسوا نہ دیکھوں گا

ذرا اے ناصحِ فرزانہ چل کر سن تو دو باتیں
نہ ہوگا پھر بھی تو مجذوب کا دیوانہ دیکھوں گا

○

دن کٹھن ہے تو رات بھاری ہے — زندگی کیا نفس شماری ہے
یادِ دلبر ہے نزع طاری ہے — نبض ساکت ہے قلب جاری ہے
اشکباری یہ اشکباری ہے — چشمۂ فیض ان کا جاری ہے
غم میں کیا زندگی ہماری ہے — بس یہ کہیئے کہ سانس جاری ہے
جب کھلی آنکھ آہ جاری ہے — نیند کیا ہے یہ شب گذاری ہے
یہ نظر بھی عجب تمہاری ہے — ابھی مرہم ابھی کٹاری ہے

زندگی بھی یہ کب ہماری ہے　　　جان بخشی ہوئی تمہاری ہے

آہ و زاری ہے اشکباری ہے　　　مہربانی یہ سب تمہاری ہے

بے خودی میں بھی ہوشیاری ہے

اب بھی مجذوبؔ سب پہ بھاری ہے

○

کچھ انتہا ہے بھلا آپ کے ستانے کی　　　کہ حس بھی اب نہیں باقی ستائے جانے کی

بھری ہیں دل میں تمنائیں اک زمانے کی　　　سنائیے نہ خبر یہ ابھی سے جانے کی

بہار زیست ہیں نیرنگیاں زمانے کی　　　کہی یہ بات تو مجذوبؔ نے ٹھکانے کی

یہ اللہ اللہ کشش تیرے آستانے کی　　　ہلا سکیں نہ مجھے گردشیں زمانے کی

نگاہیں تجھ پہ ہیں مجذوبؔ اک زمانے کی　　　بھلا یہ عشق کوئی چیز ہے چھپانے کی

کبھی بکا، کبھی آواز کھلکھلانے کی　　　میں اپنے جذب میں تصویر ہوں زمانے کی

ادا یہ دیکھ کے عاشق کو مسکرانے کی　　　حضور رکھتی ہے رسوائیاں زمانے کی

بس اپنے آپ کو راہِ طلب میں گم کر دو　　　یہی سبیل ہے اب ڈھلر کے پانے کی

پڑھی حکایت مجنوں سن اب غمِ مجذوبؔ

یہ ہے فسانہ وہ تمہید تھی فسانے کی

○

○

جو ہم ترک علائق کر کے کوئے یار میں آئے
تو خارستاں سے گویا گلشنِ بے خار میں آئے

یکایک کھل گئیں آنکھیں جو بزمِ یار میں آئے
اُٹھے پردے ہٹیں تاریکیاں انوار میں آئے

گدا کی حیثیت ہی کیا کہ وہ دربار میں آئے
نہیں دشوار بھی کچھ گر مزاجِ یار میں آئے

مزے صحت سے بڑھ کر عشق کے آزار میں آئے
نہ ہرگز فرق یارب حالتِ بیمار میں آئے

تری شیریں زبانی کیا بھلا گفتار میں آئے
مزے اقرار کے ہم کو ترے انکار میں آئے

خجل محجوب، شرمندہ، پشیماں، خوار، نافرماں
غلامِ روسیہ کیا لے کے منہ دربار میں آئے

کنارے آلگے دن اب تو شاہا قید زنداں کے
ابھی چھوٹے ابھی نکلے ابھی سرکار میں آئے

غزل خواں، شادماں، رقصاں، گہے گریاں، گہے خنداں
عجب انداز سے ہم کوچۂ دلدار میں آئے

یہاں کیسی فضا کیسے مزے کیسی بہاریں ہیں
یہ ہم گلزار میں آئے کہ بزمِ یار میں آئے

مقامِ وجد ہے اے دل مگر جائے ادب بھی ہے
بڑے دربار میں پہنچے بڑی سرکار میں آئے

نکلنا پھر گلی سے ہو چکا تیرے نحیفوں کا
رہے دب کر وہیں گر سایۂ دیوار میں آئے

نہ تھا انکار اپنا نفرتِ مے کے سبب ساقی
مزے قندِ مکرر کے ترے اصرار میں آئے

کہیں عشاق کے میلے کہیں جمگھٹ حسینوں کے
یہاں کیا آئے حسن و عشق کے بازار میں آئے

خلیل آسا چچا کوئی نہ میری چشمِ حق بیں میں
بہت گو مہر وش مہ رو لباسِ یار میں آئے

بلا سے نیند آئے یا نہ آئے نور بھی جائے
مگر ہاں ان کا جلوہ دیدۂ بیدار میں آئے

بڑھا ذوقِ شہادت اور بھی زخموں کی کثرت سے
نئے ہم کو مزے قاتل ترے ہر وار میں آئے

نہ کُڑھ ہمدم خلش کیسی کہ ہم درد آشنا ٹھہرے
مزے معشوق کی چھیڑوں کے نوکِ خار میں آئے

مہ و خورشید نے دن رات دیکھیں محفلیں کیا کیا
مگر بس کھل گئیں آنکھیں جب اس دربار میں آئے

انہیں کے باغِ حسن بے خزاں کا تو یہ گلچیں ہے
کہاں سے پھول اتنے دامنِ کہسار میں آتے

خدا رکھے سلامت واہ قاتل تیرا کیا کہنا
ہزاروں سر زمیں پر ایک ہی تلوار میں آئے

انہیں کے تو ہیں دونوں چشم و ابرو حرج ہی کیا ہے
جو مسجد چھوڑ کر ہم خانہ خمار میں آئے

یہ ہے کس کے خرامِ ناز کی تقلید اے خامہ
کہ آثارِ قیامت اب تری رفتار میں آئے

اِدھر ہیں رند مستی میں اُدھر ہیں وجد میں صوفی
مزے ہر رنگ والے کو مرے اشعار میں آئے

حسن این قصۂ عشق است در دفتر نمی گنجد
بس اے مجذوب رک کیا حالِ دل اشعار میں آئے

چھڑا کر جان اپنی بے طرح مجذوب بھاگا ہے
خدا ہی ہے جو پھر وہ لوٹ کر گھر بار میں آئے

○

مرے دل میں ورودِ جلوۂ جانانہ ہوتا ہے
یہ سب معمورۂ عالم ابھی ویرانہ ہوتا ہے

نیا تو بہ شکن جب داخلِ میخانہ ہوتا ہے
نہ پوچھو پھر جو رنگِ مجلسِ رندانہ ہوتا ہے

کہیں دیوانہ ہوتا ہے کہیں فرزانہ ہوتا ہے
تری زلفوں کا دیوانہ عجب دیوانہ ہوتا ہے

ترے ہوتے یہ کیا اے جلوۂ جانانہ ہوتا ہے
خبر لے کعبۂ دل پھر مرابت خانہ ہوتا ہے

طریقِ عشق میں جو جس قدر دیوانہ ہوتا ہے
وہ بس اتنا ہی اے اہلِ خرد فرزانہ ہوتا ہے

قیامت خیز میرا نعرۂ مستانہ ہوتا ہے
نہ چھیڑو چھیڑنے والو برا دیوانہ ہوتا ہے

حقیقت میں تو میخانہ جبھی میخانہ ہوتا ہے
ترے دستِ کرم میں جب کبھی پیمانہ ہوتا ہے

روانہ سوئے کعبہ یوں ترا مستانہ ہوتا ہے
کہ بوتل تو بغل میں ہاتھ میں پیمانہ ہوتا ہے

نظر کردہ ترا کب طالبِ پیمانہ ہوتا ہے
تری اک اک نظر میں کیف صد میخانہ ہوتا ہے

عبث تو معترض اے ناصحِ فرزانہ ہوتا ہے
مقدر سے کوئی مجذوب سا دیوانہ ہوتا ہے

کبھی عالم گلستاں اور کبھی ویرانہ ہوتا ہے
جو ہوتا ہے بپاسِ خاطرِ دیوانہ ہوتا ہے

میں اے پیرِ مغاں جب تک نہیں پیتا نہیں پیتا
مگر پینے پہ آتا ہوں تو خم پیمانہ ہوتا ہے

مگر اے محتسب تجھ کو بھی ہے کچھ ذوق رندی کا
جبھی آتا ہے تو جب رنگ پر میخانہ ہوتا ہے

بظاہر دیکھنے میں ہوتی ہے سج دھج فقیرانہ
دماغ ان کے گداؤں کا مگر شاہانہ ہوتا ہے

بہار آئی ہوا سودا خزاں آئی بڑھی وحشت
جو ہوتا ہے بپاسِ خاطرِ دیوانہ ہوتا ہے

لہو کے گھونٹ اے ساقی کوئی کب تک پئے جائے
بس اب لبریز میرے صبر کا پیمانہ ہوتا ہے

نہ ڈینگیں مار اے شیخِ حرم تو آکے رندوں میں
ہمیں معلوم ہے جو کچھ درونِ خانہ ہوتا ہے

کبھی پیشِ نظر وہ گل کبھی نظروں سے پوشیدہ | کبھی عالم گلستاں اور کبھی ویرانہ ہوتا ہے
مرے اشعار کیا ہیں سر بسر میرے سوانح ہیں | مرا ہر شعر میرے دل کا اک افسانہ ہوتا ہے
خوشامد میں ہیں سب مجذوبؔ کی وہ رخ نہیں کرتا | ترے عاشق میں بھی اندازِ معشوقانہ ہوتا ہے
پہنچنے کو ہے تا حدِّ سکوں مجذوبؔ کی شورش | ہمیشہ کے لئے خاموش اب دیوانہ ہوتا ہے

نہیں مجذوبؔ دم بھر کو بھی تیری یاد سے غافل
بڑا ہشیار مطلب کا ترا دیوانہ ہوتا ہے

○

شبِ فرقت کی تاریکی کو یوں ہم دور کرتے ہیں
کہ اپنی آہ سے روشن چراغِ طور کرتے ہیں
کوئی جا کر کہے غم کس لئے مہجور کرتے ہیں
وہ دل سے پاس رکھتے ہیں نظر سے دُور کرتے ہیں

سنبھل جاؤ کہ ہم شرحِ دلِ رنجور کرتے ہیں
ہمارے نالہ ہائے زار نفخِ صور کرتے ہیں
وہ اوّل تیغ کی زد سے ہر اک کو دُور کرتے ہیں
مگر جب وار کرتے ہیں تو پھر بھرپور کرتے ہیں

کریں کیا ہم تو حالِ دل بہت مستور کرتے ہیں
پسِ پردہ جو بیٹھے ہیں وہ خود مشہور کرتے ہیں
وہ پہلے غم دیا کرتے ہیں پھر مسرور کرتے ہیں
تسلی ہم تری اے خاطرِ رنجور کرتے ہیں

نہیں ہوتا نہیں ہوتا کسی عنوان غم ہلکا
بہت تدبیر تسکینِ دلِ رنجور کرتے ہیں

دکھا اے معترض دنیا میں صیقل گر کوئی ان سا
سراپا غرق ظلمت کو سراپا نور کرتے ہیں

مزا آتا ہے ان کو چھیڑنے میں اپنے عاشق کے
کبھی مغموم کرتے ہیں کبھی مسرور کرتے ہیں

کسی کو یاد آیا خلد میں بھی لکھنؤ برسوں
مگر ہم لکھنؤ میں یاد سیتاپور کرتے ہیں

زمیں کے نیچے جا کر خاک میں اک روز ملنا ہے
زمیں پر رہ کے ناحق سرکشی مغرور کرتے ہیں

تمہارے حسن ہی سے فیض لیتے ہیں حسیں سارے
ستارے مہر سے جس طرح کسبِ نور کرتے ہیں

چڑھایا سر پہ ان کو پاؤں پر رکھ رکھ کے سر اپنا
قصور ان کا نہیں ہم خود انہیں مغرور کرتے ہیں

لگا دیتے ہیں ایسی اور اتنی وصل میں شرطیں
کہ وہ منظور کرنے میں بھی نامنظور کرتے ہیں

ادا سے دیکھ لیتے ہیں میں جب جلنے کو کہتا ہوں
پھر اس پر کہتے ہیں ہم کب تمہیں مجبور کرتے ہیں

طبیبوں کی سمجھ میں تو مرض آتا نہیں اپنا
کہاں ہیں جو مداولئے دلِ رنجور کرتے ہیں

غنی کر رکھا ہے اس ایک نے ہم کو دو عالم سے
پری کی ہم کو خواہش ہے نہ شوقِ حور کرتے ہیں

بصد منت ہوئے وہ وصل پر راضی یہ فرما کر
بہت تنگ آپ کرتے ہیں بہت مجبور کرتے ہیں

وہ بولے میرے عذرِ ہرزہ گوئی پر نہیں حضرت
بہت ممنون کرتے ہیں بہت مسرور کرتے ہیں

ہے چشمِ حیرت اب آئینۂ حالِ دلِ مضطر
عبث ضبطِ فغاں پر وہ ہمیں مجبور کرتے ہیں

شرابیں سیکڑوں ساقی ہزاروں بادہ کش لاکھوں
میں اُن کا مست ہوں نظروں سے جو مخمور کرتے ہیں

ہمیشہ ہم تو کر لیتے ہیں توبہ شعر خوانی سے
کریں کیا چھیڑ کر احباب پھر مجبور کرتے ہیں

سبھی کچھ ہو رہی ہے گفتگو آنکھوں ہی آنکھوں میں
نہ ہم کچھ ذکر کرتے ہیں نہ وہ مذکور کرتے ہیں

بسے رہتے ہیں وہ ہر دم ہمارے دیدۂ و دل میں
جو اپنے نور سے ذرّے کو رشکِ طور کرتے ہیں

لگی ہے آنکھ اس پر پردۂ ہستی کب اٹھتا ہے
ہیں کان اس پر کب اسرافیل نفخِ صور کرتے ہیں

گدائی کی تری اللہ اکبر شانِ عالی ہے
کہ آ کر جبہ سائی قیصر و فغفور کرتے ہیں

کوئی زاہد ہیں ہم واعظ سنا کچھ اور رندوں کو
عبادت تو وہی، بہرِ قصور و حور کرتے ہیں

نرالے خود تو ہیں نفرت بھی اب ان کی نرالی ہے
چڑھا دیتے ہیں سولی پہ جسے منصور کرتے ہیں

وہ اس کو یاد کرتے ہیں جو ان کو یاد کرتا ہے
شرف تو دیکھیے ذاکر کو وہ مذکور کرتے ہیں

شکایت کرنے والوں کو کہیں ہم اور کیا ہمدم
ہمیں ممنون اپنے آپ کو ماجور کرتے ہیں

طلب ہی ان کو ہے مقصود جو ہیں طالبِ صادق
وہ کب اندیشۂ منظور و نامنظور کرتے ہیں

کشیدِ مے کا بھی ساماں ہوا ہے سوزِ غم ساقی
اگر دل کو بھی پھوڑے خوشۂ انگور کرتے ہیں

مقرب تو بنا رکھا ہے ان کم ظرف اعدا کو
خبر بھی ہے کہ وہ جا جا کے کیا مشہور کرتے ہیں

ہمارے زہد میں بھی زاہدو اک شانِ رندی ہے
بیادِ بادہ اکثر نوش ہم انگور کرتے ہیں

رگ و پے میں ہمارے بجلیاں سی دوڑ جاتی ہیں
اندھیرے میں جو ہم یادِ رُخِ پر نور کرتے ہیں

ہم ان پر صدقہ ہو کر کر رہے ہیں زندگی حاصل
بلائیں ان کی لے لے کر بلائیں دُور کرتے ہیں

کہیں شانِ ہوالظاہر کہیں شانِ ہوالباطن
اسے گمنام کرتے ہیں اسے مشہور کرتے ہیں

دلوں کو کھینچتی ہے اور ان کی شانِ استغنا
ہزار آزادیاں دیں پھر بھی وہ مجبور کرتے ہیں

رلاتا ہے لہو ہر دم تصور تیری پلکوں کا
یہی وہ تیر ہیں آنکھوں میں جو ناسور کرتے ہیں

کفن لیتے ہیں نورِ ماہ سے کشتۂ شبِ فرقت
بیاضِ صبح سے بیکس طلب کافور کرتے ہیں

عجب کچھ ہوتی ہے تحریر کی یہ شانِ الیلی
کسی خط میں جو حالِ جذب ہم مستور کرتے ہیں

پڑھا کرتا ہے دل ہر دم سبق شوقِ تجلّی کا
تلاوت رات بھر ہم سورۂ والطّور کرتے ہیں

بدن بھی اس کا ہو جاتا ہے حکمِ روح میں سارا
وہ جس کے دل کو اپنے نور سے معمور کرتے ہیں

عجب سرکار ہے ان کی ستم ہی میں کرم دیکھا
وہی مقبول ہوتا ہے جسے مقہور کرتے ہیں

لگاتے ہو بھلا اے اہلِ فتویٰ کس پہ تم فتویٰ
قواعد شرع کے مجذوبؔ کو معذور کرتے ہیں

○

پسِ پردہ تجھے ہر بزم میں شامل سمجھتے ہیں
کوئی محفل ہو اس کو ہم تری محفل سمجھتے ہیں

بڑے ہشیار ہیں وہ جن کو سب غافل سمجھتے ہیں
نظر پہچانتے ہیں وہ مزاجِ دل سمجھتے ہیں

مسیحائے جہاں ہے جس کو سب قاتل سمجھتے ہیں
مگر اس نکتۂ باریک کو عاقل سمجھتے ہیں

وہ خود کامل ہیں مجھ ناقص کو جو کامل سمجھتے ہیں
وہ حسن ظن سے اپنا ہی سا میرا دل سمجھتے ہیں

ہم اس مردہ دلی کو زندگیٔ دل سمجھتے ہیں
ہم اس بے حاصلی کو عشق کا حاصل سمجھتے ہیں

سمجھتا ہے غلط لیلیٰ کو لیلیٰ قیس دیوانہ
نظر والے تو لیلیٰ کو بھی اک محمل سمجھتے ہیں

یہی تو پیچ و تاب اک دن ہمیں وجہ سکوں ہوگا
اسی گرداب بحرِ غم کو ہم ساحل سمجھتے ہیں

سمجھتے ہیں ترے ملنے کو بس ہم تیری مرضی پر
نہ ہم آساں سمجھتے ہیں نہ ہم مشکل سمجھتے ہیں

سمجھتا ہے گنہ رندی کو تو اے زاہد خود بیں
پر ایسے زہد کو ہم کفر میں داخل سمجھتے ہیں

بھلا ہو خاک ہم مردہ دلوں کو شوقِ آرائش
ہم اپنے جسمِ خاکی کو مزارِ دل سمجھتے ہیں

میں وہ گم کردہ منزل ہوں کہ رہروِ راہِ الفت کے
مرے ہر نقشِ پا کو اپنی اک منزل سمجھتے ہیں

وہی اہل نظر ہیں جن کو ہے دیدار کی حسرت
جو بیدل ہیں انہیں کو ہم تو اہلِ دل سمجھتے ہیں

جو اہلِ عقل ہیں کہتے ہیں وہ دیوانہ سودائی
جو اہلِ دل ہیں وہ مجذوبؔ کو عاقل سمجھتے ہیں

○

ہجو مے پی جائیں ہم ردّ مذمّت کیا کریں
چپ رہیں واعظ ہے مجنوں اس سے حجت کیا کریں

تو ہی سوچ لے فکرِ عالی وصفِ قامت کیا کریں
سرزمینِ شعر میں برپا قیامت کیا کریں

مرتے دم اُف کر کے افشا راز الفت کیا کریں
عمر بھر کی جانفشانی دم میں غارت کیا کریں

بخت ہی بد ہو تو اے شوقِ شہادت کیا کریں
رکھ دیا پیروں پہ سر اب اور منّت کیا کریں

ہمدموں سے ہائے انکارِ محبت کیا کریں
اشک کہہ جاتے ہیں آ کر دل کی حالت کیا کریں

نزع میں اے بیکسی اشکوں سے قبل از مرگ ہی
خود کئے لیتے ہیں اپنا غسل میت کیا کریں

جذبِ دل سے ہم انہیں اے چشم حیراں کھینچ لاتے
اب بھی گر تجھ کو نہ سوجھیں تیری قسمت کیا کریں

پیش کرتا ہے تصوّر تیری صورت جوں سراب
تشنۂ دیدار اس سے حاصل غیر حسرت کیا کریں

شش جہت میں عاشقی کے ایک رونا ہو تو روئیں
رنج و غم ماتم الم افسوس و حسرت کیا کریں

رُخ پہ چھینٹے اشک کے دیتے ہیں بالیں پر کھڑے
اور مجھ بے ہوش کی ہمدم عیادت کیا کریں

زخم دیں کیا مُنھ سے اے کانِ ملاحت دادِ حسن
محو ہیں لطفِ نمک میں شرحِ لذت کیا کریں

وہ تو پھر بھی غیر ہیں دل اپنا بیگانہ ہوا
عشق میں ہم بیوفائی کی شکایت کیا کریں

منتظر بیٹھے ہیں مدت سے انہیں جانا ہے گھر
اور نکلتی ہی نہیں یاں دل سے حسرت کیا کریں

لو بٹھایا عشق نے کس کوچۂ تاریک میں
جس طرف چلئے ہے اک کوہِ مصیبت کیا کریں

علم الفت پڑھ چکے اے حضرت استادِ عشق
نقدِ جاں حاضر ہے لیجے اور خدمت کیا کریں

اس زمیں پر خوب اسپِ طرح نے جوہر دکھائے
گو ردیف اک سدِّرہ تھی فی الحقیقت کیا کریں

○

کوئی دل لگی دل لگانا نہیں ہے
غلامی ہے یہ دوستانہ نہیں ہے

جو قسمت میں وہ آستانہ نہیں ہے
تو پھر کوئی میرا ٹھکانا نہیں ہے

مرا قصۂ غم سنو دل لگا کر
کہ یہ واقعہ ہے فسانہ نہیں ہے

بشر پھر تو ہے ایک مٹّی کا تودہ
طبیعت اگر عاشقانہ نہیں ہے

سمجھ عشق سے حسن کو بھی نہ خالی
محبت تو ہے والہانہ نہیں ہے

میں اس اپنی فطرت کو ناصح کروں کیا
نصیحت تری عاقلانہ نہیں ہے

خزاں میں کہاں اب وہ سیرِ گلستاں
قفس ہے یہ اب آشیانہ نہیں ہے

وہ تیرِ بلا کا نشانہ ہے اے دل
جو تیرِ نظر کا نشانہ نہیں ہے

ترنم تو ہے طبع موزوں سے پیدا
یہ رونا ہے گانا بجانا نہیں ہے

نصیحت کا تیری اثر کیا ہو ناصح
نصیحت تو ہے مشفقانہ نہیں ہے

نظر آئے مجذوبؔ بزمِ بتاں میں
کوئی شے بعید از زمانہ نہیں ہے

نہ کر طعن مجذوبؔ پیرانہ سر پر
محبت کا کوئی زمانہ نہیں ہے

یہ پیری ہے مجذوبؔ اب ہوش میں آ
یہ بدمستیوں کا زمانہ نہیں ہے

○

میں ہوں اور قید قفس ہے عمر بھر میرے لئے
نوچ ڈالوں اب عبث ہیں بال و پر میرے لئے

غم نہیں زنداں کا در ہے بند اگر میرے لئے
سر جدھر ٹکرا دیا پیدا ہے در میرے لئے

سوزِ فرقت سے تھی دنیا اک سقر میرے لئے
رو رہا ہے تو عبث اے نوحہ گر میرے لئے

اب کہوں کب تک دعا یہ کردہ کر میرے لئے
ہو وہ جانِ دو جہاں المختصر میرے لئے

ہر دوا ہوتی ہے ثابت بے اثر میرے لئے
زہر اب تجویز ہو اے چارہ گر میرے لئے

اس کے بدلے میں کہ دنیا تھی سقر میرے لئے
کھل گئے ہیں قبر میں جنت کے در میرے لئے

وہ نہیں ہے فتنہ گر یہ ہے سزا اعمال کی
یہ ہے میری ذات خود ہی فتنہ گر میرے لئے

یہ مرا دل اور جگر اور سر تو ان کے واسطے
دردِ دل دردِ جگر اور دردِ سر میرے لئے

یہ سمجھ لو نزع میں بس تم نے منہ پھیرا نہیں
اور اِدھر کی ہو گئی دنیا اُدھر میرے لئے

غیر کو تو مل گیا ہے مژدہ وصلِ یار کا
کیا خبر لاتا ہے دیکھوں نامہ بر میرے لئے

میں تو بہرِ قتل حاضر ہوں مگر یہ یاد رکھ
تو ہی ظالم روئے گا پھر عمر بھر میرے لئے

آبِ زر سے لکھ چکا جب حسن کا افسانہ، میں
عشق بولا چاہیئے خونِ جگر میرے لئے

کر دیا تن سے جُدا قاتل بڑا احساں کیا
تھا جنوں میں اک وبالِ دوش سر میرے لئے

ہائے دل کس کس کو دوں دنیا کی دنیا ہے حسیں
اک بلائے جان ہے یہ حسنِ نظر میرے لئے

کاٹ کر پَر چھوڑ رکھا ہے مجھے صیاد نے
اے ہوائے شوق ہو جا تو ہی پَر میرے لئے

کچھ نہ ساقی نے سُنا ہر چند میں کہتا رہا
صدقہ ان آنکھوں کا ہاں اک جام اِدھر میرے لئے

وجہِ آزادی تھے جب تک تھا میں بیرونِ قفس
اب قفس اندر قفس ہیں بال و پر میرے لئے
کہتے ہیں جھلا کے وہ مجذوبؔ کی سن سن کے بڑ
اک وبالِ جاں ہے یہ شوریدہ سر میرے لئے

○

پابندِ محبت کبھی آزاد نہیں ہے
اس قید کی اے دل کوئی میعاد نہیں ہے

غم تو ہیں مگر شکوہ و فریاد نہیں ہے
ناشاد بھی عاشق نہیں گو شاد نہیں ہے

نالہ نہیں شیون نہیں فریاد نہیں ہے
جیسے کوئی مجھ پہ تری بیداد نہیں ہے

دن رات ترے ذکر سے اور فکر سے ہے کام
کچھ اور سوا اس کے مجھے یاد نہیں ہے

ارماں ہیں تو ہوں بے ترے خاک اُڑتی ہے دل میں
آباد بھی ہونے پہ یہ آباد نہیں ہے

کیا نزع کے عالم ہی میں رکھنا ہے ہمیشہ
کیوں کچھ لبِ جاں بخش سے ارشاد نہیں ہے

محفل میں جھجکتا ہوں میں کرتے ہوئے نالے
کچا ہوں ابھی مجھ کو سبق یاد نہیں ہے

کیا باغ میں رہنے کا مزہ جب ہو یہ کھٹکا
بیٹھا تو کہیں تاک میں صیاد نہیں ہے

صیاد کے جو دامِ محبت میں ہوا اس کو
گلزار سے کم خانۂ صیاد نہیں ہے

ہو جائیں سبھی اہلِ فنا شیخ جی کیوں کر
دنیا ہے یہ حضرت عدم آباد نہیں ہے

آزاد ہے مجذوبؔ تو ہستی سے بھی اپنی
جیسا ہے یہ ایسا کوئی آزاد نہیں ہے

مجذوبؔ سے مدہوش کے لب پر یہ حقائق
یہ کیا ہے جو اللہ کی امداد نہیں ہے

کہیں مجھ سے پیرانہ سر اور بھی ہیں — کہ جذبات اب زور پر اور بھی ہیں

رقیبوں کا صدقہ ادھر بھی کبھی رُخ — کہ امیدوارِ نظر اور بھی ہیں

ابھی مطمئن ہو نہ ان کی طرف سے — ابھی جورِ زیرِ نظر اور بھی ہیں

انہیں ہائے اے ضبط اس کی خبر کیا — کہ بسمل پہ تیرِ نظر اور بھی ہیں

جو ابھرے نہیں ہیں وہ ہیں اور بدتر — ابھی داغ دل چارہ گر اور بھی ہیں

نہ اترا فلک میرے قلب و جگر دیکھ — مہ و مہر تابندہ تر اور بھی ہیں

نہ لے برق تاک ایک ہی آشیاں کو — کہ بر شاخ ہائے دگر اور بھی ہیں

نہیں موت پر ختم سارے مصائب — ابھی امتحانِ بشر اور بھی ہیں

یہی قول رہبر ہے منزل بہ منزل — مراحل ابھی ہم سفر اور بھی ہیں

نہ پھیر اُف ابھی چشمِ مست اپنی ساقی — ابھی تشنہ کامِ نظر اور بھی ہیں

ہماری سحر بدتر از شامِ غم ہے — ہم اب ہائے دور از سحر اور بھی ہیں

نہ مجذوب رکھ کام اک جذب ہی سے — اہم کار ہائے دگر اور بھی ہیں

وہ مجذوب آیا گرجتا برستا — کہو پھر تو شوریدہ سر اور بھی ہیں

نہ مجذوب ہو جذب پر اپنے نازاں
کہ عاشق بہ شانِ دگر اور بھی ہیں

○

آئینہ[1] بنتا ہے رگڑے لاکھ جب کھاتا ہے دل
کچھ نہ پوچھو دل بڑی مشکل سے بن پاتا ہے دل

عشق میں دھوکے پہ دھوکے روز کیوں کھاتا ہے دل
ان کی باتوں میں نہ جانے کیوں یہ آجاتا ہے دل

فصل گل میں سب تو خنداں ہیں مگر گریاں ہوں میں
جب چمک جاتی ہے بجلی یاد آجاتا ہے دل

ایک وہ دن تھے، محبت سے تھا لطف زندگی
اب تو نام عشق سے بھی سخت گھبراتا ہے دل

کچھ نہ ہم کو علم رستے کا نہ منزل کی خبر
جا رہے ہیں بس جدھر ہم کو لئے جاتا ہے دل

لاکھ کر لیتا ہوں عہد ان کو نہ دیکھوں گا کبھی
کچھ نہیں چلتی ہے اپنی جب مچل جاتا ہے دل

پھیر لیتا ہوں نگاہیں روک لیتا ہوں خیال
اور یہاں اتنے میں ہاتھوں سے نکل جاتا ہے دل

○

نظارے ہوئے ہیں اشارے ہوئے ہیں ہم ان کے ہوئے وہ ہمارے ہوئے ہیں
فدا مہ جبیں جن پہ سارے ہوتے ہیں انہیں کے تو ہم ہائے مارے ہوئے ہیں

[1] مولوی عبدالوحید خاں صاحب کا انتہائی پسندیدہ مطلع ہے (مرتب)

دم نزع ان سے اشارے ہوئے ہیں — تو جینے کے اب کچھ سہارے ہوئے ہیں

جو آنکھوں سے خارج شرارے ہوئے ہیں — فلک پر پہنچ کر ستارے ہوئے ہیں

نہیں پاس کچھ ایک دل تھا سو وہ بھی — قمارِ محبت میں ہارے ہوئے ہیں

مزے وصل میں جو اٹھائے تھے لے دل — وہی اب جدائی میں آرے ہوئے ہیں

تو ہی ساتھ دے قبر کی بے کسی میں — کہ اب چھوڑ کر سب کنارے ہوئے ہیں

بجا ہے کہاں ہم سے ملنے کی فرصت — کہ اب آپ غیروں کے پیارے ہوئے ہیں

یہ قوسِ قزح کہکشاں ہو کہ ہالہ — یہ سب ہاران کے اتارے ہوئے ہیں

یہ بگڑا ہوا حال کیا دیکھتے ہو — تمہارے ہی تو ہم سنوارے ہوئے ہیں

نکلنے نہ دو خیر تم کوئی ارماں — چلو ہم بھی دل اپنا مارے ہوئے ہیں

دل آہنی کچھ تو آہوں سے پگھلا — وہ کچھ کچھ تو اب شرم مارے ہوئے ہیں

بتاؤ تو اس چشم سے حضرت دل — یہ دزدیدہ کیا کیا اشارے ہوئے ہیں

مرے منہ وہ آتے بھلا ان کا منہ تھا — یہ دشمن انہیں کے ابھارے ہوئے ہیں

وہ پیراہن گل ہو یا چادر مہ — انہیں کے تو کپڑے اتارے ہوئے ہیں

سبب اس نقاہت کا کیا پوچھتے ہو — جدائی کے صدموں کے مارے ہوئے ہیں

ہمیں طول روز جزا کیا ہے واعظ — ارے ہم شب غم گذارے ہوئے ہیں

نہیں کچھ بھروسہ کہ بر وقت وعدہ — عدو سے بھی کچھ کچھ اشارے ہوئے ہیں

رقیب اہل ظاہر ہے باتوں پہ خوش ہے — یہاں اس سے بڑھ کر اشارے ہوئے ہیں

سنیں عشق کی مشکلیں ہم نے ناصح — یہ سب خوب سوچے بچارے ہوئے ہیں

ہمیں ہوش اب کیا رہے تن بدن کا　　کہ مجذوب ان کے پکارے ہوئے ہیں

ارے روک مجذوب تو اپنی بڑ کو

کہ اب قافیے ختم سارے ہوئے ہیں

○

اے سوختہ جاں پھونک دیا کیا مرے دل میں

ہے شعلہ زن اک آگ کا دریا مرے دل میں

باقی نہیں اب کوئی تمنا مرے دل میں

موجود ہے عکس رُخ زیبا مرے دل میں

اب کیوں ہو کسی چیز کی پروا مرے دل میں

ہے عیش دو عالم کا مہیا مرے دل میں

مت پوچھ کہ جوش اٹھتے ہیں کیا کیا مرے دل میں

دن رات بس اک حشر ہے برپا مرے دل میں

ہے روز ازل سے ترا نقشہ مرے دل میں

رُخ پر ہے ترے خال سویدا مرے دل میں

رہ جائے نہ گنجائش دُنیا مرے دل میں

یوں دین سما جائے سراپا مرے دل میں

سینہ میں جو ہر دم ہے تجلّی کا یہ عالم

کیا عرش معلیٰ اتر آیا مرے دل میں

ہمدم جو مصائب میں بھی ہوں میں خوش و خرم

دیتا ہے تسلّی کوئی بیٹھا مرے دل میں

فرصت کسے نظارۂ نیرنگ جہاں کی
ہر لحظہ ہے اک طرفہ تماشا مرے دل میں

او پردہ نشیں میں ترے اس ناز کے قرباں
پنہاں مری آنکھوں سے ہویدا مرے دل میں

مدّت ہوئی روتے نہیں تھمتے مرے آنسو
شاید کہ در آیا کوئی دریا مرے دل میں

اُف اُف رے ستم ہائے تری نیم نگاہی
نکلا بھی نہیں تیر کہ بیٹھا مرے دل میں

سوجھے مجھے بس ظاہر و باطن میں توہی تو
آجا مری آنکھوں میں سما جا مرے دل میں

یہ برق صفت کون اٹھا دیتا ہے پردہ
ہو جاتا ہے اک دم جو اُجالا مرے دل میں

جو داغ نظر آتے ہیں وہ نقشِ قدم ہیں
پایا ہے جو اس شوخ نے رستا مرے دل میں

ہے عشق مجھے کس لب شیریں کا الٰہی
گر درد بھی اٹھتا ہے تو میٹھا مرے دل میں

بن جائے یہ سب قال مرا حال سراسر
جو کچھ ہے زباں پر ہو خدایا مرے دل میں

روتے ہوئے ہنس دیتا ہوں اک بار ہی مجذوب
آجاتا ہے وہ شوخ جو ہنستا مرے دل میں

○

کروں گا جمع میں ناکام تدبیر و توکل کو
بس اب جوڑوں گا میں تقدیر سے تدبیر کے ٹکڑے

میں اے شمشیر زن شمشیر کی شمشیر رکھتا ہوں
مری گردن اڑا دے گی تری شمشیر کے ٹکڑے

سمجھ کر اے خرد اس دل کو پابند علائق کر
یہ دیوانہ اڑا دیتا ہے ہر زنجیر کے ٹکڑے

اڑا دیتا ہے وہ زور قلم زور زباں ان کا
مری تحریر کے پرزے مری تقریر کے ٹکڑے

نہ چھوڑے گا دل زار اب ترا دامن نہ چھوڑے گا
اڑا دے بس تو ایسے خار دامن گیر کے ٹکڑے

میں کہنے کو تو ہوں مجذوب لیکن لوگ چنتے ہیں
مری تقریر کے فقرے مری تحریر کے ٹکڑے

○

خط نکلنے کو ہے اب اے شاہ حسن ‏ ‏ کر لے کچھ دن حکمرانی اور ہے

سب سے کہہ دیکھا نہ نکلا کارِ دل ‏ ‏ اب اجل ایک آزمانی اور ہے

مر گیا عاشق سبکدوشی ہوئی ‏ ‏ ان کو بس اب لاش اٹھانی اور ہے

ہو کے کہنہ جوش پر آتی ہے یہ ‏ ‏ دخترِ رز کی جوانی اور ہے

قصۂ مجنوں نہیں جو ہنس لئے ‏ ‏ مت سنو میری کہانی اور ہے

پوچھتی ہے یاس طنزاً نزع میں ‏ ‏ حسرتِ دنیائے فانی اور ہے

حشر تک بدلا کرے جوڑے فلک ‏ ‏ وہ دوپٹہ آسمانی اور ہے

مرتا رہتا ہوں بتوں پر اے خضر ‏ ‏ کچھ یہ لطف زندگانی اور ہے

آ کے خط کر دے گا سب پردہ دری ‏ ‏ کچھ دنوں کی لن ترانی اور ہے

لے لیا ہے عرصۂ محشر کو ہاں ‏ ‏ دو قدم یہ سخت جانی اور ہے

گو نوید وصل قاصد لائے ہیں ‏ ‏ پر خبر دل کی زبانی اور ہے

یوں تو ہیں مجذوبؔ دریا بھی رواں
میرے شعروں میں روانی اور ہے

○

ٹکڑے ٹکڑے ترے ہاتھوں یہ مرا دل ہو جائے
کسی قابل جو نہیں وہ اسی قابل ہو جائے

نگہ لطف ترس کھا کے جو مائل ہو جائے
یہ مری مردہ دلی زندگیٔ دل ہو جائے

بن کے آئینہ جو اُس رُخ کے مقابل ہو جائے
پھر تو یہ دل مرا دل کہنے کے قابل ہو جائے

راہ الفت میں یہ واضح تجھے اے دل ہو جائے
یہ وہ رستہ نہیں جس میں کہیں منزل ہو جائے

جس جگہ بیٹھ رہوں تھک کے وہ منزل ہو جائے
جس جگہ ڈوب کے رہ جاؤں وہ ساحل ہو جائے

کچھ بھی مجنوں جو بصیرت تجھے حاصل ہو جائے
تو نے لیلیٰ جسے سمجھا ہے وہ محمل ہو جائے

جو بھی ہونا ہے اِدھر یا اُدھر اے دل ہو جائے
دو بدو آج تو اُن سے سرِ محفل ہو جائے

آج تو وہ نظر اے مرشدِ کامل ہو جائے
یہ جو مجذوب ہے سر تا بہ قدم دل ہو جائے

اپنے دل کی میں حقیقت کا خلاصہ کہہ دوں
حسرتیں سب کی جو مل جائیں مرا دل ہو جائے

اب تو اے ضبط یہ آہیں نہیں سانسیں ہیں مری
روک لوں اُن کو تو جینا مجھے مشکل ہو جائے

ڈر یہ ہے ملنا نہ ہو جائے ترا ناممکن
غم نہیں اس کا کہ مشکل سے بھی مشکل ہو جائے

حسن اور عشق سے مل جائے اماں ناممکن
ہائے کیوں کر کوئی بے دیدہ و بیدل ہو جائے

چین قسمت ہی میں میری نہیں اے چارہ گرو
مشکل آسان ہو تو آسان مجھے مشکل ہو جائے

حاصل عشق یہی ہے کہ نہ ہو کچھ حاصل
اس کو حاصل ہی نہ سمجھو کہ جو حاصل ہو جائے

اک عجب طرفہ تماشہ ہے طبیعت میری
بزم خلوت ہو تو خلوت مجھے محفل ہو جائے

دل ہی دلبر ترا بن جائے یہ پھر اے مجذوبؔ
دل ہی دل میں جو فنا آرزوئے دل ہو جائے

○

راسخ تصورِ رخِ دلدار ہو گیا
اب وہ مزا ہے جیسے کہ دیدار ہو گیا

دم ضبطِ غم سے آہِ شرر بار ہو گیا
اف اب تو سانس لینا بھی دشوار ہو گیا

کھلتے ہی ایک مجمع اغیار ہو گیا
میرے لئے تو در ترا دیوار ہو گیا

جب سے کسی کا محرم اسرار ہو گیا
اغیار و یار سب سے میں بیزار ہو گیا

بے پردہ کس کا جلوۂ رخسار ہو گیا
عالم تمام مطلع انوار ہو گیا

میخانہ تیرے دور میں بے کار ہو گیا
جس پر نگاہ کی وہی سرشار ہو گیا

ہر سو ہیں مستیاں مرے ساقی کے دور میں
عالم تمام خانۂ خمار ہو گیا

جب کام کا نہ تھا تو میں سرگرم کار تھا
جب کام کا ہوا تو میں بیکار ہو گیا

زعمِ عبور جن کو تھا وہ غرق ہو گئے
میں ڈوبنے گیا تھا مگر پار ہو گیا

پردے تعیّنات کے جس دن سے اُٹھ گئے
عالم تمام جلوہ گہہ یار ہو گیا

اپنے کو بے گناہ سمجھنا ہے خود گناہ
میں عذر کر کے اور گنہگار ہو گیا

بستی سے تم چلے تو وہ ویرانہ ہو گیا
جنگل کو رُخ کیا تو وہ گلزار ہو گیا

منصور کی زباں پہ تھا خود قول یار کا
اتنی سی بات جس کا یہ طومار ہو گیا

میں حدِ احتساب سے خارج ہوں محتسب
میں اس کو مست دیکھ کے سرشار ہو گیا

جو سرِّ حسن تھا وہ سرِ طور کھل چکا
افشائے رازِ عشق سرِ دار ہو گیا

مجذوبؔ تو نے پست کئے سب کے حوصلے
کتنا بلند عشق کا معیار ہو گیا

○

کچھ نہ پوچھو کیا ہوا کیوں کر ہوا
جو ہوا جیسا ہوا بہتر ہوا

کیا بھلا ہو میری مرضی کے خلاف
وہ جو حسبِ مرضیِ دلبر ہوا

جب توقع اٹھ گئی مخلوق سے
مجھ پہ فضلِ خالقِ اکبر ہوا

بند جب سب در ہوئے میرے لئے
غیب سے پیدا نیا اک در ہوا

ہو گیا پارس پہنچتے ہی وہاں
دل اگر پتھر سے بھی بڑھ کر ہوا

حد بھی کچھ اے خامۂ حسرت رقم
لکھ بھی چک خط کیا ہوا دفتر ہوا

ہو گئے جب راستے مسدود سب
جذب خود مجذوبؔ کا رہبر ہوا

کسی کو تصور میں لاتا چلا جا — سرِ راہ آنکھیں بچھاتا چلا جا

محبت میں آنسو بہاتا چلا جا — پئے یار موتی لٹاتا چلا جا

خرد، ہوش و حس سب گنواتا چلا جا — نشانات ہستی مٹاتا چلا جا

زمانے کو عاشق بناتا چلا جا — محبت کی دولت لٹاتا چلا جا

رلاتا چلا جا ہنساتا چلا جا — لگاتا چلا جا بجھاتا چلا جا

مئے عشق پیتا پلاتا چلا جا — شرابِ محبت لنڈھاتا چلا جا

دکھانے کو روتا رلاتا چلا جا — مگر زیرِ لب مسکراتا چلا جا

وہاں آمد و شد رہے روز افزوں — محبت کی پینگیں بڑھاتا چلا جا

جو سب کچھ ہو برباد مطلق نہ غم کر — بس اک خیر دل کی مناتا چلا جا

نہ رک ہائے ساقی نہ رک ہائے ساقی — پلاتا چلا جا پلاتا چلا جا

بقا بھی فنا بھی فناء الفنا بھی — سب آثار ہستی مٹاتا چلا جا

زمانہ اگر غم پہ غم دے رہا ہے — تو بوتل پہ بوتل چڑھاتا چلا جا

رہِ عشق میں ہار ہمت نہ اے دل — یونہی کانپتا لڑکھڑاتا چلا جا

جنوں کہہ رہا ہے کہ رہ پُر خطر ہے — مگر تو تو گاتا بجاتا چلا جا

نہ میری کوئی حد نہ تیری کوئی حد — یونہی میرے دل میں سماتا چلا جا

یہی دورِ ساقی رہے زندگی بھر — پیئے جاؤں میں تو پلاتا چلا جا

جو سالک ہیں مجذوب وہ روئیں بیٹھیں — یونہی تو تو گاتا بجاتا چلا جا

دو عالم کو مست آج مجذوب کر دے

کلامِ محبت سناتا چلا جا

○

اے سوزِ عشق اے مرے باغ و بہارِ دل
تیرے ہی دم سے تازہ ہے یہ لالہ زارِ دل

مرنا ہے کیا مجھے جو میں چاہوں قرارِ دل
میرا مدارِ زیست ہی ہے اضطرارِ دل

سوئے جناں بھی آنکھ اٹھانا ہے بارِ دل
گردن جھکا کے دیکھ رہا ہوں بہارِ دل

کیوں رشکِ صد جناں ہو نہ باغ و بہارِ دل
خونِ جگر سے سینچا ہے یہ لالہ زارِ دل

سمجھے بھی کوئی کس سے کہوں حالِ زارِ دل
دل میرا غمگسار ہے میں غمگسارِ دل

سب کو یہ فکر ہو کسی صورت قرارِ دل
مجھ کو یہ شوق اور بڑھے اضطرارِ دل

کیا کیف فصلِ گل سے کہ پہلو میں تم نہیں
کیا لطف دے بہار کہ حسرت ہے خارِ دل

کیا چیز ہیں مناظرِ دنیائے رنگ و بو
اے بے خبر ز عالمِ باغ و بہارِ دل

رکھتا ہے بے قرار مگر پھر بھی ہے عزیز
دل آپ پر نثار ہے میں ہوں نثار دل

محروم وصل اپنے کو ہمدم نہ کیوں کہوں
ہر دم ہے یاد پردہ نشیں ہمکنار دل

یہ بے سبب نہیں مری خلوت پسندیاں
چھپ چھپ کے خود یہ لوٹ رہا ہوں بہار دل

رہتا ہوں زلف و رخ کے تصور میں رات دن
کچھ ان دنوں ہیں اور ہی لیل و نہار دل

دنیائے حسن و عشق میں اندھیر دیکھئے
مالک تو دل کا کون کسے اختیار دل

سجدے ہوں لاکھ حضرت زاہد خطا معاف
ممکن ہے بے پئے بھی کہیں انکسار دل

روز شمار عہدہ برآ ہو گے کس طرح
اتنے لئے ہیں دل کہ نہیں کچھ شمار دل

ارشاد ضبط عشق سر آنکھوں پہ آپ کا
کیوں کر میں دوں زباں کہ نہیں اختیار دل

چلنے کو یوں چلو چمنستاں میں ہمدمو
راحت کہاں تصورِ مژگاں ہے خارِ دل

مطلب کا ہوشیار ہے دیوانہ آپ کا
در پر پڑا وہ لوٹ رہا ہے بہارِ دل

دزدیدہ آپ پر بھی نگاہیں بتوں کی ہیں
رہنا جنابِ شیخ ذرا ہوشیارِ دل

مر مر کے اس میں دفن تمنائیں سب ہوئیں
اک غم رہا ہے فاتحہ خوانِ مزارِ دل

ممکن نہیں کہ کوئی تمنا نکل سکے
قیدِ فرنگ سے بھی ہے بڑھ کر حصارِ دل

بکھری ہوئی کسی کی وہ زلفیں ہیں دھیان میں
مجذوبؔ کا ہے یہ سبب انتشارِ دل

مجذوبؔ عذرِ دید بتاں یک قلم غلط
آنکھیں تو بس میں ہیں نہ سہی اختیارِ دل

مجذوبؔ خستہ حال کو سودا ہے تاج سر
اور داغ عشق باعث صد افتخارِ دل

مجذوبؔ ہائے ہجر کی بے کیفیاں نہ پوچھ
مستی بھی بارِ سر ہے تمنا بھی بارِ دل

مجذوبؔ وقت شب ہے، کوئی دیکھتا نہیں
جی بھر کے روؤ خوب نکالو غبارِ دل

میں کب چونکا کہ اس محفل میں جب رخصت کا ساماں تھا
یہ لب پر تھا کہ کیا میں بھی شریک بزمِ جاناں تھا
جگر کے داغ بھر جاتے بھلا کب اس کا امکاں تھا
دل شوریدہ سن! کیا اس ہی رکھا نمکداں تھا
وہ غفلت کیش جب پرسانِ حالِ دردمنداں تھا
تو مشکل تھا یہ کہنا درد تھا دل میں کہ درماں تھا
سماں تاروں کا فرقت میں ہمیں اک آفتِ جاں تھا
کہ زخموں پر فلک الٹے ہوئے گویا نمکداں تھا
ادھر ٹکڑے تھا دامن اور ادھر پرزے گریباں تھا
مگر مانندِ گل میں ان پھٹے حالوں بھی خنداں تھا
بتوں کا عشق تھا خطرے میں ہر دم دین وایماں تھا
مگر وہ بس تو یوں کہیے کہ دل پر فضل یزداں تھا

چمن میں خاک برسر تھی صبا، گل چاک داماں تھا
دل وحشت زدہ کو ہر جگہ وحشت کا ساماں تھا

نمونہ رازِ وحدت کا مرا حال پریشاں تھا
کہ مشکل امتیازِ دامن و جیب و گریباں تھا

معمّا حال میرا مثلِ ابر و برق و باراں تھا
میں رونے میں بھی خنداں تھا میں ہنسنے میں بھی گریاں تھا

نہ رک سکتا تھا وہ ظالم نہ جا سکتا تھا حیراں تھا
کہ ہاتھوں میں مرے اپنا گریباں اس کا داماں تھا

نہ گل ہی تھے نہ شمعیں تھیں نہ کوئی فاتحہ خواں تھا
عجب حسرت کا منظر منظرِ گورِ غریباں تھا

ہماری زندگی کا دور دورِ چشمِ حیراں تھا
یہاں ہونا نہ ہونا عالمِ امکاں میں یکساں تھا

جو دل میں کارفرما وہ خیالِ فتنہ ساماں تھا
تو دل کا ہیکو تھا اک عرصہ گاہِ حشرِ ارماں تھا

کسی کی بزم میں گو ہر طرف فرحت کا ساماں تھا
مگر میں تھا کہ پھر بھی ہائے مثلِ شمع گریاں تھا

تعلق اتنے دن بھی بے تعلق رہ کے یکساں تھا
قیامت میں پھر اپنا ہاتھ تھا اور اس کا داماں تھا

یہ کس کا نور اے مٹّی کے پتلے تجھ میں پنہاں تھا
فرشتوں کا بنا مسجود گو کہنے کو انساں تھا

ہجوم اشک کا کیا روکنا اے ضبط آساں تھا
کہ اک محشر سا برپا دل سے لے کر تا بہ مژگاں تھا

مری مجبوریوں کا حال ہر صورت میں یکساں تھا
کبھی مجبور حرماں تھا کبھی مجبور ارماں تھا

کسی کی یاد میں بیٹھے جو سب سے بے غرض ہو کر
تو اپنا بوریا بھی پھر ہمیں تخت سلیماں تھا

ہوئی جب چشم غفلت آشنائے جلوۂ وحدت
تو پھر یہ عالم کثرت بس اک خواب پریشاں تھا

ذرا دیکھو تو یہ اُلٹی رسائی میری قسمت کی
وہ نکلا غیر کے دل سے جو میرے دل کا ارماں تھا

عجب کیا گر مجھے عالم بہ ایں وسعت بھی زنداں ہو
میں وحشی بھی تو وہ ہوں لامکاں جس کا بیاباں تھا

ہوئی تجویز وہ مٹی پئے خلقِ دلِ وحشی
کہ جس مٹی کے ہر ذرے میں مضمر اک بیاباں تھا

خبر ہے چھپنے والے کچھ تصوّر کے تصرّف کی
یہ وہ آنکھیں نہیں تو پہلے جن آنکھوں سے پنہاں تھا

بھلا مجذوبؔ کچھ تو ہوش رکھتے ایسے موقع پر
غضب ہے میزباں بننا پڑا اس کو جو مہماں تھا

○

وہ غیرت کا پتلا جبھی یار ہوگا
کسی سے نہ جب کچھ سروکار ہوگا

اُسی کا وہ ناآشنا یار ہوگا
جو بیگانۂ یار و اغیار ہوگا

نہ دنیا میں اُن سا طرحدار ہوگا
نہ مجذوبؔ سا عاشق زار ہوگا

نہ جب کوئی میرا مددگار ہوگا
تو حامی مرا بخت بیدار ہوگا

لجاجت سے ساقی کا اصرار ہوگا
تو پھر کس طرح ہائے انکار ہوگا

سرِ حشر نالہ شرربار ہوگا
مرے عشق کا گرم بازار ہوگا

جو پیتا رہا میں یونہی اپنے آنسو
تو دل عشق کا بحرِ زخار ہوگا

عبث یورشِ یاس ہے میرے دل پر
نہ یہ قصر امید مسمار ہوگا

مرض عشق کا جزو جاں ہو گیا ہے
نہ اچھا کبھی تیرا بیمار ہوگا

کر اغیار سے پہلے گھر اپنا خالی
کہیں دل میں یوں جلوہ گر یار ہوگا

ابھی تو ہوں پوری ضدیں طفل دل کی
یہ ہوتے ہی ہوتے سمجھ دار ہوگا

برابر کئے جاؤں گا میں بھی نالے
مقدر یہ کب تک نہ بیدار ہوگا

مزے کی تو بس زندگی اس کی ہوگی
جو ہر وقت مرنے کو تیار ہوگا

لگاتا ہوں میں دولت ہر دو عالم — نہ مجھ سا بھی اُن کا خریدار ہوگا
وہ تکرار عرض تمنا پہ بولے — چلے جائیں گے ہم جو اصرار ہوگا
ستم جھیلتے ہوگئی ایک مدت — نہ کب تک کرم مجھ پہ سرکار ہوگا
وفادار سمجھیں گے ہم تو اُسی کو — جو بعد جفا بھی وفادار ہوگا
جو آنا ہے آ آج کل کرنے والے — تو بس آج آ کل نہ بیمار ہوگا
دم آخر اٹھنے کو ہے چشم حسرت — سنبھل جاؤ آج آخری وار ہوگا
مٹی چارہ گر یہ تڑپ میرے دل کی — تو پھر میرا جینا بھی دشوار ہوگا
ہتھیلی پہ سر ہے خدا پر نظر ہے — نہ مجھ سا بھی کوئی فداکار ہوگا
چڑھیں گے نہ تربت پہ پھول اس کا کیا غم — مرا سینہ داغوں سے گلزار ہوگا
یہی رسم مدت سے ہے عاشقی میں — جو سردار ہوگا سرِ دار ہوگا
فرشتو یہ مٹی کا پتلا تو وہ ہے — جو مجبور ہو کر بھی مختار ہوگا
گرے گی کبھی بجلی تو کب آشیاں پر — بھرا جبکہ پھولوں سے گلزار ہوگا
وہ آئیں گے ہاں دیکھنے کو مگر کب — نہ جب قابل دید بیمار ہوگا
یہی ہے جو مجذوبؔ کا جوش مستی — تو یہ بھی کسی دن سرِ دار ہوگا
ہیں پُر یوں تو سب میکدے میکشوں سے — نہ مجذوبؔ سا کوئی سرشار ہوگا
ہے مجذوبؔ مستِ ازل اس کو چھوڑو — نہ ہشیار تھا یہ نہ ہشیار ہوگا
یہ مجذوبؔ کا حال ہے اک جھلک میں — تو کیا حال ہوگا جو دیدار ہوگا

یہ مے ہی سے مجذوبؔ ہے ساری عزت
جو میخوار سے مے چھٹی خوار ہوگا

○

کیا کسی سے میں کہوں کیا ہے مزا آج کی رات
میں ہوں تنہائی ہے اور یادِ خدا آج کی رات

لوٹتا ہوں میں دو عالم کا مزا آج کی رات
کیف آنکھوں میں ہے اور دل میں ضیا آج کی رات

دل میں اس درجہ بڑھی یادِ خدا آج کی رات
دونوں عالم کے میں غم بھول گیا آج کی رات

قربِ حق اتنا بڑھا اتنا بڑھا آج کی رات
کہ دو عالم میں خدا ہی ہے خدا آج کی رات

وہ مزا ہے وہ مزا ہے وہ مزا آج کی رات
جیسے جنت میں ہوں میں نامِ خدا آج کی رات

ساری دنیا نظر آتی ہے پُر انوار مجھے
دل ہے پُر کیف شبِ قدر ہے کیا آج کی رات

غم دو عالم کے مٹے، لے کے جو بیٹھا تسبیح
دردِ دل کی مرے ہاتھ آئی دوا آج کی رات

لاکھ ہو صبح مگر دل میں یہی کیف رہے
ہو کبھی ختم نہ اے میرے خدا آج کی رات

○

توبہ تو کر رہا ہوں اب توڑ کے جام و شیشہ سب
دیکھئے رہ بھی جائے جب ابر بہار دیکھ کر

گو یہ زمیں ہے گل زمیں دفن بھی ہونگے سب یہیں
ریجھ نہ جائے دل کہیں باغ و بہار دیکھ کر

عشق پہ مجھ کو چارہ گر شوق سے کہہ برا مگر
بہر خدا بس اک نظر سوئے نگار دیکھ کر

راہ طلب میں شکر رب جتنے اٹھائے تھے تعب
مٹ گئے دم میں سب کے سب جلوۂ یار دیکھ کر

بنتے تھے مرد راہ ہم بھرتے تھے کیا طلب کا دم
اُٹھ نہ سکے مگر قدم خار ہی خار دیکھ کر

میرا تو خیر ظرف کیا طور پہ بھی یہی ہوا
ہوش میں کون رہ سکا جلوۂ یار دیکھ کر

کھاتا ہوں لاکھ ٹھوکریں پھر بھی قدم قدم پہ میں
چلتا ہوں راہ عشق میں گو میں ہزار دیکھ کر

اب تو کسی حسین پر پڑتی نہیں ہے بھول کر
ہو گئی اور ہی نظر جلوۂ یار دیکھ کر

کیوں نہ اُدھر سے ہو ادھر یہ مری چشم حق نگر
نار میں نور دیکھ کر نور میں نار دیکھ کر

سیرِ چمن وہ اب کہاں ہیں ہوں بس اور میری جان
دیکھوں کس آنکھ سے خزاں فصل بہار دیکھ کر

سر پہ ہے دیکھ اے حسنؔ چرخ سا دشمن کہن
ہاں نہ بہت ہو تو مگن فصل بہار دیکھ کر

○

جام پہ جام لائے جا شان کرم دکھائے جا
پیاس مری بڑھائے جا روز نئی پلائے جا

تیری بلا سے کچھ بھی ہو تو تو ادا دکھائے جا
روتا ہے روئے کُل جہاں تو یونہی مسکرائے جا

ہاں مجھے مثل کیمیا خاک میں تو ملائے جا
شان مری گھٹائے جا رتبہ مرا بڑھائے جا

چہرہ کبھی چھپائے جا جلوہ کبھی دکھائے جا
شوق مرا بڑھائے جا ناز و ادا دکھائے جا

شوق سے بزم غیر میں شرم و حیا جتائے جا
یوں تو نظر چرائے جا دل میں مگر سمائے جا

کھولیں وہ یا نہ کھولیں در اس پہ ہو کیوں تری نظر
تو تو بس اپنا کام کر یعنی صدا لگائے جا

سب ہوں حجاب برطرف دیکھوں تجھی کو ہر طرف
پردے یونہی اٹھائے جا جلوے یونہی دکھائے جا

رکھ نہ خوشی کی تو ہوس دل کی ہے خیر اسی میں بس
اشک اسے پلائے جا غم تو اسے کھلائے جا

دیکھ یہ راہ عشق ہے ہوتی ہے بس یونہی یہ طے
سینہ پہ تیر کھائے جا آگے قدم بڑھائے جا

کیسی یہ آج کل نئی نکلی ہے رسمِ دوستی
دل میں ہو لاکھ دشمنی ہاتھ مگر ملائے جا

راحت جانِ مبتلا تیرا خدا کرے بھلا
ٹھہر! ارے کہاں چلا دل کی لگی بجھائے جا

غم سے کہاں فراغ ہے دل پہ تو روز داغ ہے
قبضہ میں تیرے باغ ہے نت نئے گل کھلائے جا

بس مجھے صبر آگیا دل کو جو رنج تھا گیا
میں ترا راز پا گیا جی مرا بھر نہ جائے اجا

دین کا دیکھ ہے خطر اٹھنے نہ پائے ہاں نظر
کوئے بتاں میں تو اگر جائے تو سر جھکائے جا

ایسا نہ ہو کہیں غضب سرد ہو گرمیٔ طلب
ہاں مرا غم بڑھائے جا ہاں مجھے آزمائے جا

آنکھ کہے گی موبہ مو چہرہ کہے گا دو بدو
لاکھ دلِ پُر آرزو عشق کو تو چھپائے جا

مطرب دردآشنا تیرا بھلا کرے خدا
روزِ الست جو سُنا نغمہ وہی سُنائے جا

رونا نہ چھوڑ چشمِ نم بنتا اگر ہو جامِ جم
خونِ جگر بہائے جا حسنِ نظر بڑھائے جا

بیٹھے گا چین سے اگر کام کے کیا رہیں گے پر
گو نہ نکل سکے مگر قید میں پھڑپھڑائے جا

تیرا شرف بہ آب و گل تجھ سے ملک بھی ہیں خجل
جس نے دیا ہے دردِ دل گیت اُسی کے گائے جا

لے مرے ہوش غم فزا آفت جانِ مبتلا
لے ترا وقت آگیا جا ارے جا وہ آئے جا

کیف نہ ہونے پائے کم پاس نہ آنے پائے غم
لے مرے دافعِ الم نغمہ وہی سُنائے جا

○

جب تک اس پیک نفس میں دم رہا | تجھ کو ڈھونڈھا تھک کے آخر تھم رہا
ضبط غم سے کشمکش میں دم رہا | زندگی بھر نزع کا عالم رہا
تیرے میخانے کا جو محرم رہا | سربسر بیگانۂ عالم رہا
تو زمیں پر فتنۂ عالم رہا | سر فلک کا تیرے آگے خم رہا
حد سے گذرا غم تو کیا پھر غم رہا | کچھ نہ ہم کو فکر بیش و کم رہا
رات ساقی دل میں وہ عالم رہا | کچھ بھی نظروں میں نہ جام جم رہا
دختر رز جو ترا ہمدم رہا | غمکدے میں دہر کے بے غم رہا
گھر سے باہر بار بار آتا ہوں میں | نامہ بر بھی جا کے ایسا جم رہا
بے ثمر رہنا بھی بے ثمرہ نہیں | سرو کا سر کس کے آگے خم رہا
کیا کہوں کس سے کہوں کیوں کر کہوں | ضبط سوز غم سے جو عالم رہا

کھنچ کے کیوں خنجر کسی کا رک گیا
سر یہاں پھیروں ہمارا خم رہا

○

جب سے بیٹھا ہوں میں راضی بہ مشیت ہو کر
مجھ پہ آفت بھی کوئی آئی تو رحمت ہو کر

بعد مدت کبھی آئے تو قیامت ہو کر
رنج و غصے میں بھرے غیر سے رخصت ہو کر

ہیں ملا یار سے گم گشتۂ حیرت ہو کر
دولت وصل بھی ہاتھ آئی تو فرقت ہو کر

اب تو بس جاؤ ان آنکھوں میں بصارت ہو کر
آؤ! اب دل میں سما جاؤ محبت ہو کر

مژدہ اے اہل جہاں تا بہ قیامت مژدہ
آئے دنیا میں حضورؐ آیۂ رحمت ہو کر

خانۂ دل کی کرے لاکھ صفائی صوفی
ہوگا آباد تو برباد محبت ہو کر

ایسے آنے سے تو اچھا تھا نہ آنا اُن کا
منہ بچھلائے ہوئے مجبور مروّت ہو کر

کون ہے آج جو مجذوبؔ کا دیوانہ نہیں
نام چمکا مرا رسوائے محبت ہو کر

○

وہ خندہ زن ہیں اشک بار ایک اِس طرف ایک اُس طرف
ہیں گلشن و ابر و بہار ایک اِس طرف ایک اُس طرف

قلب و جگر ہیں داغ دار ایک اس طرف ایک اُس طرف
پہلو میں ہیں دو گلعذار ایک اس طرف ایک اُس طرف

شمس و قمر دیوانہ وار ایک اِس طرف ایک اُس طرف
گردش میں ہیں لیل و نہار ایک اِس طرف ایک اُس طرف

وہ جا رہے ہیں دیکھتے گاہے اِدھر گاہے اُدھر
چلتے ہوئے کرتے ہیں وار ایک اِس طرف ایک اُس طرف

میری بکا اور بین سے وہ بھی نہیں ہیں چین سے
دونوں غرض ہیں بیقرار ایک اِس طرف ایک اُس طرف

وہ نشر میں انوار کے ہم کسب میں انوار کے
ہیں مہر و مہ مشغول کار ایک اِس طرف ایک اُس طرف

ہم کو ملی دیوانگی ان کو ملی فرزانگی
مجذوبؔ ہم وہ ہوشیار ایک اِس طرف ایک اُس طرف

○

عرش بریں ہے زاہد و سجدہ گہہ نماز عشق
تم کو میں کیا دکھا سکوں مرتبۂ نیاز عشق

لاکھ ملیں بیک دگر کھلنے نہ دے گا عمر بھر
تم کو تمہارا نازِ حسن مجھ کو مرا نیازِ عشق

حسن اِدھر ہے عشق اُدھر جلوہ نمائے یک دگر
عشق سے پوچھ رازِ حسن حسن سے پوچھ راز عشق

○

نہ سمجھا عمر بھر کوئی کہ میں بھی تیرا بسمل تھا
لبوں پر تھی ہنسی زخموں سے چھلنی گو مرا دل تھا

یہ سب مانا کہ وہ سفاک تھا ظالم تھا قاتل تھا
دیا جس کو دیا ہاں پھر کسی کو کیا مرا دل تھا

نہ میں دنیا کے لائق تھا نہ میں عقبیٰ کے قابل تھا
مجھے جینا بھی تھا دشوار اور مرنا بھی مشکل تھا

جھکا سر غیر کے آگے نہ دل دُنیا پہ مائل تھا
سروں میں سر مرا سر تھا دلوں میں دل مرا دل تھا

ازل میں کیا نہ تھا ساماں مگر جو میرے قابل تھا
یہی سودا زدہ سر تھا یہی حسرت بھرا دل تھا

طریقِ عشق میں جو جس قدر گم کردہ منزل تھا
وہ بس اتنا ہی اے دل خضرِ رہ بننے کے قابل تھا

پڑا ہے دم بخود مجذوبؔ کیا عجلت سے حاصل تھا
اسے چلنا طریقِ عشق میں منزل بمنزل تھا

ہر اک عاشق نئے انداز سے قربانِ قاتل تھا
قتیلِ تیغ بے سر تھا شہیدِ ناز بے دل تھا

کہاں پھر نغمۂ و صہبا کہاں پھر مطرب و ساقی
کسی بیدل کے آتے ہی دگرگوں رنگ محفل تھا

ہزاروں زخم کھا کر بھی نہ تڑپا ہائے مجبوری
بس اک تصویرِ بے تابی سراپا تیرا بسمل تھا

دلِ وارفتہ ہی اپنا اکیلا رہ گیا آخر
بہت تھے ہم سفر لیکن ہر اک پابندِ منزل تھا

غنیمت ہے کہ مجھ کو قعرِ دریا نے جگہ دے دی
وبالِ دوشِ موجِ آب تھا میں بارِ ساحل تھا

خدا مجذوب کو رکھے سلامت اُس نے چونکایا
جسے منزل سمجھ رکھا تھا وہ اِک خوابِ منزل تھا

○

کیا کرے اک ساتھ اک دنیا کی ہے آئی ہوئی
کوئے قاتل میں قضا پھرتی ہے گھبرائی ہوئی

ہیں فرشتے بھی یہاں بالیں پہ اور حوریں بھی ہیں
کنجِ مرقد میں بھی ہم کو خاک تنہائی ہوئی

روک رو کسلے جذبِ دل دامن چھڑا کر وہ چلے
جا رہی ہے کیسی دولت ہائے ہاتھ آئی ہوئی

تلخ گوئی سے تری کیا ہو طبیعت بدمزہ
ہر ادا تیری ہمارے جی کو ہے بھائی ہوئی

کیا ہوا ہم کو نصیب اس گلشنِ ایجاد سے
اک کلی دل کی ملی سو وہ بھی مرجھائی ہوئی

بزم میں بیٹھا ہوں گو بیگانہ وار اُن سے الگ
پھر بھی رسوا کر رہی ہے آنکھ للچائی ہوئی

ہے طبیعت کا کسی پر آکے پھر جانا محال
کیا قضا بھی ٹلتے دیکھی ہے کہیں آئی ہوئی

برق کی صورت اگر ہم ہنس لئے دم بھر تو کیا
دل پہ ہر دم ہے وہی غم کی گھٹا چھائی ہوئی

سارے مُردوں میں مری میت نے ہلچل ڈال دی
کیا ٹھہرتی قبر میں یہ ان کی ٹھکرائی ہوئی

اب تو اے ناصح سمجھ میں آگیا سب کچھ مگر
یاد کب رہتی ہے کوئی بات سمجھائی ہوئی

مر رہا تھا تو کہاں اے ناصحِ ناداں بتا!
سب کو جب روزِ ازل تقسیم دانائی ہوئی

دیکھ لے کہتے ہیں اے مجنوں اِسے جذب جنوں
دیکھ کر مجذوب کو لیلیٰ بھی سودائی ہوئی

○

کہنا بھی حالِ زار کا آساں نہیں رہا
اچھا ہوا کہ اب کوئی پرساں نہیں رہا

اب ہاۓ کوئی تار گریباں نہیں رہا　　وحشت میں جی بہلنے کا ساماں نہیں رہا

کب میری وحشتوں سے گریزاں نہیں رہا　　کب مجھ سے دور دور بیاباں نہیں رہا

وارفتگیٔ شوق کا امکاں نہیں رہا　　آجا کہ دل میں اب کوئی ارماں نہیں رہا

مارا جو ایک ہاتھ گریباں نہیں رہا　　کھینچی جو ایک آہ تو زنداں نہیں رہا

کمسن تھے وہ تو لطف تھا کب تھا حسنِ ظن　　بوس و کنار اُن سے اب آساں نہیں رہا

فیضِ بہارِ گلشنِ عارض تو دیکھتے　　جنگل کو رخ کیا تو بیاباں نہیں رہا

کوچے سے اپنے مجھ کو نکلوا کے اب کوئی　　پچھتا رہا ہے مفت کا درباں نہیں رہا

تارِ نفس تو ہے اگر اے پنجۂ جنوں　　کوئی گلے میں تارِ گریباں نہیں رہا

لے چل اب اضطراب مجھے سوئے لامکاں　　شایانِ وجدِ عالمِ امکاں نہیں رہا

مجذوب اُن کی بزم میں ہے جاذبِ نظر
چھپ چھپ کے بیٹھنے کا بھی امکاں نہیں رہا

○

زلف کو رُخ پہ ترے جھومتے اے جاں دیکھا
ہم نے ہندو کو بھی پڑھتے ہوئے قرآں دیکھا

جلوۂ عام تھا سب نے رُخِ جاناں دیکھا
ہائے تو نے بھی کچھ اے دیدۂ حیراں دیکھا

زلفِ پیچاں کو قریبِ رُخِ تاباں دیکھا
ہم نے با وقتِ سحر خوابِ پریشاں دیکھا

اپنا آتا جو وہ سرتاجِ رسولاں دیکھا
دم میں سختیٔ دمِ نزع کو آساں دیکھا

سرِ مرا دار پہ لٹکانے کی سوجھی اُن کو
قطرۂ اشک جو میرا سرِ مژگاں دیکھا

جاں مری تن سے نکل کر گئی اس کوچہ میں
چھوٹ کر قید سے بلبل نے گلستاں دیکھا

تیرے رندوں کو وضو کا جو تصور آیا
موجزن زیرِ قدم چشمۂ حیواں دیکھا

بار یاراں کو دکھاتا ہوں جو میں زخمِ جگر
کیا ہی جھنجھلا کے وہ کہہ دیتے ہیں ہاں ہاں دیکھا

گرد اس چشم کے کیوں کر نہ بھلا ہوں پلکیں
گردِ میخانہ سدا مجمعِ رنداں دیکھا

ابر کی طرح حسنؔ جوشِ جنوں میں تجھ کو
کبھی ساکت کبھی نالاں کبھی خنداں دیکھا

○

دل وصل میں بے تاب ہے معلوم نہیں کیوں
تشنہ بہ لبِ آب ہے معلوم نہیں کیوں

بیمار کی قسمت میں ہے معلوم نہیں کیا
تریاق بھی زہراب ہے معلوم نہیں کیوں

مجذوبؔ کو دُھن آج ہے معلوم نہیں کیا
تنہا بصد احباب ہے معلوم نہیں کیوں

○

ضبطِ الفت نے جو بسمل نہ سنبھالا ہوتا
نام رسوا ترا تا عالم بالا ہوتا

بے ترے، حلق میں مے، گھونٹ لہو کا ہوتی
دانہ انگور کا منہ میں مرے چھالا ہوتا

بل کی لیتی ہوئی کیا جھوم کے اٹھی ہے گھٹا
ہائے ایسے میں مرا گیسوؤں والا ہوتا

نگہہ شوق نے ڈھلکایا تھا کن جو کھوں سے
کیا بگڑتا جو دوپٹہ نہ سنبھالا ہوتا

○

کہاں مجذوبؔ تجھ سا سالکوں میں برق دم ہوگا
کہ اُن کی آخری منزل ترا اوّل قدم ہوگا

غضب ہوگا ذرا بھی دردِ دل میرا جو کم ہوگا
کرم ہوگا ستم ہوگا، ستم ہوگا کرم ہوگا

جو دل آمادۂ عزم ہو گیا، پھر کچھ نہ غم ہوگا
اُٹھے گی تیغ پھر کیا جب سرِ تسلیم خم ہوگا
○

رونے سے تو بھڑکتی ہے سینے میں آگ اور
دل کی بجھاؤں ہائے میں کیوں کر لگی ہوئی

ممکن نہیں کہ عمر بھر اب چین ہو نصیب
اک ایسی کاری چوٹ ہے دل پر لگی ہوئی

باہر کا بندوبست تو سب کر لیا مگر
بجھتی نہیں ہے ہائے یہ اندر لگی ہوئی

ایسا جما ہے ان کا تصور کہ رات دن
رہتی ہے ایک مُہر سی دل پر لگی ہوئی

تھانہ بھون میں آج بھی تم جا کے دیکھ لو
پیاسو سبیلِ ساقیِ کوثر لگی ہوئی

○

پھرے بحر در بحر کب تک الٰہی — لگا دے بس اب پار میرا سفینہ
میں جنت میں کہتا ہوا پھر رہا ہوں — مدینہ مدینہ مدینہ مدینہ
فلک ہجر میں چال کیا سست کر دی — کہ ایک ایک دن اب ہے اک اک مہینہ

بیک جذب مجذوبؔ تا بام پہنچا
جو سالک ہیں آئیں وہ زینہ بہ زینہ

○

کوئی دیکھے تو یہ راہِ طلب میں آرزو میری
کہ میں بیٹھا رہوں منزل کرے خود جستجو میری

خدا حافظ نہیں سنتی جو تو لے آرزو میری
نکلتی ہے تو لے پھر جانہ میں تیرا نہ تو میری

نہیں منت کشِ تقریر بہ شرح آرزو میری
ہوئی آنکھوں ہی آنکھوں میں کسی سے گفتگو میری

○

ملو تم یہ ہے مہربانی تمہاری
بڑھاپا مرا نوجوانی تمہاری

بڑھاپے میں سب کی اجل جان لیوا
میری جان لیوا جوانی تمہاری

غضب پر غضب ہے ستم پر ستم ہے
یہ حسن اور اس پر جوانی تمہاری

جو بگڑے مری بات بگڑے بلا سے
مگر بات مجھ کو بنانی تمہاری

○

اگر تھوڑی سی حُبِ حق بفیضِ پیر مل جاتی
تو ہاتھ آتی بڑی دولت بڑی جاگیر مل جاتی

سرِ وحشی کبھی وابستۂ زلفِ دوتا ہوتا
جو اس کو باندھتے ایسی کوئی زنجیر مل جاتی

سبھی کچھ مجھ کو ملتا یہ دلِ پُر درد کب ملتا
اگر بد قسمتی سے غیر کی تقدیر مل جاتی

جو میں شوقِ شہادت میں سرِ مقتل پہنچ جاتا
تو بڑھ کر کس محبت سے گلے شمشیر مل جاتی

اگر مجذوبؔ سے ان کا کہیں ملنا بھی ہو جاتا
تو ہوتا وصل کیا تصویر سے تصویر مل جاتی

○

آپ کہتے ہیں کہ رسوا مجھے کرتا ہے یہی
جس طرف ہو کے نکل جایئے چرچا ہے یہی

اپنے طالب کو ذرا کچھ تو جھلک دکھلا دو
کس بھروسہ پہ جیئے کوئی جو پردا ہے یہی

ہیں سرِ بزم یہ دزدیدہ نگاہیں کس پہ
تم یہ سو جان سے ہاں دیکھ لو شیدا ہے یہی

کر چلا ایک نظر میں جو ہزاروں بسمل
دیکھ لو ہائے مری جان کا لیوا ہے یہی

عمر بھر اب نہ نکلنا ہو ترے کوچے سے
دم اسی در پہ نکل جائے تمنّا ہے یہی

حسنِ خوباں ہے فدا ناز بتاں سر بسجود
تم نے دیکھا مرا بانکا مرا چھیلا ہے یہی

کر کے بسمل مجھے قاتل سرِ مقتل بولا
دیکھتا کیا ہے یہاں روز تماشا ہے یہی

شکوۂ جور پہ کس ناز سے فرماتے ہیں
کیوں کوئی آئے یہاں ہم کو تو آتا ہے یہی

آنکھ لڑتے ہی گئے ہوش کدھر اے ناصح
اب تمہیں دیکھ لو مجذوبؔ کو سودا ہے یہی

○

نہ خلوت میں بھی رہ سکے ہم اکیلے
کہ دل میں لگے ہیں حسینوں کے میلے

بہت دُکھ سہے غم بہت ہم نے جھیلے
کیا عشق کیا جان پر اپنی کھیلے

جو آجاؤ خلوت میں یوں تم اکیلے
تو پھر کیوں نہ آغوش میں کوئی لے لے

دکھاوے کے ہیں سب یہ دُنیا کے میلے
بھری بزم میں ہم رہے ہیں اکیلے

کہاں تک کوئی نت نئے ظلم جھیلے
ارے اس سے پھر جان ہی کیوں نہ لے لے

کروں گا اُسی جان لیوا سے الفت
بلا سے اگر جان لے لے تو لے لے

مصیبت میں ہے جان کس کس کو دیں دل
ہزاروں تو دلبر ہیں اور ہم اکیلے

وہ غیروں میں بیٹھے ہوئے ہنس رہے ہیں
اِدھر ہم پڑے رو رہے ہیں اکیلے

ہم اُس بت سے کرتے ہیں عرضِ تمنّا
نہ جو منھ سے بولے نہ جو سر سے کھیلے

ارے کل اچانک چلے آنے والے
بہت آج گھبرا رہے ہیں اکیلے

اب ایسے میں کیا کہہ سکے کوئی ظالم
جو چپکے ہی سے چٹکیاں دل میں لے لے

ادھر آ شبِ غم، گلے سے لگا لیں
کہ تو بھی اکیلی ہے ہم بھی اکیلے

ارے کچھ تو مجذوبؔ یاروں کا حق بھی
یہ چھپ چھپ کے بیٹھا اکیلے اکیلے

نہ مجذوبؔ رکھ میل جول ان بتوں سے
ارے کوئی کافر نہ ایمان لے لے

تجھے ہم تو مجذوبؔ جب مرد جانیں
کہ اس نفسِ سرکش کو قابو میں لے لے

○

ہلا سکیں نہ مجھے گردشیں زمانے کی ۔۔۔ تھی کس غضب کی کشش تیرے آستانے کی

نگاہ تجھ پہ ہے مجذوب اک زمانے کی ۔۔۔ بھلا یہ عشق کوئی چیز ہے چھپانے کی

بس اپنے آپ کو راہ طلب میں گم کردو ۔۔۔ یہی سبیل ہے اس دلربا کے پانے کی

پڑھی حکایتِ مجنوں، سن اب غمِ مجذوب
یہ ہے فسانہ وہ تمہید تھی فسانے کی

○

پھرتا ہوں دل میں یار کو مہماں کئے ہوئے
روئے زمیں کو کوچۂ جاناں کئے ہوئے

وہ آرہے ہیں بال پریشاں کئے ہوئے
سامانِ برہمیٔ دل و جاں کئے ہوئے

اب گھر کو اپنے بے سروساماں کئے ہوئے
بیٹھا ہوں عزم کوچۂ جاناں کئے ہوئے

اپنے کو ہوں میں وقفِ بیاباں کئے ہوئے
داغوں سے دل کو رشکِ گلستاں کئے ہوئے

رنجیدہ کیوں ہوں تیرے پریشاں کیے ہوئے
کیا بھول جائیں سب ترے احساں کیے ہوئے

کیوں فقر میں بھی دل نہ ہمارا غنی رہے
کس شاہ کے ہیں بے سر و ساماں کیے ہوئے

ہے شوق و ضبطِ شوق میں دن رات کش مکش
دل مجھ کو میں ہوں دل کو پریشاں کیے ہوئے

ساقی کے فیض سے مری رنگیں نگاہیاں
ہر خار زار کو ہیں گلستاں کیے ہوئے

پہنچا [illegible] یں وحشت [illegible] بھی
[illegible] ن صد ہزار بیاباں کیے ہوئے

بیگانہ وار بیٹھا ہے مجذوبؔ بزم میں
سوئے جمال دیدۂ حیراں کیے ہوئے

مجذوبؔ پا شکستہ بفیضِ جنونِ عشق
بیٹھا ہے اپنے گھر کو بیاباں کیے ہوئے

○

کسی کی یاد ہی میں زندگی اپنی گذرتی ہے
مری چشمِ تصور مصحفِ رخ حفظ کرتی ہے

کہیں روکے سے رکتی ہے یہ ٹھہرائے ٹھہرتی ہے
نظر ملتے ہی وہ برقِ نگہ دل میں اترتی ہے

یہی دنیا کہ جس پر ساری دنیا ناز کرتی ہے
ترے رندوں کے دل سے نشہ کی صورت اترتی ہے

ہو قتل عام یا جاں بخشیِ عشاق ہو جاتے
جو کہتی ہے تری چشمِ سخن گو کر گذرتی ہے

اسی کی تو بدولت پھرتی ہے برباد عالم میں
ہماری آہ پھر بھی دم اسی ظالم کا بھرتی ہے

سنبھل کر رکھ قدم واعظ کہ چشمِ مست ساقی کی
نگہہ میں زاہدِ صد سالہ کو میخوار کرتی ہے

بنا دیتا ہے تیرا عکسِ رُخ اس کو بھی آئینہ!
تری تصویر تپھر میں بھی تو اے بُت اترتی ہے

ہوس ہو نام کی کیا تیرے بدنامِ محبت کو
وہ رسوا ہوں کہ بدنامی بھی مجھ کو نام دھرتی ہے

اسے دونوں جہاں سے غم نے کھو رکھا ہے کیا کہیئے
مصیبت میں ہے جاں اپنی نہ جیتی ہے نہ مرتی ہے

کروں ضبطِ فغاں کی ہائے کیا تدبیر اے ہمدم
دبانے سے طبیعت اور بھی دونی اُبھرتی ہے

بقا بحرِ فنا میں غرق ہو کر ہم نے حاصل کی
یہ کشتی بھی عجب ہے ڈوب کر ہی پار اترتی ہے

نہیں احساس پی کر عشق کی دارو نے بے ہوشی
کہ دل پر بن رہی ہے کیا جگر پر کیا گذرتی ہے

گذرتی ہے تمہاری خوب غیروں میں تمہیں مطلب!
گذرتی ہے ہماری جان پر جو کچھ گذرتی ہے

نرالا رنگ ہے دُنیا سے ان کی زلفِ پُرخم کا
سنورنے میں بگڑتی ہے بگڑنے میں سنورتی ہے

گذرتے ہیں ہمارے سامنے سے جب وہ اٹھلاتے
کسی کو کیا خبر دل پر ہمارے کیا گذرتی ہے

زباں بے دل ہے اور دل بے زباں ہے ہائے مجبوری
بیاں ہیں کس طرح وہ آتے جو دل پر گذرتی ہے

نہاکر تو نہ جانے حسن کا عالم ہی کیا ہوگا
پسینہ پونچھنے سے جب تری رنگت نکھرتی ہے

زوال اس آفتابِ شیشۂ دل کو نہیں ہوتا
شرابِ عشق اے ساقی کہیں چڑھ کر اترتی ہے

اندھیرا نزع میں آنکھوں پہ چھایا پتلیاں پھیلیں
نظر اب ان کے رُخ پر زلف بن بن کر اترتی ہے

گھٹاؤں پر گھٹائیں آتی ہیں ساغر پہ ساغر بھر
بھری برسات میں ساقی کہیں نیّت بھی بھرتی ہے

○

کروں میں ہائے کب تک ضبط اے ظالم ترے ڈر سے
نکلنے ہی کو ہے اب آہ میرے قلب مضطر سے

وہی ہے رند پینے کے لئے جو عمر بھر ترسے
بھلا وہ مے ہی کیا جو منھ لگا لینے دے ساغر سے

بہت بگڑے بہت بکھرے، بہت گرجے بہت برسے
مگر نکلے نہ بے وعدہ لئے ہم کوئے دلبر سے

وہ کیا آنسو ڈھلک جائے جو اے دل دیدۂ تر سے
وہ قطرہ خارج از مے ہے چھلک جائے جو ساغر سے

○

سیکھا بجز اک حکم سزا اور بھی کچھ ہے
کہنا مجھے ہاں ٹھہر ذرا اور بھی کچھ ہے

اے دل ابھی دیکھی ہے کہاں اُن کی تجلّی
اس نور کے پردے میں چھپا اور بھی کچھ ہے

اہل نظر اس حسن کو پوچھیں مرے دل سے
ہر ناز میں اک طرفہ ادا اور بھی کچھ ہے

عُشاق کو کوچے سے نکلواتے ہی دیکھا
قانونِ محبت میں سزا اور بھی کچھ ہے

گو تم پہ لٹا بیٹھا ہوں گھر بار سب اپنا
باقی ابھی کہتی ہے قضا اور بھی کچھ ہے

افسانہ مرا سن کے وہ کس طنز سے بولے
حاصل جز اظہار وفا اور بھی کچھ ہے

لے آیا ہے اب شوق مرا نقدِ دل و جاں
اے گرمی بازار جفا اور بھی کچھ ہے

ہاں شیخ جی میخانہ میں کل وعظ رہا خوب
یہ سچ ہے مگر ہم نے سنا اور بھی کچھ ہے

چپ ہوں کہ اسی شرط پہ گھر آئے ہو ورنہ
دل میں ہوس اے ماہ لقا اور بھی کچھ ہے

آج ان سے یہ کہنا ہے کہ استادِ ازل سے
تم نے بجز انکار پڑھا اور بھی کچھ ہے

حظ ہجر کی راتوں سے بڑھا وصل کے دن کا
زلفیں ہوں تو چہرے کا مزہ اور بھی کچھ ہے

ہم جب ہیں گنہگار کہ سنتے ہوں مزامیر
ان ساز کے پردوں میں چھپا اور بھی کچھ ہے

پاس ان کے نہ جا تو ابھی لے عاشقِ صورت
پوچھیں گے محبت کی بنا اور بھی کچھ ہے

جب آ کے کبھی اُس نے ہمیں دی ہے تسلّی
دردِ دلِ رنجور بڑھا اور بھی کچھ ہے

کہتے ہیں وہ شوخی سے مرے دل کو مٹا کر
حسرت تجھے اب سچ تو بتا اور بھی کچھ ہے

اُس دستِ نگاریں پہ نہ جا اے دلِ ناداں
کھول آنکھ کہ ہے رنگِ حنا اور بھی کچھ ہے

کس ناز سے وہ اُٹھ گئے کہہ کر دمِ مطلب
آنا تمہیں بس اس کے سوا اور بھی کچھ ہے

مجذوبؔ کی آنکھوں سے تو دیکھے کوئی منکر
موجود کہیں تیرے سوا اور بھی کچھ ہے

○

کیا خبر کس وقت ہو کیسی نظر — یوں نہ آنکلا کرو تم سر کھلے
حضرتِ دل کر لیا اپنا انہیں — تم تو نکلے یار جادوگر کھلے
مرنے والے کا شبِ غم کون ہے — ہو کفن جب ماہ کی چادر کھلے
ہو مزہ واعظ بنے پیرِ مغاں — رازِ میخانہ سرِ ممبر کھلے
ملتے ہی سب کہہ سنایا حالِ دل — صبر کس کو کون رہ رہ کر کھلے
غیر ہیں بے باک پھر رونا ہی کیا — آپ ہی تو پہلے ہنس ہنس کر کھلے

لوگ ہوں گے دیکھ کر شوریدہ سر — کیوں عبث پھرتے ہو باہر سر کھلے

تیرے میخانہ کا ثانی ہی نہیں — گو کہ میخانے بہت در در کھلے

ہجر ساقی میں عبث ہے فکر شعر — کیا طبیعت بے مئے و ساغر کھلے

ہو گئے دونوں جہاں نظروں میں ہیچ — باغ دل کے جس گھڑی منظر کھلے

لطف کے پردہ میں بیجا ہیں ستم — جور کیجے اے کرم گستر کھلے

بیٹھے ہیں مقتل میں وہ کس شان سے
دونوں ہاتھوں میں لئے خنجر کھلے

○

تصور تو کسی کا جان سے بھی مجھ کو پیارا ہے
مرے دل کا اُجالا ہی مری آنکھوں کا تارا ہے

پکار اُٹھا کوئی جس دم دلِ مجبور ہارا ہے
وہ مارا ہے، وہ مارا ہے، وہ مارا ہے، وہ مارا ہے

رہے گی دل کی دل ہی میں یہ میری داستانِ غم
کسے کہنے کی طاقت ہے کسے سننے کا یارا ہے

جو دل اک سنگ دل کی نذر ہے کیوں سب مخالف ہیں
ہماری شے ہے جس کو دیں کسی کا کچھ اجارا ہے

محبت بھی کہیں مجذوب چھپتی ہے چھپانے سے
جو دل کا حال ہے صورت سے تیری آشکارا ہے

نہ ختم ہوں گی کبھی گردشیں مقدر کی
طلب ہے ایک مقیمِ حریمِ بے در کی

وہ آئے نزع میں، مجبوریاں مقدر کی
نکالیں حسرتیں دم بھر میں زندگی بھر کی

ہوائیں آنے لگیں اب تو کوئے دلبر کی
بڑھا دے آہ ذرا چال قلبِ مضطر کی

میں روک تھام تو سب کر چکا ہوں باہر کی
بجھاؤں ہائے میں کیوں کر لگی ہوئی گھر کی

تلاشِ یار جو ہے کر تلاش رہبر کی
کہ ہیں یہ بھول بھلیاں ہزار ہا در کی

کچھ اور رہی ہے ذرا چکھ تو میرے ساغر کی
جو پھر کبھی تجھے زاہد طلب ہو کوثر کی

دبی ہے تیری بغل میں مزے ہیں بوتل کے
لگا ہے منہ کو ترے بن پڑی ہے ساغر کی

بھلایا جس نے دو عالم کو خود کو غیروں کو
کتابِ عشق و محبت اسی نے ازبر کی

گھرا ہے رندوں سے ساقی عجب ہے ہنگامہ
صدائیں گونجتی ہیں میکدے میں بھر بھر کی

اشارا تھا کر رہے عمر بھر یہی صورت
وہ کھینچ لے گئے تصویر اپنے ششدر کی

جو نالے کرتے پھرے کوبہ کو تو یوں سمجھے
منادی دل نہ لگانے کی ہم نے گھر گھر کی

بہ بستہ لب ہے نہ کہہ اس سے قلقل اے مینا
نہ چھیڑ دیکھ وہ بھر آئی آنکھ ساغر کی

قضا کی طرح نہ آکر ٹلی شب فرقت
کہ جان نے کے ہی بالیں سے یہ بلا سر کی

ہٹا ہٹا ارے سینے سے جلد ہاتھ ہٹا
رکی رکی حرکت میرے قلب مضطر کی

گلے پہ پھیر کے اک جاں بلب کے خنجر ناز
وہ آکے بیٹھے ہیں جیسے بڑے مہم سر کی

کیا تو برق نے لاکھ اہتمام عجلت کا
نہ پھر بھی کھینچ سکی تصویر قلب مضطر کی

ہے بیڑیوں میں بھی صحرا نورد دیوانہ
رُکا جو پاؤں، رُکیں گی نہ گردشیں سر کی

کرے تو یوں کوئی دم بھر بھی ضبط سوز دروں
کہ سانس اور ہے اندر کی اور باہر کی

نہ پوچھ چاہیئے کیا! لا بھی یار دیر نہ کر
وہی وہی ارے ہاں! ہاں! وہی تو، ساغر کی

یہ منہ لگا ہے ہزاروں کے پھر ہے لب بستہ
کھلی کسی پہ حقیقت نہ میرے ساغر کی

ہے آگے اے دل بدست دیکھ پاتے صنم
چلا یہ جھک کے کدھر کو خبر تو لے سر کی

بچا بچا مجھے آ! گریۂ ندامت آ!
خبر لے دیدۂ تر میرے دامن تر کی

لہو کے گھونٹ تو پیتے رہو تمہیں ہمدم
یہاں تو یار بس اب ٹھہرتی ہے ساغر کی

یہ ظلمتیں مری شب میں ہیں قبر کی اے دل
تجلیاں مرے دل میں ہیں روز محشر کی

ہمارے خون کا پیاسا ہے آپ کا خنجر
ہمارے حلق کو ہے پیاس آبِ خنجر کی

بنا ہے خانۂ دل رشک آئینہ خانہ
یہ صنعتیں کوئی دیکھے مرے سکندر کی

نہ روک روک کے چُلّو میں ڈال اے ساقی
انڈیل دے کہ مجھے پیاس ہے سمندر کی

برہنہ پا بھی ہے مجذوب سر برہنہ بھی
نہ پاؤں کی خبر اس کو ہے اور نہ سدھ سر کی

○

سفینہ کس کا عتاب میں ہے تلاطم ایسا جو آب میں ہے
ہوا اِدھر اضطراب میں ہے بھنور اُدھر پیچ و تاب میں ہے

زمانہ حال خراب میں ہے کشاکش انقلاب میں ہے
یہ کس کا دل اضطراب میں ہے نہ لطف اب کچھ سحاب میں ہے

دل اب جو حال خراب میں ہے تو کل فضا انقلاب میں ہے
نہ کیف اب کچھ شراب میں ہے نہ لطف اب کچھ سحاب میں ہے

بہ وضع رندانہ گھومتے ہیں قدم حسیں بڑھ کے چومتے ہیں
بشان مستانہ جھومتے ہیں وہ کیف و مستی شباب میں ہے

جو کیف دل کے خروش میں ہے وہ کب جنوں تیرے جوش میں ہے
جو بات عرض خموش میں ہے وہ اے زباں کب خطاب میں ہے

بدل دیا میں نے کل زمانہ چلا دیا دور عاشقانہ
تری محبت کا وہ خزانہ مرے دل کامیاب میں ہے

سمجھ رہا ہوں میں خوب ہاں ہاں فقط دکھانے کو ہو گریزاں
اگر نہیں التفات پنہاں کشش یہ کیوں اجتناب میں ہے

مری نگہ خود حجاب جلوہ حجاب خود آب و تاب جلوہ
وہ سوجھے کیا آفتاب جلوہ حجاب اندر حجاب میں ہے

فدا میں سب تجھ پہ یار کر دوں خزاں تو کیا ہے بہار کر دوں
میں جان شیریں نثار کر دوں دل حزیں کس حساب میں ہے

جو نکلیں آہیں تو حور ہو کر جو نکلے آنسو تو بن کے گوہر
یہ کون بیٹھا ہے دل کے اندر یہ کون چشم پر آب میں ہے

مری تو مے ہوش کو بڑھائے جو اور کی ہے وہ ہوش اڑا دے
جو پایۂ عرش کو ہلا دے وہ جوش میری شراب میں ہے

شراب نے دو جہاں سے کھویا اس آب نے اک جہاں ڈبویا
حقیقت اس کی تو یہ ہے گویا شراب کیا ہے شراب میں ہے

ہزار راحت ہزار رحمت نہیں مگر دم زدن کی جرأت
یہ سادگی میں بھی رعب و ہیبت اسی جلالت مآب میں ہے

یہ تیرے آگے ہیں مرد و زن بھی پہاڑ بھی دشت بھی چمن بھی
کہ جیسے تاروں کی انجمن بھی حوالی آفتاب میں ہے

ہنسی بھی آتی ہے اب تو گریاں خوشی بھی آتی ہے رنج لے کر
دوا بھی آتی ہے درد بن کر سکوں بھی اب اضطراب میں ہے

یہ دیکھ کر میرا دیدۂ تر سمجھ لو خود حال قلب مضطر
کہ ہوگا کس جوش میں سمندر جو یہ تلاطم حباب میں ہے

یہ تلخ ہے گو غم نہانی مگر ہے لبریز شادمانی
سرور کی جیسے ہے نشانی وہ اک جو تلخی شراب میں ہے

طلب میں کیا کیا نہ زور مارے کبھی نہ جیتے ہمیشہ ہارے
حجاب گو اٹھ گئے ہیں سارے ہنوز چہرہ نقاب میں ہے

مریض عشق اب نہیں کسی کا نہ آسماں کا نہ اب زمین کا
نہ یہ وہاں کا نہ یہ یہاں کا یہ نیم جاں اک عذاب میں ہے

ہوا نہ پختہ خیال اب تک ہزار ہیں احتمال اب تک
مرے لئے وہ جمال اب تک حجاب گویا حجاب میں ہے

دکھا نہ تو روئے آفتابی حجاب ہے تیری بے حجابی
مری نظر کی ہے یہ خرابی کہ تابِ جلوہ حجاب میں ہے

بس اب ہے مجذوبِ رند کامل کمالِ ہستی ہے اُس کو حاصل
وہ چھوڑ کر اب تو سب مشاغل بس ایک شغلِ شراب میں ہے

عجب ہے وہ بارگاہ عالی کہ جو ہے مجذوبِ لااُبالی
جو سارے اوصاف سے ہے خالی وہ دیدۂ انتخاب میں ہے

کرو نہ مجذوب کی برائی کہ گو نہیں رختِ پارسائی
مگر جو ہے روحِ پارسائی اسی تو خانہ خراب میں ہے

○

آہ بھی کی جب دلِ بیگانۂ تدبیر نے
آکے جب سو بار رگڑی ناک خود تاثیر نے

کب ذرا چلنے دیا پھوٹی ہوئی تقدیر نے
ہر قدم پر ٹھوکریں کھائیں مری تدبیر نے

گھر کیا ایسا تصوّر میں تری تصویر نے
دی مجھے تقریر کی لذت تری تحریر نے

صورتِ بسمل گزاری عمر بھر نخچیر نے
تیر سے بڑھ کر کیا کام احتمالِ تیر نے

کب کیا بیدل مجھے حسّاد کی تحقیر نے
بھر لیا ہے روپ ذلت کا مری توقیر نے

ہائے کس انداز سے وہ چشم خوابیدہ ہے باز
ہائے کیا پھینکے ہیں تیر اس ترکش بے تیر نے

تازیانہ ہوگئی اے محتسب بہر سمند
اور بھڑکا یا ہے شوق مے تری تعزیر نے

تیرے قدموں سے چھڑانا حشر میں چاہا بہت
شکل ہی بدلی نہ میری خاک دامنگیر نے

شاہد مقصود پاس آ آکے کہتا ہے یہی
تنگ کر رکھا ہے اس بیگانہ تدبیر نے

کب رکا نالہ ہمارا پھیر لی تم نے نگاہ
کس نے منہ موڑا ہمارے یا تمہارے تیر نے

حشر میں موجود پایا پھر تن خاکی وہی
بے طمع پیچھا کیا اس خاک دامنگیر نے

جبہہ سائی سے ترے در کے ہوا میں سرخ رو
کیسی چمکا دی مری تقدیر اس تدبیر نے

میں ہوا پیدا تو بیکس پاکے فوراً رکھ لیا
اپنے گہوارہ میں مجھ کو گردش تقدیر نے

خواب کی لذت سے بھی محروم ناحق کر دیا
کرکے بیدار اضطراب حسرت تعبیر نے

شرح حسن یار ہے حسن حسینان جہاں
حل کیا اس مصحف رخ کو اسی تفسیر نے

ڈالتے ہو خاک کس پر کچھ خبر ہے حاسدو
مجھ کو چمکایا ہے کس کے حسن عالمگیر نے

یا جنازے کی وہ رفعت یا یہ پستی قبر کی
ذلتیں کیا کیا دکھائی ہیں مری توقیر نے

میرے گوش جاں سے گوش ہوش سے پوچھے کوئی
کیا کیا ہونٹوں ہی ہونٹوں میں تری تصویر نے

خیر ہے یا رب یہ پہنچا کون در پر یار کے
صور سا پھونکا وہاں پر حلقۂ زنجیر نے

کانپ اٹھی دیوار زنداں تھا وہ جھنکاروں کا شور
دی تڑپ کر جان کس وابستۂ زنجیر نے

جبہہ سا رکھنا تھا جب در پر تغافل کیش کے
خامہ فرسائی ہی کیوں کی کاتب تقدیر نے

اے منجم چرخ گرداں بن گئی روز ازل
خاک اڑائی تھی جو میری گردش تقدیر نے

لاکھ اثر پھرتا رہا پیچھے مگر اے ذوق غم
کب کیا رخ نالۂ بیگانۂ تاثیر نے

○

اب خیر نہیں حال مرا اور ہی کچھ ہے
بس آج تو منظور خدا اور ہی کچھ ہے

انکار کے پردہ میں چھپا اور ہی کچھ ہے
چپکے سے تبسّم نے کہا اور ہی کچھ ہے

یوں تو ہیں سبھی آپ کے اس حسن پہ شیدا
مرتا ہوں میں جس پر وہ ادا اور ہی کچھ ہے

اس دست حنائی پہ نہ جا اے دل ناداں
کر غور یہ ہم رنگ حنا اور ہی کچھ ہے

دیکھی نہیں جاتی ہے کسی سے مری حالت
اب سب کی مرے حق میں دعا اور ہی کچھ ہے

تھا لطف تو پہلے بھی بہت وصل میں لیکن
اب ہجر کے بعد اس میں مزا اور ہی کچھ ہے

تاریکیٔ مرقد کی جھلک ہے شبِ غم میں
یہ رات نہیں ہے یہ بلا اور ہی کچھ ہے

وہ غم جسے دنیا میں سمجھتے تھے مصیبت
اب مر کے یہ معلوم ہوا اور ہی کچھ ہے

امید تو تھی پیکِ اجل اور ہی ہم کو
لیکن ہمیں پیغام ملا اور ہی کچھ ہے

وہ قطرہ کہ اک بوند سمجھتے تھے جسے سب
اب آ کے جو دریا میں ملا اور ہی کچھ ہے

دنیا کی طلب ننگ ہمیں ہے شہِ خوباں
شاہوں کے گداؤں کی صدا اور ہی کچھ ہے

پاتا ہوں جو ساقی دلِ پرخوں کو میں خالی
کیا جام میں یہ بھر کے دیا اور ہی کچھ ہے

کہتا ہے یہ کیا سُن تو سکندر دمِ خنجر
کچھ ہے بھی خبر آبِ بقا اور ہی کچھ ہے

اے بلبلِ شیدا تجھے نغمے ہوں مبارک
مجذوبؔ کی قسمت میں لکھا اور ہی کچھ ہے

مجذوبؔ کو مدہوش بنا رکھا ہے جس نے
رندو! وہ مئے ہوش رُبا اور ہی کچھ ہے

○

○

خزاں کے دور دکھائے فلک ہزار مجھے
بنا دیا ہے کسی نے سدا بہار مجھے

بنایا حق نے ترے غم کا راز دار مجھے
عطا کیا لب خاموش دل فگار مجھے

برس کے چھیڑ نہ اے ابر نو بہار مجھے
کسی کی یاد رُلاتی ہے زار زار مجھے

نصیب موسم گل سے ہوتے ہیں خار مجھے
فریب دے گئی رنگینیٔ بہار مجھے

کیا ہے عشق نے کیا کیا ذلیل و خوار مجھے
نواز بھی دے بس اب اے نگاہ یار مجھے

غلط سمجھتی ہے مخلوق بادہ خوار مجھے
کہ مست رکھتا ہے ہر دم خیال یار مجھے

ہوئے ہیں یوں تو بڑے شدّ و مد سے قول و قرار
مگر نہ ان کا بھروسہ نہ اعتبار مجھے

یہ کیا غضب ہے یہ کیسی ہے میری محویّت
وہ آ گئے مگر اب بھی ہے انتظار مجھے

جو آگئے ہو مرے گھر تو جا نہیں سکتے
جب اختیار تمہیں تھا اب اختیار مجھے

جہاں میں جاؤں مرے ساتھ ہے تصوّرِ دوست
تمام روئے زمیں اب ہے کوئے یار مجھے

میں اپنی خوبیٔ قسمت سے خوب واقف ہوں
فریبِ یار نہ دے چشمِ انتظار مجھے

یہ حسن و عشق کے فتنے کسی کے بس کے نہیں
نہ اختیار تمہیں ہے نہ اختیار مجھے

جنوں کے جوش میں لی میں نے راہ صحرا کی
چمن سے ہائے اڑا لے گئی بہار مجھے

خمار ہو نہ کبھی تا ابد مجھے ساقی
پلا دے جامِ محبت بنامِ یار مجھے

مجھے تھا ہوش سے مجذوبؔ کام کیا لیکن
بنا دیا ہے زمانے نے ہوشیار مجھے

○

نزع میں تو خاطرِ بیمار کرنا چاہیئے
اب تو پورا وعدۂ دیدار کرنا چاہیئے

اختیار اب شیوۂ اغیار کرنا چاہیئے
عرض جب بیکار ہو اصرار کرنا چاہیئے

مے پلائے یار پھر انکار کرنا چاہیئے؟
ایسی توبہ پر تو استغفار کرنا چاہیئے

لوٹتے ہو سوئے ساحل عار کرنا چاہیئے
ڈوب جانا چاہیئے یا پار کرنا چاہیئے

گو کہاں ہستی تری اے دل کہاں ان کا وصال
کر کے ہمت عرض تو اک بار کرنا چاہیئے

دل کسی کو دے کوئی، تو پہلے اپنے آپ کو
جان دینے کے لئے تیار کرنا چاہیئے

وضع یہ مجذوبؔ تیری اور تری یہ مستیاں
کچھ تو پاس جبّہ و دستار کرنا چاہیئے

○

سرِ میّت زبانِ حال سے عبرت یہ کہتی ہے
اچانک دل کے آنے کا ہے مرگ ناگہاں بدلہ

قیامت تک کی راتیں جمع کر دیں اک شب غم میں
نہ لے یوں وصل کی راتوں کا مجھ سے آسماں بدلہ

دیا میں نے دل ناکارہ اپنی حسب حیثیت
ملے سرکار سے سرکار کے شایانِ شاں بدلہ

بڑی بے چارگی کی موت ہے مرگ محبت بھی
مگر اس موت کا ہے زندگیِ جاوداں بدلہ

جگایا غافلوں کو تو نے مجذوب اپنے نالوں سے
تجھے دونوں جہاں میں دے خدا نے دو جہاں بدلہ

○

دن وصل کے حظ بے شب ہجراں نہیں رکھتے
بے زلف مزا کچھ رخ خوباں نہیں رکھتے

ہم لوٹتے ہیں خوب بہار چمن حسن
نرگس کی طرح دیدۂ حیراں نہیں رکھتے

ہاں جن کے گدا سنگ در یار پہ بیٹھے
وہ اب ہوس تخت سلیماں نہیں رکھتے

ہے اک دل بے مدعا صد آرزو اپنی
مل جائے جو یہ پھر کوئی ارماں نہیں رکھتے

شمشیر بہ کف و بدبۂ حسن ہے ان کا
محفوظ ہیں خود حاجت درباں نہیں رکھتے

کھوٹا ہے وہ سکہ جو نہ دے لے حسن آواز
انساں ہیں وہ کیا جو دل نالاں نہیں رکھتے

○

عجب عبرت کدہ یہ ہائے میرے دل کی بستی ہے
کبھی رحمت برستی تھی اور اب حسرت برستی ہے

یہ اے میکش تری مستی کوئی مستی میں مستی ہے
مری مستی کے آگے کیا تری مستی کی ہستی ہے

یہ وہ دولت ہے جو اے طالبو ملتی ہے قسمت سے
متاعِ دردِ دل یعنی نہ مہنگی ہے نہ سستی ہے

نہ شیشہ ہے نہ ساغر ہے مگر آپے سے باہر ہے
نرالی یہ تو اے مجذوبؔ تیری مے پرستی ہے

بڑھاپے میں بھی اے مجذوبؔ یہ جولانیاں تیری
اجل بھی ہنس رہی ہے واہ کیا پیرانہ مستی ہے

○

نالاں بھی کبھی ہے مگر اکثر تو نہیں ہے
پھر دل مرا دل ہی تو ہے پتھر تو نہیں ہے

بیشک ترے طالب کے یہاں زر تو نہیں ہے
سائل وہ تجھی سے تو ہے در در تو نہیں ہے

دُنیا مہک اُٹھی ہے جو اے بادِ بہاری
کھولے کوئی گیسوئے معنبر تو نہیں ہے

رہیئے کبھی رندوں میں تو اے شیخ زمانہ
قائل ابھی حضرت کا یہ احقر تو نہیں ہے

رہتا ہے جو سرخم ترا مجذوب ہمیشہ
دل میں ترے بیٹھا کوئی دلبر تو نہیں ہے

○

تصوّر تو کسی کا جان سے بھی مجھ کو پیارا ہے
مرے دل کا اُجالا ہے مری آنکھوں کا تارا ہے

رہے گی دل کی دل ہی میں یہ میری داستانِ غم
کسے کہنے کی طاقت ہے کسے سننے کا یارا ہے

جو دل اک سنگ دل کی نذر ہے کیوں سب مخالف ہیں
ہماری شے ہے جس کو دیں کسی کا کچھ اجارا ہے

محبت بھی کہیں مجذوب چھپتی ہے چھپانے سے
جو دل کا حال ہے صورت سے تیری آشکارا ہے

○

یہ کیا اندھیر زیر چرخ گرداں دیکھتا ہوں میں
عجب بدلا ہوا اب رنگِ دوراں دیکھتا ہوں میں

نہیں کچھ امتیاز کفر و ایماں دیکھتا ہوں میں
کہ سب کی صورت و سیرت کو یکساں دیکھتا ہوں میں

ہر اک میں خلق ظاہر بغض پنہاں دیکھتا ہوں میں
ہر اک کو خار در دل گل بداماں دیکھتا ہوں میں

یہ کس جان جہاں کو دل میں مہماں دیکھتا ہوں میں
کہ اپنی آج رگ رگ کو رگ جاں دیکھتا ہوں میں

قریب روئے تاباں زلف پیچاں دیکھتا ہوں میں
سحر کے وقت یا خواب پریشاں دیکھتا ہوں میں

بظاہر بیخودی میں میری آنکھیں بند ہیں لیکن
جو پنہاں سب سے ہے اس کو نمایاں دیکھتا ہوں میں

سمجھتا ہے جسے بیدار دنیا آج سب عالم
اُسے اک سر بسر خواب پریشاں دیکھتا ہوں میں

نظر آتے مجھے اہل جہاں سب تیرے پروانے
تجھے اس بزم کی شمع فروزاں دیکھتا ہوں میں

وہ ہو تعلیم نو تہذیب نو یا روشنی نو
نئی شے جو ہے اس کو فتنہ ساماں دیکھتا ہوں میں

○

کراماتیں تری کیا کیا نہ اے پیر مغاں دیکھیں
پہنچتی اپنی نظریں سکر میں تا لامکاں دیکھیں

نظر آتی ہے سب محفل کی محفل رنگ میں ڈوبی
مجھے سادہ سمجھتے تھے مری رنگینیاں دیکھیں

کسی کا رہ گیا ہوں قدِ آدم بن کے آئینہ
مری حیرانیاں دیکھیں جمال آرائیاں دیکھیں

قبا رنگیں بدن رنگیں نظر رنگیں دہن رنگیں
تمہیں دیکھا کہ اک جا مجتمع رنگینیاں دیکھیں

وہ اک چلتی نظر میں دیکھ لیں مجذوبؔ بیخود نے
بڑے باریک بینوں نے نہ جو باریکیاں دیکھیں

عجب ہے شان تیری تجھ کو اے مجذوبؔ کیا دیکھا
لباسِ زہد میں گویا مجسم مستیاں دیکھیں

کسی میں ہم نے اے مجذوبؔ اس پیرانہ سالی میں
نہ ایسی شوخیاں دیکھیں نہ ایسی مستیاں دیکھیں

○

ہائے مجھ سا بھی جہاں میں کوئی مجبور نہیں
خود کو مجبور سمجھنے کا بھی مقدور نہیں

عشق کے راز کا افشا مجھے منظور نہیں
ورنہ حاصل مجھے کیا درجۂ منصور نہیں

○

غم نے ہلالِ عید کو خنجر بنا دیا
اختر کو سوزِ ہجر نے اخگر بنا دیا

کیا شے ہے تو بھی عشق، کہ پتلے کو خاک کے
تو نے ملائکہ سے بھی بہتر بنا دیا

ان داغہائے عشق کے ہوتے ہوس کہاں
اِن درہموں نے دل کو تونگر بنا دیا

○

یہ جکڑنا چارہ گر طوق و سلاسل سے مجھے
روکنا ہے عشق میں قطع منازل سے مجھے

کیا بھلا ہوتا افاقہ وحشت دل سے مجھے
اور وحشت بڑھ گئی طوق و سلاسل سے مجھے

کیوں نہ ہو مرغوب شغل درد دل، دل سے مجھے
اس نے فارغ کر دیا سارے مشاغل سے مجھے

بحر خوں کی تہ نظر آتی ہے ساحل سے مجھے
موت ہے یعنی گذرنا، کوئے قاتل سے مجھے

بحرِ غم جس کا کنارہ، اک ازل ہے اک ابد
پار کرنا ہے شکستہ کشتی دل سے مجھے

فیض عشقِ زلف و رخ نے تیرے مستغنی کیا
اہل قبض و بست سے محجوب و واصل سے مجھے

ان کے کوچہ میں پہنچتے ہی ہیں بیخود ہو گیا
شوق منزل لے کے پہنچا دو رمنزل سے مجھے

آ رہی ہے سوئے گورستاں ہوائے جانفزا
آ رہے ہیں پھر بلاوے کوئے قاتل سے مجھے

نور تو کیا جانے کیا ہوگا ترا اے جانِ جاں
روشن آتا ہے نظر عالم ترے ظِل سے مجھے

ضعف کی کچھ حد ہے کوئی زیست کی صورت نہیں
غش پہ غش آئے ہیں مجھ کو جنبش دل سے مجھے

میزباں گلفام ساقی لالہ روے آتشیں
خون آتا ہے نظر اس رنگ محفل سے مجھے

غرق الفت کو غم مستقبل و ماضی نہ ہو
بر کنار اے بیخودی رکھ دور ساحل سے مجھے

کاہشِ غم سے گلہ ہے ان کو کیا الزام دوں
کیوں نہ ہر بار آ کے پہچانے وہ مشکل سے مجھے

رہ گیا گرداب کس حسرت سے کھا کر پیچ و تاب
لے چلے سمجھا کے جب احباب ساحل سے مجھے

کاہشِ غم نے کیئے آثارِ ہستی سب فنا
اب کریں محسوس اچھا سوزشِ دل سے مجھے

کچھ نہ پوچھو لذت بیتابیِ دل کا اثر
وجد آجاتا ہے رقصِ مرغِ بسمل سے مجھے

شیخ کے ہیں سلسلے کل چار ہی اے زلفِ یار
ہے یہاں وابستگی صدہا سلاسل سے مجھے

ہے ترا مشرب بقا زاہد مرا مشرب فنا
ہے ارادت اہلِ دل سے تجھ کو بیدل سے مجھے

کس مصیبت سے تو پکڑا تھا کنارا اے خدا
آکے موجیں لے چلیں پھر ہائے ساحل سے مجھے

دفن کردو یوں ہی میت کو شہیدِ عشق کی
غسل آنکھیں دے چکیں خونابۂ دل سے مجھے

میں ہوں بے خود جب سے دل ہے آشنائے بحرِ عشق
دل نے رخصت کردیا ہے یعنی ساحل سے مجھے

تھک کے میں چپ ہوگیا تھا لیکن اے صیاد پھر
ہوک سی اٹھنے لگی شورِ عنادل سے مجھے

ہٹ نہیں سکتا خیالِ زلف یار اے بے خودی
گر نہیں سکتا جدا کوئی مرے ظلِ سے مجھے

جب سے قید ضبط سے میں نے چھڑایا آہ کو
دیتی ہے ہر دم دعائیں وہ تہہ دل سے مجھے

جا بجا ہیں تیرے کوچے میں جو تیرے نقشِ پا
ہوتے ہیں معلوم یہ بکھرے ہوئے دل سے مجھے

جلوہ گر ہوتا ہے جب خلوت میں وہ پردہ نشیں
پھر تو ہونے لگتی ہے وحشت مرے ظل سے مجھے

بند ہو کر پھر نہ جنت میں بھی یہ آنکھیں کھلیں
کیا بتاؤں کیا نظر آیا درِ دل سے مجھے

رہ نوردِ عشق کو رہزن بھی ہے اک رہنما
ہاں چلا چل کی صدا آئی جلاجل سے مجھے

جب فنائے عشق ہوں کرتا ہوں پھر کیوں خودکشی
آکے روک اے ہوش اس تحصیل حاصل سے مجھے

جب ہو وہ پرتو فگن پھر ظلمت ہستی کہاں
کر دیا دور اس کے جلوے نے مرے ظل سے مجھے

درد سے رہ رہ کے بندھ جاتی ہیں میری مٹھیاں
فرصت اک دم کو نہیں عقدِ انامل سے مجھے

دم میں سے گذری ہے اے دل تیری آہِ جانستاں
عشق کے سارے مقامات و منازل سے مجھے

یاد کا بھی تو ذریعہ ہے یہی مشقِ ستم
ہاں بھلاتے ہی رہیں ہر وقت وہ دل سے مجھے

ہائے اے مجذوبؔ کس لیلیٰ کا میں دیوانہ ہوں
جھانکتی ہے لیلیِ مجنوں بھی محمل سے مجھے

دیتا ہے تشبیہہ اے مجذوبؔ سن کر یہ غزل
کوئی حافظؔ کوئی خسروؔ کوئی بیدلؔ سے مجھے

میں ہوں فیضِ عشق سے مجذوبؔ رشکِ سالکاں
کیوں نہ ہو ہے بھی ارادت پیرِ کامل سے مجھے

○

دھیان میں ان کو لا کے دیکھ لیا — سب کی نظریں بچا کے دیکھ لیا
ہر طرح آزما کے دیکھ لیا — دار پر بھی چڑھا کے دیکھ لیا
چاہا جب جی جمالِ ساقی کو — ایک بوتل چڑھا کے دیکھ لیا
اب تو خوب آزما کے دیکھ لیا — ہم ہیں بندے وفا کے دیکھ لیا
دل میں بجلی سی اک چمک اُٹھی — کس نے زلفیں ہٹا کے دیکھ لیا
ہنس کے اب تو مجھے ہنساؤ تم — خوب اب تو رُلا کے دیکھ لیا
آ گری دل پہ کیا یہ بجلی سی — کس نے اُف مسکرا کے دیکھ لیا
سب بلاؤں پہ آئے ہیں غالب — ہم بھی ہیں کس بلا کے دیکھ لیا

آج تو کہہ کے ہرچہ بادا باد ان کو نظریں ملا کے دیکھ لیا
سب ہیں مطلب کے دوست اے ہمدم سب کو خوب آزما کے دیکھ لیا
دیدنی غیر دیدنی سب کچھ ہم نے دنیا میں آ کے دیکھ لیا
بیسوا ہے یہ بے وفا دنیا سو طرح آزما کے دیکھ لیا
نہ ہٹا تیرے در سے میں نہ ہٹا زور سب نے لگا کے دیکھ لیا
نہ بجھی دل کی یہ لگی نہ بجھی لاکھ آنسو بہا کے دیکھ لیا
چھپ سکیں گے حضور پھر کیوں کر گر تصور میں لا کے دیکھ لیا
ہے کوئی انتہا بھی وسعت کی دل میں میرے سما کے دیکھ لیا
آج میں نے وہ چاند سا مکھڑا بکھری زلفیں ہٹا کے دیکھ لیا
اب تو چین آ گیا تجھے قاتل خاک و خوں میں لٹا کے دیکھ لیا
دل کی دنیا جو جگمگا اٹھی کس نے پردہ اٹھا کے دیکھ لیا
باز آیا نہ عشق سے مجذوبؔ سب نے سمجھا بجھا کے دیکھ لیا

آج مجذوبؔ نے بھی اس بت کو
سب کی نظریں بچا کے دیکھ لیا

○

کوئی رہنے میں رہنا ہے یہ زیرِ آسماں رہنا
بہ فکرِ دشمناں رہنا بیادِ دوستاں رہنا

کسی سے سیکھ لے بلبل سراپا داستاں رہنا
ہے ننگِ عشق حالِ دل کا محتاجِ بیاں رہنا

جہاں رہنا ہمیں دنیا میں وقفِ امتحاں رہنا
کہیں ہم ہوں مگر بہر پھر کے زیرِ آسماں رہنا

کھٹکتا ہے یہ تنکوں کا گلوں کے درمیاں رہنا
بہت مشکل ہے اے بلبل چمن میں آشیاں رہنا

اُسی پر منحصر ہے عاشقوں کا قدرداں رہنا
کبھی تو مہرباں رہنا کبھی نا مہرباں رہنا

ہمیں دونوں برابر ہیں گلستاں ہو کہ صحرا ہو
وہیں کے ہو رہے ہم ہو گیا اپنا جہاں رہنا

یہ کیا طرفہ ادا طرفہ تماشا طرفہ پردا ہے
مری آنکھوں میں پھرنا پھر بھی آنکھوں سے نہاں رہنا

بھلا یہ بھی کوئی انداز ہے اے بلبل نالاں
گلوں کے درمیاں رہ کر بھی مصروفِ فغاں رہنا

بھروسہ کچھ نہیں اس نفس امّارہ کا اے سالک
فرشتہ بھی یہ ہو جائے تو اس سے بدگماں رہنا

سبق آموز اہلِ جاہ ہے درسِ تواضع ہے
بایں رفعت قدم بوسِ زمیں اے آسماں رہنا

خلاصہ مجذوب سے سن لے کوئی آداب محبت کا
دعائیں دل میں دینا ظلم سہنا بے زباں رہنا

پڑی ہے کشمکش میں جاں پڑا ہے گومگو میں دل
یہ آخر آپ نے سیکھا ہے کس سے بدگماں رہنا

گھٹائیں کس بلا کی دیکھ اٹھی ہیں ارے توبہ
بہت مشکل ہے واعظ آج پاس میہماں رہنا

یہ ہی آتا ہے بس یا اور بھی کچھ تم کو آتا ہے
امیدیں توڑنا دل خون کرنا بدگماں رہنا

نہ رہ ناشاد سالک مسلک مجذوب پر آجا
اگر ہر حال میں تو چاہتا ہے شادماں رہنا

○

غم ہائے دہر مجھ کو پریشاں نہ کر سکے
وہ عشق کیا جو درد کو درماں نہ کر سکے

اس شوخ پر فدا یہ دل و جاں نہ کر سکے
ہم حسب شوق خاطر مہماں نہ کر سکے

محفوظ دل میں بس وہی ارماں نہ کر سکے
جو اختیار صورت جاناں نہ کر سکے

کچھ عشق میں ہم اے دل نالاں نہ کر سکے
جب خارزار غم کو گلستاں نہ کر سکے

کچھ بھی جہاں کے عیسیٔ دوراں نہ کر سکے
جب میرے درد دل ہی کا درماں نہ کر سکے

ظاہر کچھ ان سے حال پریشاں نہ کر سکے
تجویز کوئی عرض کا عنواں نہ کر سکے

وہ ننگ عاشقاں ہے، وہ ہے ننگ عاشقاں
رگ رگ کو درد دل جو رگ جاں نہ کر سکے

کرتے کچھ اور مدحت مروئے بتاں ابھی | لیکن بہ پاسِ عظمتِ قرآں نہ کر سکے
اس بلبل اسیر کی مجبوریاں نہ پوچھ | جو سیر کیسی ذکر گلستاں نہ کر سکے
وہ شوق ناتمام ہے وہ عشق خام ہے | جو ہجر اور وصال کو یکساں نہ کر سکے
آنکھیں جو بند کیں تو تصور میں آگئے | کچھ بند و بست شوق فراواں نہ کر سکے
کیا کیا جہاں میں آئے نہ طوفانِ انقلاب | مجھ کو وہ صبر و ضبط کو جنباں نہ کر سکے
دنیا کو زاہدوں نے مسلماں کیا تو کیا | جب نفس گبر خو کو مسلماں نہ کر سکے
فضل خدا سے ہم نے بفیضِ جنونِ شوق | وہ وہ کئے ہیں کام جو انساں نہ کر سکے
تڑپے بھی غش بھی ہم ہوئے چیخے بھی روئے بھی | اظہار درد دل کسی عنواں نہ کر سکے
مشکل کو میری رکھ نہ کشاکش میں اے فلک | کر دے مُحال ہی اگر آساں نہ کر سکے
تیری بدولت اے دل بیتاب شوق ہم | نظارۂ جمال حسیناں نہ کر سکے

مجذوبؔ کی نگاہ میں مجنوں ہی وہ نہیں
جو گل کو خار گھر کو بیاباں نہ کر سکے

○

کب میں موسیٰ کی طرح طالب دیدار نہیں | صورت طور نہیں کب جلنے کو تیار نہیں
کوئی ہمدرد نہیں ہجر میں غم خوار نہیں | بھیس میں روز قیامت ہے شب تار نہیں
اک قیامت ہے سراسر تری رفتار نہیں | شور محشر ہے یہ پازیب کی جھنکار نہیں
آگئے آنکھوں کے جو وہ پھول لئے خار نہیں | کون سا گل ہے کہ نظروں میں مری خار نہیں
جاگ اٹھا کون شب غم نہ مرے نالوں سے | اک مگر بخت مرا ہے کہ جو بیدار نہیں

کچھ تو اے دستِ جنوں چھوڑ کہ جز تارِ نفس — اب رہا جامۂ ہستی میں کوئی تار نہیں

ہیں یہ رونے کے لئے ان کے لئے ہے رونا — تیرے عشاق کی آنکھیں پئے دیدار نہیں

دیکھ جاؤ سفرِ ملکِ عدم ہے درپیش — ورنہ بس لینا کوئی دم میں کہ بیمار نہیں

دل کوئی شے ہے بھلا اس کی حقیقت کیا ہے — مانگئے جاں بھی اگر آپ تو انکار نہیں

کرتا ہے موج زنی بحرِ فصاحت گویا — جنبشِ لب یہ تمہاری دمِ گفتار نہیں

قبر ہی میں مجھے اے حشر پڑا رہنے دے — شکل دکھلانے کے قابل یہ سیہ کار نہیں

داغ انجم ہیں یہ کیا اور ہے گردش کیسی — وہ اگر تختۂ مشقِ ستمِ یار نہیں

تیری رحمت کی جو آغوش ہیں مجرم ہونگے — حسرت جرم کریں گے جو گنہ گار نہیں

دُرِ مضموں کی حسنؔ پھر یہ جھڑی سی کیوں ہے
گر مری طبعِ رواں ابرِ گہر بار نہیں

○

ہم اس گلی میں اے دل چلنے کو چل رہے ہیں
ادنیٰ خطا یہ لیکن عاشق نکل رہے ہیں

جب تک تھے ہم تمہارے سارا جہاں تھا اپنا
اب تم جو پھر گئے سب آنکھیں بدل رہے ہیں

نالوں پہ تم تو میرے ہنستے تھے اب یہ کیا ہے
گردن جھکی ہوئی ہے آنسو نکل رہے ہیں

بے حس نہ ہائے سمجھو اے اہلِ وجد ہم کو
کیوں کر دکھائیں دل پر خنجر جو چل رہے ہیں

کرتی ہے آہ میری طوفانِ نوح برپا
ہر چشمِ خشک سے بھی دریا ابل رہے ہیں

بے دست و پا ہیں پھر بھی رکھتے ہیں قصد منزل
معلوم ہے رسائی چلنے کو چل رہے ہیں

سن سن کے میرے نالے وہ اور سوز دل پر
آہوں سے اپنی بیٹھے پنکھا سا جھل رہے ہیں

وہ خاک ہو چکا ہے کب کا ادھر تو دیکھیں
پیروں سے اب وہ ناحق دل کو مسل رہے ہیں

اے مارِ نفس تیرا باقی وہی ہے دم خم
مدت سے تیرے سر کو گو ہم کچل رہے ہیں

ہے عرش لامکاں تک دل کی مرے رسائی
فرہاد و قیس وقفِ دشت و جبل رہے ہیں

بزمِ جہاں سے وحشت ہونے لگی ہمیں بھی
ٹھہرو ذرا کہ یارو ہم بھی تو چل رہے ہیں

عشاق تو ہوئے ہیں پروانہ وار سوزاں
مانندِ شمع وہ بھی محفل میں جل رہے ہیں

تم دیکھنا یہ جیب بھی لاتی ہے رنگ کیا کیا
سانچے میں میرے دل کے مضمون ڈھل رہے ہیں

مرکر بھی خواب راحت حاصل ہوا نہ اُن کو
مہجور قبر میں بھی کروٹ بدل رہے ہیں

اس سے تو صاف کردو انکار ہی تو اچھا
وعدے یہیں تمہارے برسوں سے ٹل رہے ہیں

اقرار وصل کرکے آیا ہے ہوش اُن کو
کہنے کو کہہ گئے اب پہلو بدل رہے ہیں

مجذوبؔ نے جو بڑ میں دو لفظ بھی نکالے
برسوں وہ سالکوں میں ضرب المثل رہے ہیں

○

جو ابتدا تھی وہ کہتی تھی انتہا ہوں میں — اب انتہا مری کہتی ہے ابتدا ہوں میں

جو دل کی بات ہے کب اُن سے کہہ سکا ہوں میں — کہ جب ملا ہوں تو منہ تک کے رہ گیا ہوں میں

جواب جرم محبت یہ دے سکا ہوں میں — کہ دل کو تھام کے اف کرکے رہ گیا ہوں میں

کہاں تھا کون تھا اور اب کہاں کس کا ہوں میں — اس آب و گل کے جو دلدل میں آپھنسا ہوں میں

اگرچہ خود تو اک افتادہ نقش پا ہوں میں — دلیل راہ ہوں اوروں کا رہنما ہوں میں

کریم ہی کے بھروسے پہ پی رہا ہوں میں — میں رند ہوں تو مگر رند با خدا ہوں میں

بُرا ہوں بلکہ بُروں سے بھی کچھ سوا ہوں میں — یہ سب سہی مگر آخر تو آپ کا ہوں میں

عزیز وقت کو پھر اپنے کھو رہا ہوں میں
گئے زمانے کو بیٹھا جو رو رہا ہوں میں

○

یوں رکے گا اے فلک یہ نالۂ پیہم نہیں
آج یعنی فیصلہ ہے تو نہیں یا ہم نہیں

کون بالیں پر دم آخر بچشم نم نہیں
ہائے اس عالم میں بھی وہ فتنۂ عالم نہیں

آنکھ ہے جب تک تو تھمتا گریۂ پیہم نہیں
ابر غم ہے یہ سواد دیدۂ پر نم نہیں

سارا عالم ہے خفا اس کا تو مجھ کو غم نہیں
دیکھنا یہ ہے مزاج یار تو برہم نہیں

چشم عبرت میں تو کچھ بھی گلشن عالم نہیں
خندۂ گل ہے جہاں کیا گریۂ شبنم نہیں

خانۂ صیاد بھی گلشن سے ہم کو کم نہیں
ہم اسیران قفس کو آشیاں کا غم نہیں

چاہیے ان کو نمکدان لب و دندان یار
زخم ہائے دل ہمارے درخور مرہم نہیں

اک نہ اک دن جان دے دیگا کوئی حرماں نصیب
رنگ لائے گی کسی دن آپ کی ہر دم نہیں

اک ہوا اس کو سمجھتا ہے دل پر حوصلہ
منتشر جس آہ میں شیرازۂ عالم نہیں

رہنے دے ان کی مژہ کا تو خیال اے بیخودی
ڈوبنے والوں کو تنکے کا سہارا کم نہیں

آکے میرے سوگ میں ظالم نے کھنڈت ڈال دی
محفل شادی ہے گویا مجلس ماتم نہیں

گر ہوا دشمن زمانہ ہو مگر اے دل ہمیں
سوچنا یہ ہے مزاج یار تو برہم نہیں

چاہیئے یا قوتیاں دل کے مرض میں اور یہاں
شربت دینار کے بھی واسطے درہم نہیں

بزم کو پھیکا نہ کر دے کر تبرک کی طرح
یہ مئے گل رنگ ہے ساقی کوئی زم زم نہیں

دیکھ کر ان کو ہے صبح مہر کو فکر غروب
ڈوب مرنے کو تو کچھ کم قطرۂ شبنم نہیں

بن کے آنسو گر پڑا ہے روئے گل پر شوق میں — چشم بلبل کا یہ تل ہے قطرۂ شبنم نہیں

کب تک اے دل تو پیے جائے گا یوں خونِ جگر — کھانے والے غم کے کیا تجھ کو میسر سم نہیں

آنکھ اشک خوں سے پُر داغوں سے مالامال دل — ہم گدائے عشق بے دینار و بے درہم نہیں

اک نفس اس کو سمجھتا ہے دل پُر حوصلہ — منتشر جس آہ میں شیرازۂ عالم نہیں

آپ کے محو خیال گیسو و رُخسار کو — فرصت نظارۂ نیرنگئ عالم نہیں

خشکی لب ہائے زخم دل سے لاں ہیں طبیب — جب اٹھا کر دیکھئے پھاہا تو ہے مرہم نہیں

قیس کا قصہ سناتے ہیں کسے سنئے تو آپ!
وہ اگر مجنون تھا مجذوب پھر کیا ہم نہیں

○

دیا کیا کچھ نہ قسام ازل نے ہم نشیں مجھ کو
مگر سب لے لیا دے کر دل اندوہ گیں مجھ کو

بُرے لپٹے ہیں یہ غارت گرِ دنیا و دیں مجھ کو
نہ رکھیں گے نہ رکھیں گے کہیں کا یہ حسیں مجھ کو

جہاں گردن اٹھی آیا نظر کوئی حسیں مجھ کو
بس اب ہر دم نگہ رکھنا ہے پیوند زمیں مجھ کو

ملا قسمت سے تجھ سا حور وش پہلو نشیں مجھ کو
میسر ہے مزا جنت میں رہنے کا یہیں مجھ کو

یہ بت کرنے کو ہیں پھر اے خدا مردودِ دیں مجھ کو
اٹھا لے آسماں مجھ کو نگل جائے زمیں مجھ کو

○

تسکین دل ہے چارۂ دردِ جگر ہے تو
آجا مری بغل میں مری جان کدھر ہے تو

اے دل کسی کا قبلہ نما ہی مگر ہے تو
ہر امر نیک و بد میں جدھر وہ ادھر ہے تو

آرامِ دل ہے روشنیِ چشمِ تر ہے تو
فرماں روائے مملکتِ بحر و بر ہے تو

اس جاں بلب مریض سے کیوں بے خبر ہے تو
کیوں آنکھ اٹھاؤں دل میں مرے جلوہ گر ہے تو

ہٹتا نہیں ہے دل سے کسی دم ترا خیال
سوتا بھی ہوں تو خواب میں پیشِ نظر ہے تو

معلوم کس کو تیری وفائے جفا نما
ہیں بے خبر جو کہتے ہیں بیداد گر ہے تو

نالہ مرا تلاش کر آیا ہے عرش تک
آخر پتہ تو دے کہ کہاں اے اثر ہے تو

در پر کسی کے بیٹھ بھی رہ پاؤں توڑ کر
اے دل خراب و خوار یہ کیوں در بدر ہے تو

دل سے زباں یہ کہتی ہے اصرار عرض پر
کس کا کروں خیال اُدھر وہ اِدھر ہے تو

واعظ کو کوثر اور مجھے ساقی کی ہے طلب
زاہد کو حور عیں مجھے مدِ نظر ہے تو

چھپتا نہیں ہے کوئی حسیں اے نگاہ شوق
کس جلوہ گاہ حسن کی بگڑی نظر ہے تو

آتے ہی تیرے غنچۂ دل میرا کھل گیا
کیا لائی بوئے یار نسیم سحر ہے تو

واعظ تجھے سرائے بتاتا ہے اے جہاں
رندوں سے پوچھئے تو بس اک رہگذر ہے تو

گلہائے داغ دل کے کر انجام پر نظر
اے نخل آرزو نہ سمجھ بے ثمر ہے تو

واروں کے اور بھی ہیں بہت منتظر مگر
تیغِ نگاہ یار کی اے دل سپر ہے تو

اے قصرِ آسمان و زمیں کیا تری بساط — اس کی تو اک نگاہ میں زیر و زبر ہے تو

اظہارِ حال تجھ سے ہو کیا نالۂ دراز — مشکل سے میرے دفترِ دل کی سطر ہے تو

بجھتی نہیں ہے آگ تری رشتے ہزار — اے دل پناہ تجھ سے بلا کا شرر ہے تو

ہوتا ہے تیری بڑ کا نہیں ختم سلسلہ
مجذوبِ زلفِ یار کا مجنوں مگر ہے تو

○

رشک کیوں گردِ چمن دیکھ کے دیوار نہ ہو
تجھ میں اے حلقۂ آغوش جو وہ یار نہ ہو

چھیڑتا ہے مجھے ہنس ہنس کے جو ماہِ شبِ ہجر
خوف ہے غیر کا یہ طالعِ بیدار نہ ہو

طائرِ جاں قفسِ تن سے نکل جائے مگر
مرغِ دل دامِ محبت میں گرفتار نہ ہو

ہنستے ہو رونے پہ میرے کہیں رونا نہ پڑے
انہیں نالوں میں کوئی نالہ اثر دار نہ ہو

سینۂ چرخ کیا آہوں نے چھلنی شبِ غم
ان ستاروں پہ گماں اور کچھ اے یار نہ ہو

روز اس رہ سے نکلتی تھی مری حسرتِ دید
کس لئے بند وہ اب روزنِ دیوار نہ ہو

عکس گیسو جو لب جو نظر آیا دم غسل
رہ گئے پیچھے جھجک کر کہ کہیں مار نہ ہو

کانٹے ہر گام بچھاتا ہے خیال مژگاں
دل کو کیوں عشق کی رہ کاٹنی دشوار نہ ہو

آیا آنکھوں میں اندھیرا جو طلب میں تھک کر
سمجھا میں یار کا یہ سایۂ دیوار نہ ہو

یک بیک رنگِ شفق میں نظر آیا جو ہلال
ابھری یہ خوں میں نہا کر تری تلوار نہ ہو

اے اجل ٹھہرا ابھی اور مجھے گھلنے دے
کہ جنازہ مرا کاندھے پہ انہیں بار نہ ہو

صبح پیری نے کئے انجم دنداں نابود
غافلو حیف ہے تم اس پہ بھی بیدار نہ ہو

رہے آنکھوں میں تصور بھی ترا اے شہ حسن
قید تنہائی کہیں حسرت دیدار نہ ہو

طول اس ہرزہ سرائی میں نہ اب کھینچ حسنؔ
باعثِ کشمکش خاطرِ حضّار نہ ہو

○

دی جگہ آغوش میں جب سب کنارہ کش ہوئے
شکر تیرا ہم ادا اے کنج تربت کیا کریں

فتنۂ محشر سے نالوں نے جگا کر لی مدد
پھر بھی بخت اپنا نہ چونکا ہائے قسمت کیا کریں

لوح ہستی سے مٹا دیں اشک گو نقش وجود
محو پیشانی سے وہ تحریر قسمت کیا کریں

دل کے داغوں کے مٹانے کی کریں کیا فکر ہم
ہے امانت یار کی اس میں خیانت کیا کریں

درہم داغ محبت سے ہے مالا مال دل
دردِ سر کیوں مول لیں ہم کسب دولت کیا کریں

تنگ ہیں ہم سخت جاں ہر چند لیکن جوں شرر
چوٹ دل پر کھا کے ضبط راز الفت کیا کریں

مے کشی اپنی ہے کب بے مرضی رب اعطا
دیتا ہے ترغیب اسی کی ابر رحمت کیا کریں

کرتی ہیں رُخ کا تصور جب بہا چکتی ہیں اشک
بے وضو آنکھیں کبھی قرآں کی تلاوت کیا کریں

○

○

کوچۂ یار کے سوا جائے سکوں کہیں نہیں
نکلا تو دیکھتا ہوں کیا پاؤں تلے زمیں نہیں

غم زدگان عشق میں مجھ سا کوئی حزیں نہیں
روتا تو رات دن ہوں میں تر مری آستیں نہیں

جذب میں ہمنشیں مرا کوئی بت حسیں نہیں
کوئی مگر ترے سوا شکر ہے دلنشیں نہیں

چارہ سوائے صبر کے کوئی دل حزیں نہیں
غم سے نجات عشق میں تا دم واپسیں نہیں

خندۂ لب سے لطف میں کم شکن جبیں نہیں
کون سی ہے تری ادا جو مرے دلنشیں نہیں

تیری طرف سے کچھ کمی اے مرے نازنیں نہیں
تو تو مرے قریب ہے میں ہی ترے قریں نہیں

جا کے رہوں جہاں بھی میں غم سے مفر کہیں نہیں
جس پہ یہ آسماں نہ ہو ایسی کوئی زمیں نہیں

تم کو نصیب زاہدو سجدۂ بے جبیں نہیں
پیش نظر ہے آستاں مدِ نظر مکیں نہیں

دیر نہ کر کہ تاب اب ساقی مہ جبیں نہیں
ہاں میں سمجھ رہا ہوں ہاں تیری نہیں نہیں نہیں

مائل حسن کیا وہ ہو دیکھ چکا ہو ان کو جو
میری نظر میں اب بتو کوئی حسیں حسیں نہیں

لاکھ ہوں محفلیں تو کیا لاکھ ہوں مجلسیں تو کیا
لاکھ ہوں صحبتیں تو کیا تو ہی جو ہمنشیں نہیں

لاکھ ہوں عشرتیں تو کیا لاکھ ہوں فرحتیں تو کیا
کچھ نہیں لطف زندگی جب کوئی دلنشیں نہیں

عشق میں بے نظیر میں حسن میں لاجواب تو
مجھ سا بھی سخت جاں نہیں تجھ سا بھی نازنیں نہیں

مشرب عاشقی میں سب پست و بلند ایک ہیں
یہ وہ جہان ہے جہاں چرخ نہیں زمیں نہیں

عاشق خام تھا میں جب جوش و خروش تھا عجب
لب پہ ہے آہ سرد اب نالۂ آتشیں نہیں

سمجھا کریں بُرا بُرے اچھے تو مجھ پہ ہیں فدا
سب کو میں کہوں لگوں بھلا میں ہوں حسن حسیں نہیں

○

○

نہ چھیڑیئے کہ بظاہر تو خاکسار ہوں میں
لگا دوں آگ دو عالم میں وہ شرار ہوں میں

نہ اس خیال میں رہنا کہ بردبار ہوں میں
بلا کا شوخ چھپا رند بادہ خوار ہوں میں

جہاں میں رہ کے بھی دنیا سے برکنار ہوں میں
نظر بہ بزم ہیں سب اور نظر بہ یار ہوں میں

ہمیشہ محو تماشائے گلعذار ہوں میں
خزاں کا کیا مجھے کھٹکا سدا بہار ہوں میں

خدا کرے کہ نہ تا حشر ہوشیار ہوں میں
کہ بے خودی میں تو اس گل سے ہمکنار ہوں میں

یہ مانتا ہوں کہ باغ جہاں میں خار ہوں میں
مگر خبر بھی ہے کس گل سے ہمکنار ہوں میں

کہاں ہے آ کہ پئے جلوہ بے قرار ہوں میں
ز فرق تا بہ قدم چشم انتظار ہوں میں

کچھ اس طریق سے اب محو انتظار ہوں میں
کہ ہجر میں بھی شب و روز پیش یار ہوں میں

کھنچے جو مجھ سے تو بن جاؤں کھنچ کے میں تلوار
ملے جو جھک کے تو اس کے گلے کا ہار ہوں میں

لئے ہوں ان کو تصور میں اور وہ کہتے ہیں
جو پھنس کے بھی نہ لگے ہاتھ وہ شکار ہوں میں

نہ جائیں دیکھنے والے مری شکستہ حالی پر
لباس میں جو خزاں کے ہے وہ بہار ہوں میں

بلا سے بحر محبت ہو لاکھ بے پایاں
کسی کی یاد میں ڈوبا نہیں کہ پار ہوں میں

سجا ہے مجھ پہ جفا ہاں بجا ہے مجھ پہ جفا
وفا شعار ہوں میں ہاں وفا شعار ہوں میں

ظہور رحمت مولا بھی تو ضروری ہے
گناہگار نہ ہوں تو گناہگار ہوں میں

ہیں دیکھنے میں تو ہوں ایک قطرۂ ناچیز
کرو جو غور تو دریائے بے کنار ہوں میں

کہا کرے مجھے مجذوب خلق دیوانہ
جو ہوشیار ہے مجھ کو تو ہوشیار ہوں میں

○

گھٹا ہے برق ہے ساقی ہے مے ہے یار نہیں
"بہار تو ہے مگر حاصل بہار نہیں"

یہ تیرے بس کی تو گل کاریاں بہار نہیں
وہ حسن تو پس پردہ شریک کار نہیں

یہ عشق دل سے ہے اور دل پہ اختیار نہیں
گناہ گار ہوں بیشک قصور وار نہیں

نقاب الٹ دو کہ اب کوئی ہوشیار نہیں
کہ منتظر کو بھی احساس انتظار نہیں

کسی کی دی ہوئی کیا چیز یادگار نہیں
دل فگار نہیں چشم اشک بار نہیں

ملا وہ دل کہ کوئی جس پہ اختیار نہیں
ملی وہ زیست کہ جس کا کچھ اعتبار نہیں

جہاں میں مجھ سا بھی کوئی تباہ کار نہیں
کہ خاک ہو کے بھی میں خاک کوئے یار نہیں

اثر میں نشہ سے کچھ کم مرا خمار نہیں
میں اپنے ہوش میں آکر بھی ہوشیار نہیں

ہزار بار قسم کھالو ایک بار نہیں
اب اس کو کیا میں کروں دل کا اعتبار نہیں

پڑا ہوں یوں ہی جنازہ نہیں مزار نہیں
خدا کا شکر ہے میرا کسی پہ بار نہیں

زہے نصیب کہ میری نظر بہ فیض جنوں
فریب خوردۂ رنگینئ بہار نہیں

جو یوں پڑی ہے کس آزاد کی یہ میت ہے
کفن نہیں صف ماتم نہیں مزار نہیں

جنوں میں ہوگئی اللہ کیا مری حالت
کہ پھول پھول نہیں مجھ کو خار خار نہیں

لگا ہے میلہ حسینوں کا اُف رے جذبۂ دل
تری ہے زندہ کرامت مرا مزار نہیں

یہ اپنی حد نگہ ہے کسی کی دید کہاں
یہ عکس حسن نظر ہے جمال یار نہیں

ہمارا جینا ہے کیا اور ہمارا مرنا کیا
جئیں تو گھر نہیں مر جائیں تو مزار نہیں

لئے چل اے ملک الموت اسے بھی روح کے ساتھ
یہ جسم زار مرا قابل مزار نہیں

نہ چھیڑ مسئلۂ جبر و اختیار نہ چھیڑ
کچھ اختیار ہے جب دل پہ اختیار نہیں

کہاں تک آہ چلے جائیں ہم یہی سنتے
کہ کوئے یار ہے آگے یہ کوئے یار نہیں

یہ قافلہ ہے ہمارا کہ کاروانِ جناں
جرس نہیں اثر پا نہیں غبار نہیں

وہ بیٹھے رہتے ہیں دیکھوں تو بت بنے کب تک
جو بے قرار نہ کردوں تو بے قرار نہیں

زمانے بھر میں تو شہرہ ہے میری رندی کا
میں حسب شوق مگر پھر بھی بادہ خوار نہیں

ترا وجود ہے بے فیض مردہ دل زاہد
کہ نخل خشک سے اُمید برگ و بار نہیں

شب وصال ہے لیکن ادب ہے مانع وصل
سب اختیار ہے اور پھر بھی اختیار نہیں

یہ کہہ رہا ہوں میں واعظ سے آج دو کی بات
بنے گا خاک وہ ساقی جو بادہ خوار نہیں

ابھی تو کپڑے بدل کر نہ جاؤ غیر کے گھر
ابھی کفن بھی تو میلا تہہ مزار نہیں

کتاب عشق کے سارے ورق الٹ ڈالے
کہیں یہ مسئلہ جبر و اختیار نہیں

ابھی تو گویا میں دنیا ہی میں نہیں آیا
یہ دن جو ہجر کے ہیں زیست میں شمار نہیں

ذرا ابھی دلِ مضطر کو دم نہ لینے دے
قرار گر کہیں آیا تو بیقرار نہیں

اُسے جو اپنے کو خود ہی گناہ گار کہے
گناہ گار نہ کہہ وہ گناہ گار نہیں

نظر کو اپنے پہ اور اختیار دلے پر
اسی میں خیر ہے ناداں کہ اختیار نہیں

تصور اب مری آنکھوں کو لے اڑا کہیں اور
یہ محو دید ہیں یہ محو انتظار نہیں

خموش شمع مرے ساتھ رہے گی کب تک
یہ عمر بھر کا ہے شب بھر کا انتظار نہیں

یہ ہیں تمہاری ہی تصویر کے تو رخ دونوں
خزاں بھی میری نظر میں کم از بہار نہیں

سمجھ کے اہل خرد آئیں بزم ساقی میں
کہ سب ہیں مست یہاں کوئی ہوشیار نہیں

اُنہیں مچل کے سر بزم کر دیا برہم
یہ طفلِ اشک مرا آزمودہ کار نہیں

نہ پوچھ طولِ شب انتظار ہائے نہ پوچھ
خبر نہیں مجھے ہے بھی کہ انتظار نہیں

خفا نہ ہو میں لبوں کو بھی اپنے سی لوں گا — ہیں دل فگار نہیں تم ستم شعار نہیں
ہمیشہ دیکھا برہنہ ہی تجھ کو اے مجذوبؔ — جہاں میں کیا تری قسمت کا کوئی تار نہیں

جو اہل عقل ہیں کیا تجھ کو پائیں گے مجذوبؔ
وہ رازداں سہی لیکن وہ راز دار نہیں

○

نہ لو نام الفت جو خود داریاں ہیں — بہت ذلتیں ہیں بڑی خواریاں ہیں
حسینوں میں کیسی دل آزاریاں ہیں — وفاؤں کے بدلے ستم گاریاں ہیں
کرم کے بھروسے جو میخواریاں ہیں — وہ میخواریاں کیا نکوکاریاں ہیں
نہ بدمستیاں ہیں نہ سرشاریاں ہیں — یہ میخواریاں کوئی میخواریاں ہیں
مرا دل نہ آ جائے کیوں ہائے تم پر — طرحداریاں ہی طرحداریاں ہیں
نکوکاریوں پر نظر ہو تو پھر وہ — نکوکاریاں کیا سیہ کاریاں ہیں
نہیں پوچھ کچھ عشق میں خودسروں کی — یہاں سرفروشوں کی سرداریاں ہیں
ہمیں ذلتوں کا نہیں کوئی کھٹکا — جہاں عزتیں ہیں وہیں خواریاں ہیں
کروں ہائے کس کس مرض کا مداوا — ہزاروں مرے دل کو بیماریاں ہیں
جگر سوز جاں سوز دل سوز اُف اُف — بھری مجھ میں کیسی یہ چنگاریاں ہیں
ہوئی جاتی ہے وصل میں عقل حیراں — کہ مجبوریاں ہیں نہ مختاریاں ہیں
عطا بھی ہے ابدست ویسی ہی اُن کی — کہ جیسی ہماری طلب گاریاں ہیں
نہ عزت کی وقعت نہ ذلت سے نفرت — نہ اب عزتیں ہیں نہ اب خواریاں ہیں

میں دن رات جنت میں رہتا ہوں گویا — مرے باغ دل میں وہ گل کاریاں ہیں
شب غم فلک پر جو چھٹکے ہیں تارے — مری آہ سوزاں کی چنگاریاں ہیں
مرے اشک خوں سے مرے پیرہن پر — عجب بیل بوٹے عجب دھاریاں ہیں
نہ جانا عدو کی وفا پر نہ جانا — ریا کاریاں ہی ریا کاریاں ہیں
ہمیں عشق میں مدح و ذم ہیں برابر — نہ اب فکر عزت نہ اب خواریاں ہیں
جو آسان سمجھو تو ہے عشق آساں — جو دشوار سمجھو تو دشواریاں ہیں
جدھر دیکھتا ہوں ادھر گل ہی گل ہیں — بہ حسن تصور کی گل کاریاں ہیں
ہمیں جب نہ پھیلائیں دامن ملے کیا — ادھر سے تو ہر دم گہر باریاں ہیں
بظاہر مری چھوٹی چھوٹی ہیں باتیں — جہاں سوز لیکن یہ چنگاریاں ہیں
مرا دل ہے ہر وقت محو تماشا — فدا میری غفلت پہ بیداریاں ہیں
نہ گھبرا کوئی دل میں گھر کر رہا ہے — مبارک کسی کی دل آزاریاں ہیں
کھلی جب سے دنیا کی ہم پر حقیقت — نہ خوشیاں رہی ہیں نہ بیزاریاں ہیں
لگی رہتی ہے آگ سی تن بدن میں — رگوں میں لہو ہے کہ چنگاریاں ہیں
کیا گھر تصور میں کس مہ لقا نے — جو دل پر مسلسل یہ ضو باریاں ہیں
بہت سو لئے سو چکو سونے والو — اٹھو اب کہ ہر سمت بیداریاں ہیں
مرے بخت تیرہ میں کیا یا الٰہی — سیہ کاریاں ہی سیہ کاریاں ہیں
رضا و توکل ہوا جب سے شیوہ — نہ مجبوریاں ہیں نہ دشواریاں ہیں
لٹایا ہے گھر بار کس مہ پہ اے دل — نہ کر غم مبارک یہ ناداریاں ہیں

نکمّا ہوا ہیں تو مجذوب کیا غم بڑی کار آمد یہ بے کاریاں ہیں

ترا نام سنتے ہی مجذوب چونکا

یہ بے ہوشیوں میں بھی ہشیاریاں ہیں

○

کہیں کا حکم تو ہو جائے نیم جاں کے لئے

یہ اس جہاں کے لئے ہے کہ اُس جہاں کے لئے

تعلّیاں ہیں جبھی تک یہ آسماں کے لئے

کھلی نہیں مری جب تک زباں فغاں کے لئے

کوئی تو شکل ہو اے دوست اک فغاں کے لئے

ستم روا کوئی رکھتا ہے بے زباں کے لئے

یہ ایک سلسلۂ درس ہے جہاں کے لئے

کہ گل چمن کے لئے ہیں چمن خزاں کے لئے

اٹھائیں آپ نہ تکلیف امتحاں کے لئے

کہ جان کون نہ دیدیگا جانِ جاں کے لئے

نہ بن پڑی کوئی صورت سکونِ جاں کے لئے

اب انتظار میں ہوں مرگِ ناگہاں کے لئے

دہائی ہے، دل عاشق غم جہاں کے لئے
یہ ایک روگ ہی کیا کم تھا میری جاں کے لئے

جئے یہاں کے لئے یا مرے وہاں کے لئے
اکیلا دم کرے کیا کیا کہاں کہاں کے لئے

زبان حال ملی عشق میں بیاں کے لئے
رہا نہ کام دہن میں کوئی زباں کے لئے

نہ تاب ضبط نہ قدرت ہمیں بیاں کے لئے
خلاصہ یہ کہ مصیبت ہے رازداں کے لئے

جو انتہا ہو ترے حسنِ بیکراں کے لئے
تو صبر دل کے لئے ہو سکون جاں کے لئے

وہ جلوہ گر ہیں لب بام کل جہاں کے لئے
ہیں وقفِ سجدہ مگر ہم تو آستاں کے لئے

سکوت شمع ہے زیبا مری زباں کے لئے
بیاں کی ہوتی ہے حاجت کہیں عیاں کے لئے

کہاں سے لاؤں زبان عرض حال کو یارب
زباں جو دی تھی ہوئی وقف وہ فغاں کے لئے

ہیں مثل آسیہ گردش میں آسمان و زمیں
یہ کس کے واسطے اک مشت استخواں کے لئے

ابد تک آپ رہیں منتظر ہی حضرت دل
یہ مُنھ ازل سے بنا ہی نہیں ہے ہاں کے لئے

چٹکنا غنچہ کا ہم کو چٹکنا ہے دل کا
کوئی بہانہ ہمیں چاہیئے فغاں کے لئے

کسی پہ بھی نہ کھُلے داغ عشق پردہ نشیں
کہ دل ہی دل میں مزے سوزش نہاں کے لئے

سبب نہ پوچھ کہ یہ ابتدا کی باتیں ہیں
فغاں ہی اب تو سبب ہے مری فغاں کے لئے

اٹھیں گے حشر میں کہتے ہوئے کہ ہائے غضب
رہے گا خوب یہ عنوان داستاں کے لئے

ہمیشہ رہتا ہوں اک بیخودی کے عالم میں
جہاں نہ میرے لئے ہے نہ میں جہاں کے لئے

نہ رازِ حسن کی تفصیل پوچھ اے ہمدم
خلاصہ یہ ہے کہ آفت ہے رازداں کے لئے

ازل سے لے کے چلی تھی کہاں کی بیتابی
کہ موت سے بھی ہوا کچھ سکوں نہ جاں کے لئے

ہنیں یہ نالۂ نے جو سنو مزے لے کر
کلیجہ تھام کے بیٹھو مری فغاں کے لئے

عصائے آہ لیا جامۂ فنا پہنا
بتا تو دل یہ ہیں تیاریاں کہاں کے لئے

ہے ایک رنگ پہ صحرا مرا چمن والو
بنے ہیں باغ ہی نیرنگیٔ جہاں کے لئے

سمجھ کے لیجئے کچھ ہے خبر بھی حضرت دل
وہ سونپتے ہیں غم عشق جاوداں کے لئے

ہزاروں سر بکف آئے کھڑے ہیں مقتل میں
ہیں منتظر تری اک جنبش زباں کے لئے

نہ بیٹھ مطمئن اے دل کہ ہے یہ نادانی
وہ امتحاں سے گریزاں ہیں امتحاں کے لئے

جہاں میں عشق نے خونریزیاں جو کیں اب تک
وہ سرخیاں ہیں مرے دل کی داستاں کے لئے

جو خود ہو جان سے بیزار اس سے جاں کی طلب
سلیقہ سیکھ کے آ میرے امتحاں کے لئے

وہ حال پوچھنے آئے ہیں ایسے وقت کہ جب
ترس رہا ہوں میں اک جنبش فغاں کے لئے

وہ دور بیٹھے ہی دیتے دل کو داغ پہ داغ
یہ باغ ہائے ترستا ہے باغباں کے لئے

نماز عشق نے پایا ہے وہ حسنِ ابرو
وضو کو اشک ملے ہیں فغاں اذاں کے لئے

جو سر بکف ہوں تو احباب کیوں ہیں خیر طلب
کہ ارمغاں ہے یہ اک اپنے مہرباں کے لئے

جلو میں دودِ فغاں کے شرار آہ بھی ہوں
رہے نہ صورت انجم بھی آسماں کے لئے

خیال خام یہاں ہے خیال جمعیت
قفس میں فکر ہی بیجا ہے آشیاں کے لئے

بنے ہیں بہر تصدق یہ آسمان و زمیں
ہیں منتظر تری اک جنبش زباں کے لئے

چمن میں ہم کو تو ہر وقت بس رہا یہی غم
یہ ہائے باغ و بہار اور ہو خزاں کے لئے

نہ سمجھو بڑ اسے مجذوبؔ کی بغور سنو
یہ ایک گنج معانی ہے نکتہ داں کے لئے

○

رخصت اب جان ہوئی جاتی ہے
مشکل آسان ہوئی جاتی ہے

دیکھتے دیکھتے بحر و بر کی
کچھ عجب شان ہوئی جاتی ہے

ذرّہ میدان بنا جاتا ہے
موج طوفان ہوئی جاتی ہے

تم پہ دل لوٹ ہوا جاتا ہے
جان قربان ہوئی جاتی ہے

قید کچھ دن کی ہے اے جان حزیں
کیوں پریشان ہوئی جاتی ہے

کون عاشق ہے بدل لو تیور
ابھی پہچان ہوئی جاتی ہے

کی تھی مشکل سے طبیعت خالی
پھر پر ارمان ہوئی جاتی ہے

ذلتوں سے تو محبت تیری اور ذیشان ہوئی جاتی ہے

کس پہ مرتا ہوں کہ میرے اوپر موت قربان ہوئی جاتی ہے

ہو گی مرمر کے ملاقات اُن سے کوئی آسان ہوئی جاتی ہے

آج وسعت ہے نظر میں کیسی عقل حیران ہوئی جاتی ہے

دیکھ لو سوئے غریباں بھی کبھی کم کوئی شان ہوئی جاتی ہے

اس ادا سے وہ گلے ملتے ہیں عید قربان ہوئی جاتی ہے

یاد جاناں میں اب اپنی ہستی سربسر جان ہوئی جاتی ہے

عالم نزع ہے اب ان کی جفا آج احسان ہوئی جاتی ہے

ضعف پیری میں بھی رندی ہم سے تابہ امکان ہوئی جاتی ہے

ہیں کدھر ہوش سنبھل اے مجذوبؔ
عرض فرمان ہوئی جاتی ہے

○

نور دیکھا اس کا ہر سو پھر بھی وہ مستور ہے
جلوہ پھر کیا ہو گا اس کا جس کا پردہ نور ہے

رفع خود بینی و تکمیل فنا منظور ہے
میری رندی میں بھی زہد و اتّقا مستور ہے

اُف بھی کر سکتے نہیں نالوں کا کیا مذکور ہے
جتنے ہم مجبور ہیں بلبل کہاں مجبور ہے

وہ کبھی جلوہ نما ہے اور کبھی مستور ہے
اور بھی مشتاق ہوں عشاق یہ منظور ہے

روک نالوں کو نہیں تو دم میں نفخ صور ہے
خیر ہے اے دل یہ تجھ کو آج کیا منظور ہے

الٹی سیدھی جو وہ کہتے ہیں سبھی منظور ہے
دل کے ہاتھوں ہلئے عاشق کیا کرے مجبور ہے

دم بخود ہے ضبط کا مارا ہوا مجبور ہے
آہ کے نزدیک ورنہ آسماں کیا دور ہے

کیف صد میخانہ رگ رگ میں مری مستور ہے
جس کو سب سمجھے ہیں زاہد وہ چھپا مخمور ہے

وہ لطیف الطبع ہوں جو بے پیے مخمور ہے
محتسب بھی ایسے ظرفِ رند سے مجبور ہے

بس چلا چل قطع راہ عشق اگر منظور ہے
یہ نہ دیکھ اے ہمسفر نزدیک ہے یا دور ہے

صبر آموز دل مہجور برقِ طور ہے
دور جب تھا پاس تھا اب پاس ہے تو دور ہے

وصل میں بھی ہائے ناکام ازل مہجور ہے
جان سے نزدیک تر رہ کر بھی کوئی دور ہے

ہم کو یہ ظلمت کدہ بھی نور سے معمور ہے
جیسے پتلی کی سیاہی فی الحقیقت نور ہے

جلوہ گہ میں کوئی بسمل ہے کوئی مخمور ہے
اک نظر میں آپ کی کیا کیا اثر مستور ہے

ماریں اور رونے نہ دیں آخر مثل مشہور ہے
دم نہ مار اے دل حسینوں کا یہی دستور ہے

کر جدا ان کے تصور کو نہ تو اے بےخودی
اک یہی لے دے کے غم خوارِ دل مہجور ہے

سب پڑے سوتے ہیں اور اپنی ہے دنیا ہی الگ
اک ہجوم شوق ہے ہم ہیں شب دیجور ہے

حسرت دیدار میں کچھ اس غضب کی آہ کی
دل پہ گر پڑنے کو مضطر آج برق طور ہے

وہ بھی دن تھے اے رقیبو ہم تھے منظور نظر
عرض تم کرتے تھے ہم کہتے تھے نا منظور ہے

دیکھ لیں حدّ وفا وہ اور ہم حدّ جفا
آج حسن و عشق کا بس فیصلہ منظور ہے

محو ہے جو یاد زلف و رخ میں اس کو کیا خبر
روز روشن ہے جہاں میں یا شب دیجور ہے

وصل کی یہ بے خودی ہے شرح جبر و اختیار
ہے یہی موقع جہاں مختار بھی مجبور ہے

بے تامّل مجھ کو رکھ دو تم اندھیری قبر میں
جسم کو کیا دیکھتے ہو روح غرق نور ہے

سینہ ہے داغوں سے جنت بلبل قدسی ہے دل
عشق نے کایا پلٹ دی روح کیا ہے حور ہے

المدد ہاں المدد اے جذب حسن اے جذب عشق
پا شکستہ ہے مسافر اور منزل دور ہے

آتشیں ہے میکدہ میں آب بھی انگور کا
آگ پانی میں لگانے کا یہی دستور ہے

مشکلیں عاشق کو ہیں بس قبل از دیوانگی
کچھ دنوں غم سہہ لیا پھر عمر بھر مسرور ہے

میں نظر کردہ ہوں اس پیر مغاں کا صوفیو
جس کے دل کی سرزمیں کا ذرہ ذرہ طور ہے

ڈوب کر کس نور کے دریا میں ہوں گرم سخن
مثل گوہر سر بسر ہر شعر غرق نور ہے

معرفت اتنی ہی کافی ہے طریق عشق میں
یہ سمجھ میں آگیا ہے وہ سمجھ سے دور ہے

زہد کے پردہ میں ہے رند و کسی کو کیا خبر
ایک وہ بھی مست ہے جو بے پئے مخمور ہے

ولولوں کو اور نالوں کو دبایا تو مگر
دل میں اب اک حشر بے ہنگامہ و بے شور ہے

آپ نے بھی واہ مانا کس کی باتوں کا برا
دل سے یہ مجبور ہے مجذوبؔ ہے معذور ہے

○

○

نہ دل کا تذکرہ تم میرے روبرو کرتے
یہ ذکر چھوڑتے کچھ اور گفتگو کرتے

مراد وہ شوق سے ہاں خونِ آرزو کرتے
مگر نہ از رہِ ہمدردی عدو کرتے

کہاں کہاں دلِ صد چاک کو رفو کرتے
کہاں تک آہ نہ اظہارِ آرزو کرتے

دل و جگر کو نہ اپنے اگر لہو کرتے
تو اور کیا ترے ناکامِ آرزو کرتے

نگاہِ شوق سے ہم شرحِ آرزو کرتے
کسی کی چشمِ سخن گو سے گفتگو کرتے

تمہیں کہو کہ اگر عرض کچھ عدو کرتے
تم اختیار یہی طرزِ گفتگو کرتے

بجائے سجدہ بہایا کئے کھڑے آنسو
نماز سب نے پڑھی ہم رہے وضو کرتے

لحاظ حسن کیا میرے جذب نے ورنہ
زیارتیں میری آ آ کے خوبرو کرتے

ہمیں تو عید کی اے دوست تو خوشی ہوتی
معانقہ جو کہیں خنجر و گلو کرتے

دیا نہ یاس نے اتنا بھی عمر بھر موقع
کہ دل کو ہم کبھی مسرورِ آرزو کرتے

رہا خزاں ہی کا آنا ہمیشہ پیشِ نظر
چمن میں خاک ہم احساسِ رنگ و بو کرتے

قدم قدم پہ صدائیں ہیں نَحْنُ اَقْرَب کی
یہیں گذر گئی اک عمر جستجو کرتے

رہِ طلب میں اٹھیں پاؤں کس توقع پر
امید ملنے کی ہوتی تو جستجو کرتے

جواب ملتا انہیں اپنی لن ترانی کا
وہ گفتگو تو کبھی ہم سے دوبدو کرتے

جفا پہ ان کی تمنائے مرگ تف اے دل
نہ آئی شرم تجھے ایسی آرزو کرتے

نہ دل نواز ہی جب عمر بھر کوئی پایا ۔۔۔ تو کس امید پہ ہم کوئی آرزو کرتے

ہیں روسیاہ مگر عاشقوں میں ہم بھی ہیں ۔۔۔ کبھی تو دید سے ہم کو بھی سرخرو کرتے

گیا نہ قید میں رہ کر بھی پاؤں کا چکر ۔۔۔ رہے قفس میں بھی ہم گشت چارسو کرتے

یہ حال کیا ہے کہ جب ملنے آتے ہم مجذوب
سنا تمہیں کسی غائب سے گفتگو کرتے

○

دشمنیٔ خلق میری رہنما ہونے کو ہے
اب مرا دست طلب دست دعا ہونے کو ہے

دل ربا پہلو سے اٹھ کر اب جدا ہونے کو ہے
کیا غضب ہے کیا قیامت ہے یہ کیا ہونے کو ہے

تو نے چاہا تھا برا میرا بھلا ہونے کو ہے
آب خنجر حلق میں آب بقا ہونے کو ہے

کرتے جاؤ آرزو پوری کسی مشتاق کی
اک ذرا ٹھہرو کوئی تم پر فدا ہونے کو ہے

ہاں بلا سے جان تو نکلے مگر نکلے نہ آہ
ہوشیار اے دل کہ وہ صبر آزما ہونے کو ہے

اے دل پرآرزو کر دے سر تسلیم خم
دیکھ کن ہاتھوں سے خون مدعا ہونے کو ہے

آج تو جی بھر کے پی لینے دے اے ساقی مجھے
جان ہی جاتی رہے گی اور کیا ہونے کو ہے

شوخ رفتاری کا اپنی دیکھ تو مڑ کر اثر
ساتھ ساتھ اٹھ کر رواں ہر نقش پا ہونے کو ہے

ابر رحمت ہے سراسر یہ بلاؤں کا ہجوم
صبر کر اے دل بس اب فضل خدا ہونے کو ہے

خم کے خم خالی کرے ساقی جو اک سانس میں
ایک دو ساغر میں اس کا کیا بھلا ہونے کو ہے

کارزار عشق میں اے دل نہ ہمت ہارنا
بیکسی ہی میں مری حاجت روا ہونے کو ہے

خانۂ دل سے ہوئے رخصت مرے ارمان سب
کیا خبر کس کی یہ اب خلوت سرا ہونے کو ہے

بس گیا ہے جان و دل میں ہو گیا ہے جزو روح
تا ابد اب وہ کہیں مجھ سے جدا ہونے کو ہے

پڑ گئی ہے آج مجھ پر اک نظر مجذوبؔ کی
محو اب دل سے خیال ماسوا ہونے کو ہے

○

یہ اپنی خودی سے گذر جانے والے — ہیں تا عرش بے بال و پر جانے والے

کہیں ہیں یہ داغِ جگر جانے والے — کوئی زخم دل ہیں یہ بھر جانے والے

یہ لپکے نہیں عمر بھر جانے والے — یہ آنکھوں کے جام اور بھر جانے والے

نہیں جان جوکھوں سے ڈر جانے والے — جو ہیں جیتے جی تم پہ مر جانے والے

ادھر بھی ذرا اک نظر جانے والے — پڑا ہوں سرِ رہ گذر جانے والے

ہیں منزل سے گو بے خبر جانے والے — چلے جا رہے ہیں مگر جانے والے

کدھر جا رہا ہے کدھر جانے والے — اِدھر آ اِدھر او اُدھر جانے والے

نہیں سختی رہ سے ڈر جانے والے — لئے ہیں ہتھیلی پہ سر جانے والے

ترے رُخ پہ گیسو بکھر جانے والے — بگڑنے میں بھی ہیں سنور جانے والے

چھلاوہ ہیں جادو ہیں بجلی ہیں کیا ہیں — یہ آنکھوں سے دل میں اتر جانے والے

ٹھہر جا بس اب چرخ گرداں ٹھہر جا — یہ دن وصل کے اور گذر جانے والے

سکھا ہی گئے طفلِ دل کو مچلنا — وہ مکھڑے پہ گیسو بکھر جانے والے

وہ بولے مجھے کر کے ٹھوکر سے زندہ — بڑے آئے یہ ہم پہ مر جانے والے

رہِ عاشقی میں کہیں پھر نہ بھٹکے — تری رہ گذر سے گذر جانے والے

تجھے زیب و زینت کی حاجت ہی کیا ہے — نظر میں سما کر سنور جانے والے

وہ سننے لگے کیوں بھلا عرض میری — سلامت رہیں کان بھر جانے والے

حدودِ محبت میں بھی کب رہے ہیں — حدودِ ادب سے گذر جانے والے

ابھی سے ہے کیا گیسوؤں پہ یہ اُف اُف — ابھی تو ہیں یہ تا کمر جانے والے

بنیں پا شکستہ کہ طے ہو یہ رستہ — نہ کس کس کے جائیں کمر جانے والے

یہ کس سوچ میں پڑ گئے کچھ کہو تو — یہ کیا کہہ گئے تم سے مر جانے والے

کسی اور عالم میں پہنچے ہوئے ہیں — جہانِ خودی سے گذر جانے والے

تم اٹھے یہاں سے ہم اٹھے جہاں سے — چلے ہم بھی تم ہو اگر جانے والے

کہاں سالکانِ طریق اور کہاں ہم — دو عالم سے دم میں گذر جانے والے

جو انو تمہیں سیرِ دُنیا مبارک — بس اب ہم تو ہیں اپنے گھر جانے والے

وہ طبقے زمیں کے ہوں یا آسماں کے — یہ اوراق سب ہیں بکھر جانے والے

تصوّر سے ہم رشتہ اب ہو گیا ہے — نہ ٹوٹے گا تارِ نظر جانے والے

ترے نیم جاں ہیں عجب کشمکش میں — نہ یہ جینے والے نہ مر جانے والے

رسائیِ مجذوب ہے تا بہ خلوت
یہ سالک ہیں بس تا بہ در جانے والے

○

راہ لے صحرا کی مجنوں جا ابھی تو خام ہے
عشق کے ہم پختہ کاروں میں ترا کیا کام ہے

یہ مری طرزِ روش کی گردشِ ایام ہے
رات میری بے سحر ہے دن مرا بے شام ہے

یا نوید وصل تھی یا موت کا پیغام ہے
عشق کا آغاز کیا تھا اور کیا انجام ہے

اب کہاں وہ دن کہاں وہ ساقیِ گلفام ہے
اب بجائے دورِ ساغر گردشِ ایام ہے

ساری دُنیا کے لئے اعزاز ہے اکرام ہے
ایک میرے ہی لئے الزام ہے دشنام ہے

خیر ہے پردہ نشیں کیوں آج قصد بام ہے
آج ارادے کیا ہیں کیا منظور قتل عام ہے

کیا خبر بے خود کو کیا شے ذلّت و اکرام ہے
کیا بلا ہے مدح و ذم کیا چیز ننگ و نام ہے

عمر گذری کوئی نامہ ہے نہ کچھ پیغام ہے
لو لگی ہے منتظر پھر بھی دل ناکام ہے

نالہ و فریاد ہی سے کام صبح و شام ہے
اور بھی کچھ کام تجھ کو اے دل ناکام ہے

قطع راہ عشق بھی کیا ہر کسی کا کام ہے
ہر طرف کانٹے بچھے ہیں ہر قدم پر دام ہے

لگ گئی جس کو ہوا بھی میری وہ ناکام ہے
دور بھاگو مجھ سے سب مجذوبؔ میرا نام ہے

جس کو فکر جام و ساقی ہے وہ رند خام ہے
ہم کو تو اب آب سادہ بھی مئے گلفام ہے

میرے در پے تو عبث اے گردش ایام ہے
بے خودوں کو حس ہی کیا کب صبح ہے کب شام ہے

خوں نہیں اب میری رگ رگ میں مئے گلفام ہے
اب مرے اندر رہی مے خانہ لفیض عام ہے

میری قسمت میں دلِ پُرخوں بجائے جام ہے
کیوں نہ ہو واقف ہر اک کے ظرف سے قسام ہے!

ہے خوشی باقی نہ غم یعنی فنائے تام ہے
خانۂ دل میں مرے بس اب خدا کا نام ہے

دل فقط دے کر تو ہاں تکلیف ہی تکلیف تھی
جان بھی دے دی تو اب آرام ہی آرام ہے

ایسی بدمستی تو ہو ہاں ایسی مدہوشی تو ہو
سر بسر آلودہ میرا جامۂ احرام ہے

کہتے ہیں بالیں پہ یوں جیسے ابھی زندہ ہوں میں
اب تو ہے تم کو سکوں اب تو تمہیں آرام ہے

دم رکا سمجھو اگر دم بھر بھی یہ ساغر رکا
میرا دورِ زندگی ہے یہ جو دورِ جام ہے

کب عیادت کو وہ آئے جبکہ وقت نزع تھا
کب جنازے پر وہ پہنچے جبکہ اذن عام ہے

ربط و بے ربطی حسن و عشق کیا کیجے بیاں
بام بے زینہ ہے وہ یہ زینۂ بے بام ہے

میں تو ہوں ہی رند زاہد پارسا تو بھی نہیں
میں اگر ہوں جام در کف تو نظر بر جام ہے

اس مقام عشق پر اب ہوں میں اے بلبل جہاں
نالۂ و فریاد اک آوازِ بے ہنگام ہے

ہیں حرام اس مسلک رندی میں ایسی مستیاں
ہوش میں آ ہاتھ سے چھٹنے ہی کو اب جام ہے

کچھ تو ہو اے شیخ جی تلقین توبہ کا عوض
اور کیا خدمت کریں حضرت! یہ حاضر جام ہے

تیری مستانہ ادا ہی کے کرشمے ہیں یہ سب
میری رندانہ روش تو مفت میں بدنام ہے

یوں تو سر آنکھوں پہ حضرت آپ کے لطف و کرم
یہ مگر تذلیل مجھ نا اہل پر اکرام ہے

انتظار اب حد سے گزرا آ کہیں پیکِ اجل
جاں مری سر تا قدم پیغام ہی پیغام ہے

ہجر میں ساقی بجائے ابرِ تر ہے چشمِ تر
اور اپنا یہ دلِ پُرخوں بجائے جام ہے

تو ہی دل ہے جاں ہے تو ہی تو ہی سب کچھ ہے مرا
تو ہی دیں ہے تو ہی ایماں ہے تو ہی اسلام ہے

اے دلِ ناکام ہاں ہمت نہ ہرگز ہارنا
ہے وہی تو کامیابِ عشق جو ناکام ہے

میں جو بزمِ ہوش میں پہنچا تو ہر سو شور اٹھا
آپ کیوں آئے یہاں مجذوبؔ کا کیا کام ہے

کہیئے بھولے سے کہاں اے حضرت ہوش آ گئے
جائیے مجذوبؔ کے پاس آپ کا کیا کام ہے

ہو گئیں مفقود کیا دنیا سے آنکھیں اے خدا
پوچھتے پھرتے ہیں سب مجذوبؔ کس کا نام ہے

جذب میں مجذوبؔ مستانہ ہے آ کوٹھے پہ آ
قابلِ دید اک تماشا آج زیرِ بام ہے

یہ معانی یہ حقائق یہ روانی یہ اثر
شاعری تیری ہے اے مجذوبؔ یا الہام ہے

○

وہ جلوہ تو ہر سو عیاں ہو رہا ہے — حجاب خودی درمیاں ہو رہا ہے
عیاں ہو کے پھر وہ نہاں ہو رہا ہے — طلب کا مری امتحاں ہو رہا ہے

ترا ذکر وردِ زباں ہو رہا ہے — یہاں ہو رہا ہے وہاں ہو رہا ہے
عیاں حال دل بے بیاں ہو رہا ہے — کہ عاشق سراپا زباں ہو رہا ہے

وہ نامہرباں مہرباں ہو رہا ہے — دل بدگماں بدگماں ہو رہا ہے

جو گلزار سارا جہاں ہو رہا ہے — وہ رشک چمن گل فشاں ہو رہا ہے

ہمیں کیا جو گلشن جہاں ہو رہا ہے — چمن دل کا وقف خزاں ہو رہا ہے

بہار آئی دل شادماں ہو رہا ہے — مگر یہ تہہ آسماں ہو رہا ہے

خفا آج وہ مہرباں ہو رہا ہے — دل زار کا امتحاں ہو رہا ہے

ترا نام وردِ زباں ہو رہا ہے — تصور ترا حرز جاں ہو رہا ہے

ترا عشق پیوست جاں ہو رہا ہے — مرا غم غم جاوداں ہو رہا ہے

یہ کیوں پڑ رہی ہیں غضبناک نظریں — یہ کیا آج اے مہرباں ہو رہا ہے

چڑھی ہے کچھ ایسی کہ تیور تو دیکھو — جواں آج پیر مغاں ہو رہا ہے

دمکتا ہے چہرہ چمکتی ہیں آنکھیں — بڑھاپے میں بھی جانِ جاں ہو رہا ہے

سرِ شام ہی سے وہ یہ کہہ رہے ہیں — بس اب جاؤ وقت اذاں ہو رہا ہے

تصور کی دیکھو تو معجز نمائی — کہ مجھ پر تمہارا گماں ہو رہا ہے

ہوئی صرف جس ضبط میں عمر اے دل — وہ اُف آج صرف فغاں ہو رہا ہے

گھٹا چھا رہی ہے برستی ہے مستی — فلک آج پیر مغاں ہو رہا ہے

کوئی شاید آنے کو ہے پھر مصیبت　　دل زار پھر شادماں ہو رہا ہے
جوانی ڈھلی مٹ چلے دل کے ارماں　　بھرا باغ نذر خزاں ہو رہا ہے
نکلتی ہیں ہر موئے تن سے شعاعیں　　یہ کس مہ کا جلوہ عیاں ہو رہا ہے
ٹپکتی ہے ہر ہر بنِ مُو سے مستی　　سراپا ہے ارغواں ہو رہا ہے
پلا دی ہے باتوں ہی باتوں میں اتنی　　کہ آنکھوں سے دریا رواں ہو رہا ہے
کوئی کر چلا زندہ درگور مجھ کو　　جدا جیتے جی جانِ جاں ہو رہا ہے
نہ کافی ہوا عشق میں جان دینا　　تہہ قبر پھر امتحاں ہو رہا ہے
ہوا کیسی پلٹی کہ لب پر ترانہ　　مبدّل بہ آہ و فغاں ہو رہا ہے
غزل خواں ہوں میں اور وہ کہہ رہے ہیں　　یہ ماتم سا دیکھو کہاں ہو رہا ہے
تری یاد سے ہے مری روح زندہ　　مرا ہم زباں اک جہاں ہو رہا ہے
اگر ہے یہ مجذوب کی بڑ تو پھر کیوں　　تصوّر ترا جانِ جاں ہو رہا ہے
میں مجذوب ہوں میری باتیں ہیں سچی　　عبث معترض بدگماں ہو رہا ہے
پلا دی ہے کس تیز بھٹی کی ساقی　　کہ مجذوب آتش بجاں ہو رہا ہے

نظر پڑ گئی تجھ پہ مجذوب کس کی
کہ محبوب ہر دو جہاں ہو رہا ہے

○

برسوں ابھی تو دیدۂ گریاں سے کھیلئے　　پھر جاکے ہاں کبھی لب خنداں سے کھیلئے
دل میں جو ہو کہ باغ و بہاراں سے کھیلئے　　صد گل بہ جیب و خار بہ داماں سے کھیلئے

شب بھر نہ انجم و مہ تاباں سے کھیلئے
ہاں داغ ہائے دل کے چراغوں سے کھیلئے

لینے ہی دیتا اب نہیں کم بخت دم مجھے
کب تک اب آہ اس دل نالاں سے کھیلئے

مردانہ وار کھیلئے یہ کھیل عشق کا
تیغ و سناں و خنجر و پیکاں سے کھیلئے

میرے دلِ تپاں سے یہ اچھی نہیں ہے چھیڑ
ایسے نہ آپ شعلہ بداماں سے کھیلئے

یہ کھیل دل کے لینے کے جو کھیلتے ہیں آپ
مجھ سے نہ کھیلئے کسی ناداں سے کھیلئے

ہو آہ عشق میں کبھی اور گریہ ہو کبھی
موج ہوا سے کھیلئے طوفاں سے کھیلئے

یہ کھیل کھیل ہو نہ کہیں کھیل کھیل میں
اتنا نہ قلبِ خستۂ و گریاں سے کھیلئے

جاہ و حشم سے کھیل چکے مال و زر سے بھی
بس اب جگر سے سر سے دل و جاں سے کھیلئے

پیری میں بھی ہوس ہے کہ اس طفل دل کے ساتھ
پھر ذوق و شوق و حسرت و ارماں سے کھیلئے

تا کے بھلا یہ پورے کئے جائیں شوق دل
کب تک اس اپنے طفلک ناداں سے کھیلئے

اس شہ نے کہہ کے یہ مجھے آزادِ غم کیا
کیا اک گدائے بے سر و ساماں سے کھیلئے

جو چاہے کھیل کھیلئے دنیا ہے آپ کی
ہولی مگر نہ خونِ دل و جان سے کھیلئے

ہاں خاک اڑائیے کبھی نعرہ لگائیے
فرشِ زمیں سے گنبدِ گرداں سے کھیلئے

آہ و فغاں رہے نہ رہے گریۂ و بکا
بس دل ہی دل میں اب غمِ جاناں سے کھیلئے

بچوں کا کھیل ہے یہ کوئی کھیل عشق کا
صد گونہ رنج و حسرت و حرماں سے کھیلئے

اب تک جو کھیل تھا نگہِ دلربا سے تھا
اب کھیلئے تو تیغِ سرافشاں سے کھیلئے

اے جلوہ ہائے دوست بس اب کیجئے کرم
اتنا نہ میرے دیدۂ حیراں سے کھیلئے

مجذوبؔ اپنی حد سے بڑھائیں نہ جذب آپ
حضرت بہت نہ جلوۂ جاناں سے کھیلئے

مجذوبؔ ہو یہ جامۂ ہستی بھی تار تار
اتنا تو آپ جیب و گریباں سے کھیلئے

مجذوبؔ آہ سرد بھریں آپ روئیں بھی
دل پھونک رہا ہے بادِ بہاراں سے کھیلئے

مجذوبؔ دشت میں بھی ہیں خطرے رہے خیال
جا کر وہاں نہ غول بیاباں سے کھیلئے

مجذوبؔ رقص و وجد میں بس رہیئے روز و شب
پی پی کے اب تو گردشِ دوراں سے کھیلئے

یارا نہ یوں نہ کیجئے مجذوبؔ مست سے
ساماں جلا کے سوختہ ساماں سے کھیلئے

مجذوبؔ آپ مست ہیں دنیا ہے آپ کی
کہسار و دشت و باغ و بیاباں سے کھیلئے

○

یہ کیوں خون اہل وفا ہو رہا ہے
یہ کیا کر رہے ہو یہ کیا ہو رہا ہے

یہ کیا اوبت فتنہ زا ہو رہا ہے
کہ محشر یہ محشر بپا ہو رہا ہے

وہ آمادۂ ہر جفا ہو رہا ہے
دل آمادۂ ہر بلا ہو رہا ہے

یہ کیوں ہو رہا ہے یہ کیا ہو رہا ہے
کہ پیر مغاں پارسا ہو رہا ہے

جو ہم پر روا نا روا ہو رہا ہے
بجا ہو رہا ہے بجا ہو رہا ہے

یہ کون آئے گا دل میں جان تمنا
یہ کیوں خونِ ہر مدعا ہو رہا ہے

نہ گرداب مانع نہ طوفان حائل
خدا خود مرا ناخدا ہو رہا ہے

چلا جا رہا ہوں کئے بند آنکھیں
مرا جذب خود رہنما ہو رہا ہے

دکھا اتقا آکے رندوں میں زاہد
یہ حجرے میں کیا پارسا ہو رہا ہے

نہیں جائے شکوہ نہ دم مارے دل
جو کچھ ہو رہا ہے بجا ہو رہا ہے

دئے جا رہے ہیں وہ چھڑکے پہ چھڑکے — یہ حقِ محبت ادا ہو رہا ہے
نہ آجائے کیوں دل کہ دیکھو تو وہ بت — سراپا ادا ہی ادا ہو رہا ہے
نہ گھبرا تغافل سے اے دل نہ گھبرا! — وہ دیر آشنا آشنا ہو رہا ہے

نہ اس درجہ مجذوب میں کیوں کشش ہو
محبت ز سر تا بپا ہو رہا ہے

○

ستم ہو رہا ہے غضب ہو رہا ہے — مقدر ہے جو کچھ وہ سب ہو رہا ہے
کرم ہی کرم روز و شب ہو رہا ہے — مگر ہاں بشکلِ غضب ہو رہا ہے
بتوں کا جو قہر و غضب ہو رہا ہے — کرو شکرِ حق فضل رب ہو رہا ہے
خفا ہو کے نادم وہ اب ہو رہا ہے — یہ غصے سے بڑھ کر غضب ہو رہا ہے
کرم ہو رہا ہے غضب ہو رہا ہے — مرا امتحانِ طلب ہو رہا ہے
مرا احترام و ادب ہو رہا ہے — ستم کر رہے ہیں غضب ہو رہا ہے
سرِ قبر گریاں وہ اب ہو رہا ہے — تدارک تغافل کا کب ہو رہا ہے
بجا مجھ پہ غیظ و غضب ہو رہا ہے — مگر ہائے ان کو تعب ہو رہا ہے
ترے عہد میں کیا غضب ہو رہا ہے — جسے دیکھئے جاں بلب ہو رہا ہے
غلام آج کل بے ادب ہو رہا ہے — کرم کر رہے ہیں غضب ہو رہا ہے
سمجھتے تھے جس کو غضب ہو رہا ہے — وہی اب کرم کا سبب ہو رہا ہے
اسے کیا ہے اب حاجتِ جام و مینا — جو سیرابِ مے تا بلب ہو رہا ہے

یہاں فرقت و وصل کا ہوش کس کو ۔۔۔ کہ عاشق سراپا طلب ہو رہا ہے

کھُلے بال پہنچو نہیں وقت زینت ۔۔۔ کہ بیمار اب جاں بلب ہو رہا ہے

اِدھر سے خطا ہے اُدھر سے عطا ہے ۔۔۔ کرم جرأتوں کا سبب ہو رہا ہے

زہے جلوۂ آفتابِ رسالت ۔۔۔ منور عجم اور عرب ہوا ہے

میں زندہ زمیں میں گڑا جا رہا ہوں ۔۔۔ کرم بھی بشکل غضب ہو رہا ہے

یہ خوب آپ دادِ وفا دے رہے ہیں ۔۔۔ جواب محبت طلب ہو رہا ہے

جدا کر کے دل میں جگہ دے رہے ہیں ۔۔۔ کرم بھی بوقت غضب ہو رہا ہے

تڑپنے میں اف جو مزا ہے نہ پوچھو ۔۔۔ یہ سمجھو کہ وجہہ طرب ہو رہا ہے

دل مردہ میں آج پھر ہیں امنگیں ۔۔۔ یہ غم خانہ بزم طرب ہو رہا ہے

جو کرنا تھا مجذوبؔ کو کر چکا وہ ۔۔۔ عبث اب یہ شور و شغب ہو رہا ہے

نہ بڑھا تک مجذوبؔ کچھ ہوش بھی ہے ۔۔۔ سنبھل کیا یہ اُو بے ادب ہو رہا ہے

یہ بک بک ہے کیوں پیش مجذوبؔ ناصح ۔۔۔ اِدھر ملتفت ہی وہ کب ہو رہا ہے

مرے نام کی لاج رکھنا الٰہی
کہ مجذوبؔ میرا لقب ہو رہا ہے

○

امید نہ بر آنا امید بر آنا ہے
یہ عرض مسلسل کا کیا خوب بہانا ہے

آتے ہی یہ کہتے ہو لو اب ہمیں جانا ہے
بد تر ہے نہ آنے سے یہ آنے میں آنا ہے

بھتے شیر و شکر یا اب آنا ہے نہ جانا ہے
اک وہ بھی زمانہ تھا اک یہ بھی زمانہ ہے

یوں کہہ کے بلاتے ہو آتے جسے آنا ہے
اس طرح بلاتے ہیں یہ کوئی بلانا ہے

آغوش میں لے لے کر خوب ان کو دبانا ہے
آج ان کی محبت کو رگ رگ میں رچانا ہے

مستی کا زمانہ بھی کیا ہائے زمانہ ہے
پینا ہے پلانا ہے رونا ہے رلانا ہے

نالوں سے مجھے اپنے اک حشر اٹھانا ہے
اے فتنۂ خوابیدہ پھر تجھ کو جگانا ہے

اس رُخ کے تصوّر کو آنکھوں میں چھانا ہے
ہر ذرّہ عالم کو اک طور بنانا ہے

بوتل پہ مجھے بوتل دن رات چڑھانا ہے
ٹھانی ہے یہی اے دل اپنے کو مٹانا ہے

کر لاکھ نہیں زاہد دو گھونٹ پلانا ہے
تجھ کو بھی دو عالم سے بیگانہ بنانا ہے

مجذوبؔ ترا پیرِ دآج ایک زمانہ ہے
پینا یہ ترا گویا دُنیا کو پلانا ہے

کیا جذبِ محبت کا مجذوبؔ ٹھکانا ہے
ملنا ہے نہ جلنا ہے آنا ہے نہ جانا ہے

چکر میں ہے اک دُنیا گردش میں زمانہ ہے
مجذوبؔ کا محفل میں آسان بلانا ہے

مجذوبؔ رہوں کب تک اب ہوش میں آنا ہے
اے دستِ جنوں تجھ سے دامن کو چھڑانا ہے

مجذوبؔ کا افسانہ آج اُن کو سنانا ہے
افسانۂ مجنوں کو تمہید بنانا ہے

مجذوبؔ کو کہتے ہیں تو ننگِ زمانہ ہے
اس صفحۂ ہستی سے یہ داغ مٹانا ہے

سر رکھ کے ہتھیلی پر میدان میں آنا ہے
اُکھڑے ہوئے قدموں کو قاتل کے جمانا ہے

جب دل ہی لگا بیٹھے ہر ناز اُٹھانا ہے
سو بار اگر روٹھیں سو بار منانا ہے

جس طرح بھی ممکن ہو آج ان کو منانا ہے
گھِس گھِس کے جبیں در پر بگڑی کو بنانا ہے

بت ہم کو ستالیں اب جتنا بھی ستانا ہے
دور آئے گا اپنا بھی یہ اُن کا زمانہ ہے

افسانۂ غم اپنا ہنس ہنس کے سنانا ہے
ہنستوں کو رلانا ہے روتوں کو ہنسانا ہے

پھر اور کہاں اپنا دنیا میں ٹھکانا ہے
یہ در سے اٹھانا کیا دنیا سے اٹھانا ہے

عشّاق کے مجمع میں مجذوبؔ یگانہ ہے
برباد محبت ہے رسوائے زمانہ ہے

کیا میرے گناہوں کا اللہ ٹھکانا ہے
ہائے مجھے اک دن منہ تجھ کو دکھانا ہے

مجذوبؔ بہت مشکل اب دل کو بچانا ہے
نرغے میں بتوں کے ہے تیروں کا نشانہ ہے

مجذوبؔ کو محفل میں لے آؤ جو لانا ہے
کام اُس کا اگر سن لو رونا ہے رلانا ہے

مجذوبؔ کا افسانہ کیا حسبِ زمانہ ہے
ہر شخص سمجھتا ہے میرا ہی فسانہ ہے

شرطوں کا لگانا بھی اک صرف بہانا ہے
مقصود ستانا ہے آنا ہے نہ جانا ہے

مجذوبؔ اسے کیا سمجھیں رونا ہے کہ گاتا ہے
آنکھوں میں تو آنسو ہیں اور لب پہ ترانہ ہے

سمجھو نہ رگیں اِن کو یہ تار ہیں بجلی کے
یہ دل نہیں پہلو میں بجلی کا خزانہ ہے

پھولوں کے تصوّر سے اور یادِ نشیمن سے
اب اپنے قفس ہی کو گلزار بنانا ہے

اک عمر سے عاشق ہوں اور ہائے انہیں اب تک
دیکھا ہے نہ بھالا ہے سمجھا ہے نہ جانا ہے

مر کر بھی محبت میں غم سے نہیں چھٹکارا
یہ سر کا نہیں دینا یہ دل کا لگانا ہے

جس کو بھی یہاں دیکھا حیرت زدہ ہی دیکھا
یہ آپ کی محفل ہے یا آئینہ خانہ ہے

رہ تا بہ ابد اے دل تو منتظر حاصل
کیا عشق ہتھیلی پر سرسوں کا جمانا ہے

سو بار تو کہہ دیکھا پھر بھی نہیں باز آیا
میں نے کبھی اے ناصح کہنا ترا مانا ہے

توبہ پہ پڑیں پتھر پیتا ہوں مئے احمر
غمگین طبیعت کو رنگین بنانا ہے

کر فضل کہ نسبت ہے سرکارؔ دو عالم سے
اور اس سے ہیں بیعت ہوں جو قطب زمانہ ہے

لگ جائے ابھی دم میں اک آگ دو عالم میں
اُف اِس غم سوزاں کو تا عمر چھپانا ہے

ساقی مئے احمر دے ساغر کو مرے بھر دے
پھولی ہے شفق کیسی کیا وقت سہانا ہے

زخمی بھی کیا کس کو سینے میں چھپے دل کو
شاباش ہو تیر افگن کیا ٹھیک نشانا ہے

عشاق جو ہنستے ہیں ہنستے ہیں ہنسی جھوٹی
یہ بات بنائی ہے زخموں کو چھپانا ہے

بڑھ بڑھ کے شب ہجراں غم کا نہ رہا پایاں
احساس نہیں غم کا کیا غم کا ٹھکانا ہے
حسن اپنی جگہ تاباں عشق اپنی جگہ سوزاں
یہ رونق محفل ہے وہ زینت خانہ ہے

تو جور کے قابل ہو ممنونِ کرم دل ہو
اظہارِ وفا کرنا احسان جتانا ہے
حال دل دیوانہ سُن کر تو کبھی دیکھو
پر لطف حکایت ہے دلچسپ فسانہ ہے

جو آگ کی خاصیّت وہ عشق کی خاصیت
اک سینہ بہ سینہ ہے اک خانہ بخانہ ہے

جب تک کہ نہ ہو دل کا تسلیم و رضا شیوہ
یہ سجدہ نہیں سجدہ یہ سر کا جھکانا ہے

ہنسنا ہے جہاں میں کم رونا ہے مگر پیہم
خوشیاں ہیں یہاں مہماں غم صاحب خانہ ہے
وہ بارگہ عالی خود سب سے ہے مستغنی
آئے جسے آنا ہے جائے جسے جانا ہے

بڑ ہانک رہا ہوں میں گو کچھ نہ کوئی سمجھے
وہ خوب سمجھتا ہے یہ جس کو سنانا ہے

ہاں پاک رہے دامن گو چاک رہے دامن
یوسف کی طرح یعنی دامن کو بچانا ہے

مجذوبؔ میں سنتا ہوں تحسیں کے عوض نالے
یہ درسِ محبت ہے یا شعر سنانا ہے

مجذوبؔ کو کیوں تم نے دیوانہ بنایا ہے
کیا رازِ نہاں اپنا دنیا کو سنانا ہے

مجنوں کی کہانی تو اب بات پرانی ہے
مجذوبؔ کا افسانہ ہاں حسب زمانہ ہے

○

قیامت ہے وہ بے نقاب آرہا ہے — سوا نیزے پر آفتاب آرہا ہے
یہ مجھ کو نظر کوئی خوب آرہا ہے — کہ سچ مچ وہ مست شباب آرہا ہے
بہاروں پہ دور شراب آرہا ہے — کہ پینے کو ہر شیخ و شاب آرہا ہے
عذاب آرہا ہے عذاب آرہا ہے — شباب آرہا ہے شباب آرہا ہے
بظاہر بہ حال خراب آرہا ہے — کہ رقصاں بہ چنگ و رباب آرہا ہے
سمجھتے ہیں لوگ انقلاب آرہا ہے — مرا شاہ گردوں جناب آرہا ہے
تصوّر بصد آب و تاب آرہا ہے — کوئی کیا ادھر بے نقاب آرہا ہے

جو زوروں پہ دورِ شراب آ رہا ہے
تو حکم میں اب احتساب آ رہا ہے

یہ مجذوبؔ خانہ خراب آ رہا ہے
کشش کردۂ آں جناب آ رہا ہے

جو اُس دور سے کامیاب آ رہا ہے
تو خوش کیوں ہے پھر انقلاب آ رہا ہے

نہ بدلی ہے قسمت نہ بدلے گی قسمت
ہمیں کیا اگر انقلاب آ رہا ہے

مرا شوق سہما ہوا بڑھ رہا ہے
وہ ہنستا بصد رعب و داب آ رہا ہے

اٹھا سر کو زانو سے او رونے والے
وہ ہنستا ہوا بے نقاب آ رہا ہے

نگاہیں زمانے کی جلووں میں گُم ہیں
وہ بے پردہ با صد حجاب آ رہا ہے

نگاہوں میں سب کی با ایں بزمِ عالم
وہی بس دمِ انتخاب آ رہا ہے

ہے شاباش اس کامیابِ طلب کو
جو ہر بار ناکامیاب آ رہا ہے

جواب آ رہا ہے یہ کچھ کم ہے مژدہ
خبر گو نہیں کیا جواب آ رہا ہے

سمجھنے لگے وہ محبت کی نظریں
ہے اب پیار مشکل شباب آ رہا ہے

ہزاروں امنگیں ہزاروں ترنگیں
برایں شان و شوکت شباب آ رہا ہے

ارے حسن کی اب تو لے یا کیوں پر
مرے شوق کو بھی حجاب آ رہا ہے

خدا حافظ اب زہد و تقویٰ کا ناصح
بصد کیف و مستی شباب آ رہا ہے

غزل پڑھنے بیٹھے وہ بزمِ سخن میں
ستاروں میں اب آفتاب آ رہا ہے

بفرطِ مسرت بایں وضعِ رندی
یہ شیخ تقدس مآب آ رہا ہے

نہ صبح آ رہی ہے نہ وہ آ رہے ہیں
نہ موت آ رہی ہے نہ خواب آ رہا ہے

وہ میخانہ بر دوشِ چرخِ بریں پہ
بصد کیف مستی سحاب آ رہا ہے

مبارک ہو رندو مبارک ہو رندو | کہ دور شراب و کباب آ رہا ہے
نمایاں وہ پہلے بہ شکلِ کرم تھا | نظر اب بشکل عتاب آ رہا ہے
نمایاں نہیں ہے کوئی اس کے آگے | نظر میں وہ بے انتخاب آ رہا ہے
جسے لوگ بحرِ جہاں کہہ رہے ہیں | نظر صاف مجھ کو سراب آ رہا ہے
لئے آ رہا ہے مرا جذب اُن کو | وہ قاصد مرا کامیاب آ رہا ہے
میں جانوں کہ جانے وہ چشم سخن گو | جو لطف سخن بے خطاب آ رہا ہے
مرے خط کے ہیں دست قاصد میں ٹکڑے | جواب آج کیا لاجواب آ رہا ہے
دھواں اُٹھ کے بھٹی سے پھیلا فضا میں | مزہ ابر کا بے حجاب آ رہا ہے
ہر اک حسب ذوق طلب میکدہ سے | برنگ دگر فیض یاب آ رہا ہے
وہ پیرِ مغاں کا نظر کردہ میں ہوں | کہ پانی میں کیف شراب آ رہا ہے
جو اَب ہم نے پینے سے کرلی ہے توبہ | تو شعروں میں ذکر شراب آ رہا ہے
سرِ حشر تھامے ہوں میں اُن کا دامن | بڑے کام یہ انتساب آ رہا ہے
یہ کس نے زمانے سے پھیریں نگاہیں | یہ دنیا میں کیا انقلاب آ رہا ہے
جو رات آ رہی ہے بُری آ رہی ہے | جو دن آ رہا ہے خراب آ رہا ہے
باین قشقہ بر فرق و ایں مصحف رخ | یہ مشرک کہ اہل کتاب آ رہا ہے
چھپانا بھی ہے اور دکھانا بھی ہے رخ | وہ رک رک کے زیرِ نقاب آ رہا ہے
کروں کس سے فریاد گردش کی یارب | کہ گردش میں خود انقلاب آ رہا ہے
سکوں کو بھلا دیکھ سکتا ہے دل میں | بصد اضطراب اضطراب آ رہا ہے

اُڑا رہیں نہ کیوں جوش میں خاک صحرا — کہ دیوانۂ بوتراب آ رہا ہے

کہاں تک کرے انتظار سکوں اب — کہ روز اک نیا انقلاب آ رہا ہے

ترے نے کام حسن لیاقت سے زائد — یہ تیرا رخ لاجواب آ رہا ہے

وہ ہے اے شہ حسن تیری وجاہت — کہ خود ناز کرتا خطاب آ رہا ہے

کیے جا ستم بے حساب اے ستمگر — ہمارا بھی روز حساب آ رہا ہے

زمانے کی گردش سے ہیں سب پریشاں — مجھے کیف دور شراب آ رہا ہے

وہ کیا جانے آئندہ ناکامیوں کو — جو اس در سے اب کامیاب آ رہا ہے

یہ کہہ کہہ کے بھاگو نہ جدت پسندو — عذاب آ رہا ہے عذاب آ رہا ہے

ندا پر ندا تم جسے دے رہے تھے — وہی تو یہ اب انقلاب آ رہا ہے

خبر بھی ہے مجذوبؔ کے حال کی کچھ — کہ کس در سے یہ کامیاب آ رہا ہے

پیے سب ہیں مجذوبؔ تو بے پیے ہے — بسر مستی بے حساب آ رہا ہے

ہے مجذوبؔ کا حال بھی اک معمّا — وہ ہنستا بچشم پر آب آ رہا ہے

یہ مجذوبؔ پیری میں بھی جوش مستی — نئے سر سے کیا پھر شباب آ رہا ہے

بگولے پئے خیر مقدم اُٹھے ہیں — کہ مجذوبؔ خانہ خراب آ رہا ہے

وہ آتا ہے مجذوبؔ چھپ جائیں سالک — ستاروں میں اب آفتاب آ رہا ہے

اب اشعار کی روک مجذوبؔ آمد — ہر اک شعر گو لاجواب آ رہا ہے

یہ رکھ اپنے جذبات مجذوبؔ دل میں
وہ دیکھ ان کو کتنا حجاب آ رہا ہے

○

نہ شوکت لے کے آیا ہوں نہ عظمت لے کے آیا ہوں
محبت لے کے آیا ہوں محبت لے کے آیا ہوں

ازل سے میں تمہاری اک امانت لے کے آیا ہوں
تمہیں دینے کو یہ دردِ محبت لے کے آیا ہوں

ترے محبوب کی یارب شباہت لے کے آیا ہوں
حقیقت اس کو تو کر دے میں صورت لے کے آیا ہوں

ازل سے میں جو یہ دردِ محبت لے کے آیا ہوں
بظاہر دیکھنے میں اک مصیبت لے کے آیا ہوں

مرے پاس اور کیا ہے بس یہ نالے ہیں یہ آہیں ہیں
جو سمجھیں آپ اسے دولت تو دولت لے کے آیا ہوں

اس اک نعمت میں مضمر نعمتیں ہیں کل دو عالم کی
نہیں کوئی بدل جس کا وہ نعمت لے کے آیا ہوں

کوئی کچھ لے کے آیا ہے کوئی کچھ لے کے آیا ہے
میں حیرت لے کے آیا ہوں میں حیرت لے کے آیا ہوں

بلا ہے قہر ہے آفت ہے یہ پہلو میں دل میرا
سنبھل بیٹھو میں ساتھ اپنے قیامت لے کے آیا ہوں

کسی کو کیا خبر سب سے چھپانے کے لئے اے دل
بصد اخفا میں اس تلخی میں لذت لے کے آیا ہوں

کہوں کیا میں کہ اے جانِ جہاں دنیا میں دُنیا سے
میں نفرت لے کے آیا ہوں کہ رغبت لے کے آیا ہوں

عجب عنوان سے آیا ہوں میں اس باغِ عالم میں
کہ آنکھوں میں تو شوق اور دل میں وحشت لے کے آیا ہوں

جو اشرف تھا زمانے سے جو اشرف ہے زمانے میں
میں ایسے تیرے اشرف کی عقیدت لے کے آیا ہوں

نہیں مجنونِ دیوانہ میں ہوں مجذوبؔ مستانہ
ازل سے میں مستانہ طبیعت لے کے آیا ہوں

کسی کے در سے لوٹے ہیں جو سب دامن بھرے اے دل
تو میں مجذوبؔ بھی اک خاص دولت لے کے آیا ہوں

○

○

خود وہ بے ہوش ہے جو آپ کا مستانہ نہیں
خود وہ دیوانہ ہے جو آپ کا دیوانہ نہیں

دوست ہوتے ہیں فدا جلتے ہیں دشمن تجھ سے
کون ہے وہ جو ترے حسن کا پروانہ نہیں

روز روشن کی طرح تیرا نمایاں ہے کمال
کور باطن ہے وہ جس نے تجھے پہچانا نہیں

شور واعظ ہے اسی وقت تک اے پیر مغاں
گونجا جب تک کہ ترا نعرۂ مستانہ نہیں

○

جس کا جمال گل میں جلال اس کا خار میں
کرتا نہیں ہیں فرق خزاں اور بہار میں

دیتی ہیں گالیاں بھی مزا وصل یار میں
تلخی ہے شہد مجھ کو مئے خوشگوار میں

پیش نظر ہے گلشن رخ ہوں فسردہ کیوں
کیا باغ باغ پھول ہیں اس گل کے ہار میں

ہے روئے صاف پر جو نمایاں غبار خط
تلچھٹ ملی ہے شربت دیدار یار میں

آنکھیں دکھا کے مار کہ لب کھول کر چلا
ہے زندگی و موت ترے اختیار میں

پھیکی پڑی سیاہی تو دھندلے ہوئے حروف
لکھا جو اس نے خط مجھے دل کے غبار میں

کرنے دو شوخیاں انہیں پہلو میں غیر کے
یاں بھی تڑپ رہا ہے دل اپنے کنار میں

ابر سیاہ میں نہیں مضطر یہ بجلیاں
عاشق تڑپ رہے ہیں شب ہجر یار میں

کب تک یہ ہوگے آنکھ کے پردے میں تم نہاں
آجاؤ چھم سے کود کے میرے کنار میں

○

ہمیں مہر سلیمانی ہے یہ داغ جگر اپنا
ہجوم آرزو لشکر ہے سودا تاج سر اپنا

دکھاتے پھرتے ہیں جلوہ بہت شمس و قمر اپنا
ذرا ہاں کھول دے مجذوبؔ دل اپنا جگر اپنا

بس اب گھبرا گیا غربت میں دل اے ہم سفر اپنا
یہاں اُکتا گیا جی اب تو یاد آتا ہے گھر اپنا

یہاں آئیں نہ بزمِ غیر میں دل چھوڑ کر اپنا
کٹی جس طرح شب ہو جائے گا دن بھی بسر اپنا

چلے جاتے ہیں وہ تو پھینک کر تیرِ نظر اپنا
کھڑا رہتا ہوں میں تھامے ہوئے پہروں جگر اپنا

جلا ہی دے گا طفلِ اشک دامانِ نظر اپنا
کہ ایک آتش کا پرکالہ ہے یہ لختِ جگر اپنا

نشے میں یوں تو جھک کر آ رہا پیروں پہ سر اپنا
مگر پہنچا ہوا ہے اب تصورِ عرش پر اپنا

وہ ٹھکرا کر اٹھا دینا مجھے ان کا دمِ رخصت
وہ رکھ دینا مرا پھر دوڑ کر پیروں پہ سر اپنا

میں دو باتوں میں ہر دیر آشنا کو آشنا کر لوں
نہیں ہوتا نہیں ہوتا وہ بے پروا مگر اپنا

کفن کی ہم نے بس دو چادریں لے لیں ہیں دنیا سے
یہی ہے مختصر سا اے اجل رختِ سفر اپنا

خدا کے واسطے صدقہ میں اپنی بزمِ عشرت کے
کسی کے غمکدہ میں بھی کرو اک دن گزر اپنا

ہجوم آرزو لے کر بغل میں میں بھی آپہنچا
دکھائے اب تو ہاں یہ روزِ محشر کر و فر اپنا

کہاں کو خانۂ دل چھوڑ کر اے طفلِ اشک آخر
پلایا تھا اِسی دن کے لئے خونِ جگر اپنا

یہ بازارِ جہاں لے دل ہیں اک ہو کا عالم ہے
نہ مونس ہے نہ ہمدم ہے نہ کوئی چارہ گر اپنا

شبِ وصل اس کو کب کافی ہے روزِ حشر سن لینا
بہت افسانہ طولانی ہے قصہ مختصر اپنا

لحد میں چین سے سونے نہ دے گا بعد مردن بھی
جنازہ پر کسی کا پیٹ لینا ہائے سر اپنا

شعاعِ مہر بن کر عکس سے اُس روئے روشن کے
کھلی آنکھیں نظر آیا ہمیں تارِ نظر اپنا

یہ دردِ اے بدگماں کچھ دیکھنے کی چیز گر ہوتی
میں رکھ دیتا ترے آگے کلیجہ چیر کر اپنا

زمیں پہ پاؤں کب ٹکتا تھا اپنا شوق منزل میں
نہ آگے رہ سکا نقشِ قدم بھی ہم سفر اپنا
ٹھہرنا کھیل ہے آگے تری اس چشم میگوں کے
کرے پیدا تو پہلے کوئی دل اپنا جگر اپنا

بپا اک فتنۂ محشر رہا کرتا ہے پہلو میں
بلا ہے قہر ہے آفت ہے یہ دل الحذر اپنا
نگہ اٹھتی ہے مجھ پر بزم میں کیوں بار باران کی
ملانا تو نہیں اُن کو کہیں مدِّ نظر اپنا

تحیّر، یاس، سوزش، گریہ، نالہ، آہ، غم، حسرت
بہلتا ہے انہیں آٹھوں سے دل آٹھوں پہر اپنا
کھڑے ہیں دیر سے جو تشنہ لب جامِ شہادت کے
ادھر بھی پھینکتے جاؤ کوئی تیرِ نظر اپنا

ملامت کر نہ ہم رندوں کو تو اے زاہدِ خود بیں
ہے اچھا تیرے زہدِ خشک سے دامانِ تر اپنا
تجھے کیا دوں دہانِ قبر کچھ چھوڑا بھی ہو غم نے
یہی دو چار سوکھی ہڈیاں ہیں ماحضر اپنا

کہیں رُوکے سے رکتی ہے یہ جولانی طبیعت کی
کہ مجذوبؔ آج کل جوشِ جنوں ہے زور پر اپنا

میں یہ دو ہاتھ لے کر اس لئے دُنیا میں آیا ہوں
پھروں تھامے ہوئے دن رات دل اپنا جگر اپنا

جب آنکھیں بند کر لیں عرش پر پہنچی نگہ اپنی
قفس میں کرتا ہے پرواز یہ مرغِ نظر اپنا

نگاہِ یاس سے جلاد پر سکتہ کا عالم ہے
وہ کہتے ہیں کھڑا کیا دیکھتا ہے کام کر اپنا

مجھے رونا ہے تا صبحِ قیامت ساتھ کچھ تو دے
ابھی سے ختم کر رونا نہ اے شمعِ سحر اپنا

غمِ ساقی میں اٹھنا اور وہیں چکرا کے گر پڑنا
بس اب ہے گردشِ ساغر یہی دورانِ سر اپنا

تقاضائے بہار، اصرارِ ساقی، التجائے دل
نہ ہو گا آج کوئی عذر و حیلہ کارگر اپنا

لگا دے منھ سے خم ساقی کہ مدت سے ہیں پیاسے ہم
نہ ہو گا حلق بھی ان شیشہ و ساغر سے تر اپنا

پریشانی وہ دے جس کا اثر جمعیتِ دل ہو
بنا اے خدا مجذوبؔ کو آشفتہ سر اپنا

○

سب پہ کیا کیا اثر گردشِ دوراں نہ ہوا
اپنے مرکز سے بس اک میں تھا کہ جنباں نہ ہوا

چارہ گر سب ہوئے وہ عیسیِ دوراں نہ ہوا
نہ ہوا ہائے مرے درد کا درماں نہ ہوا

یہ جو تارے ہیں کئی بار گنے ہیں میں نے
اک قیامت ہوئی طولِ شبِ ہجراں نہ ہوا

ہنس کے دم بھر مجھے رونا جو پڑا تھا پہروں
دلِ ناشاد مرا پھر کبھی شاداں نہ ہوا

دل میں گل عشق کے داغوں کے کھلائے لاکھوں
ان کے گلگشت کے قابل یہ گلستاں نہ ہوا

گل بداماں نہ ہوا باغِ جہاں میں نہ سہی
یہ بھی کیا کم ہے کہ میں خار بداماں نہ ہوا

بت پرستی نہ چھٹی، نفس پرستی نہ چھٹی
میں مسلماں بھی ہوا پھر بھی مسلماں نہ ہوا

دلِ غم دیدہ نے کیا کیا نہ بہاریں دیکھیں
نہ ہوا غنچۂ افسردہ یہ خنداں نہ ہوا

بوریا اپنا بچھایا جو درِ جاناں پر
اُس کا ہم پایہ یہ پھر اورنگ سلیماں نہ ہوا

جوشِ وحشت کا جو سرخیل بنا تھا مجذوبؔ
پھر کوئی اس کے سوا سلسلہ جُنباں نہ ہوا

○

جس طرف کو رُخ کیا تم نے گلستاں ہو گیا
جس طرف سے تم نے منھ پھیرا بیاباں ہو گیا

سوزِ داغِ عشق سے انسان انساں ہو گیا
اس لگن ہی سے یہ شمعِ بزمِ امکاں ہو گیا

ایک کا غم دوسرے کو ہے یہاں وجہِ طرب
ابر جب گریاں ہوا گلزار خنداں ہو گیا

جیتے جی اب چین پاتی ہے کہاں جانِ حزیں
نشترِ غم اُن کا پیوستِ رگِ جاں ہو گیا

کس نے آنکھوں میں سما کر دیں نظر کو وسعتیں
گل گلستاں ہو گیا ذرّہ بیاباں ہو گیا

اُٹھ گئے سارے حجاب اس پر بھی ہوں محرومِ دید
ہو کے ظاہر اپنے جلووں میں وہ پنہاں ہو گیا

دل سے اب اڑنے لگیں ہر آہ پر چنگاریاں
تو مرے ظلمت کدہ میں بھی چراغاں ہو گیا

ہائے کیا بازارِ حسن و عشق کا بدلا ہے رنگ
عشق اب نایاب ہے اور حسن ارزاں ہو گیا

چلتے ہی بادِ خزاں کے ہو گئی کایا پلٹ
دم کے دم میں کیا سے کیا رنگ گلستاں ہو گیا

○

محفل میں ذرا ہم سے وہ آنکھیں تو ملائیں
جو دل میں ہے کہہ جائیں سب اور لب نہ ہلائیں

شکوہ ہے نہ فریاد وہ کتنا ہی ستائیں
مجبور وفا ہیں جفا ہو کہ وفائیں

یہ ابر یہ منظر یہ ہوائیں یہ فضائیں
کیا شاہد فطرت کی ہیں مستانہ ادائیں

پہنچا ہوں جہاں میں نے بدل دی ہیں فضائیں
آتے ہی مبدل ہوئیں آہوں سے ہوائیں

آکر وہ مری وسعت میخانہ بڑھائیں
ساغر کو وہ خم، خم کو وہ خمخانہ بنائیں

کیا فکر ہے جانا ہو جہاں بھی اُنہیں جائیں
میں محو تصور ہوں یہاں آئیں نہ آئیں

آنکھیں یہ ہمیں دیکھئے کیا کیا نہ دکھائیں
لے لیتی ہیں ہر گیسوؤں والوں کی بلائیں
آتی ہیں نظر اب تو کرم تیری جفائیں
لائی ہیں یہ کیا رنگ نیا میری وفائیں

دیکھا جو اُنہیں عمر کھبر اب اشک بہائیں
بجھتی ہے کہیں دل کی لگی لاکھ بجھائیں
نکلی ہیں لب تشنہ سے آہیں کہ ہوائیں
ہر سو سے چلی آتی ہیں گھر گھر کے گھٹائیں

آخر متوجہ تو ہوئیں ان کی جفائیں
ممنون سزا ہوں مری ناکردہ خطائیں
اُن کو جو ستانا ہے تو اتنا نہ ستائیں
آتی ہیں نظر اب تو جفائیں بھی وفائیں

مجذوب کے آگے وہ کھُلے بال نہ آئیں
دیوانہ کو وہ اور نہ دیوانہ بنائیں
مجذوب عجب اُن کی ہیں مستانہ ادائیں
ہر حال میں ہے کیف رُلائیں کہ ہنسائیں

یہ ناز یہ انداز یہ شوخی یہ ادائیں
اے زلف بدوش آ تری لے لوں میں بلائیں

کیا طرفہ تماشا ہے وہ چہرہ نہ دکھائیں
دل میں مرے آئیں مری آنکھوں میں سمائیں

آنے لگیں وہ کوچۂ قاتل کی ہوائیں
اب حضرت مجذوبؔ ذرا ہوش میں آئیں

آتے ہیں بلاتے ہیں یہی آس لگی ہے
بس وعدے ہی وعدے ہیں نہ آئیں نہ بلائیں

گو کچھ نہ کہیں آگ سے بھر جاتے ہیں سینے
چھپتا ہے کہیں سوز دروں لاکھ چھپائیں

تنگ آ گئے اے وا لبس اللہ نگہباں
دلبر تو ہیں صدہا تجھے کس کس سے بچائیں

محدود فضائیں ہیں یہ مرغان ہوا کی
اڑتے ہیں جہاں ہوش وہ ہیں اور فضائیں

یہ میری شب ہجر ہے یا روز قیامت
نالوں سے مرے بھر گئیں خاموش فضائیں

مجذوبؔ کے ہنسنے پہ نہ جانا کہ یہ حضرت
رونے پہ جو آجائیں تو دریا ہی بہائیں

○

فقر میں بھی ہیں سر بسر کبر و غرور و ناز ہوں
کس کا نیاز مند ہوں سب سے جو بے نیاز ہوں

محفل اہل کیف میں نغمۂ دل نواز ہوں
مجلس اہل درد میں نالۂ جاں گداز ہوں

اتنے حجاب پر بھی میں دید سے سرفراز ہوں
اپنی نگاہ ناز سے پردہ در مجاز ہوں

مجھ کو چڑھا دے دار پر سخت زباں دراز ہوں
ہوں میں اسی کا مستحق باعث کشف راز ہوں

عزت و جاہ و مال و زر سب سے میں بے نیاز ہوں
چاہیے اور مجھ کو کیا عشق سے سرفراز ہوں

صاحب مال و زر نہیں صاحب سوز و ساز ہوں
زاہد و شیخ بھی نہیں میکش و عشق باز ہوں

در پہ گدا نواز کے رکھے سر نیاز ہوں
عشق میں زاہد و میں بس جانتا یہ نماز ہوں

آگے ترے جو خم کئے اپنا سر نیاز ہوں
جھکتے ہیں سرکشوں کے سر دیدۂ اہل ناز ہوں

کھوج میں تیرے راز کے عمر یونہی گذار دی
غور کیا تو یہ کھلا خود ہی میں شہر راز ہوں
روزِ ازل کا مست ہوں مست مئے الست ہوں
نیست ہوں نہ ہست ہوں سر بسر ایک راز ہوں

کیا میں کہوں کہ کس قدر مجھ میں ہے جوش عشق کا
یوں تو خموش ہوں مگر محشر سوز و ساز ہوں
کتنی ہے سینہ چاک نے پھر بھی ہے کس مزے کی لَے
کیسا یہ نے نواز ہے قاتل نَے نواز ہوں

آنکھیں مری جبر کے بھی کچھ تو ہیں بند کچھ کھلی
کس کا میں ہائے کشتۂ دیدۂ نیم باز ہوں
یوں تو ہے سر سے تا بپا میرا نگار دلبر با
سب کی پسند ہے جدا میں تو فدائے ناز ہوں

میرا یہ جذب الاماں میرا یہ سوز الحذر
مجھ سے ملے نہ ہاں کوئی قابلِ احتراز ہوں
عشق میں میری بندگی بندگیِ ایاز ہے
در پہ گدا نواز کے سجدہ کناں نیاز ہوں

آتے ہیں جو بچشم نم جاتے ہیں ہو کے بے الم
خود تو ہوں میں مریض غم غیر کا چارہ ساز ہوں

جب مجھے کوئی غم نہ تھا بنتا تھا بندۂ خدا
وقت پڑا تو یہ کھلا بندۂ حرص و آز ہوں

کبر ہوں سر سے تا بپا پھر بھی مجھے نہ کہہ بُرا
اپنے میں شاہ حسن کا مظہر شان ناز ہوں

جب کہ مسیح بھی مرا مجھ کو جواب دے چکا
درد ہی بڑھ کے بول اٹھا میں ترا چارہ ساز ہوں

غم تھا جو روز اولیں اب بھی ہے تا بہ یوم دیں
کب سے میں منسلک بایں سلسلۂ دراز ہوں

سمجھیں نہ مجھ حقیر کو اپنے سے اہل جاہ کم
ہوں تو میں اپنے شاہ کا بندہ مگر ایاز ہوں

دل تو ہے لوٹ حسن پر اٹھتی نہیں مگر نظر
کتنا میں عشق باز ہوں کتنا میں پاک باز ہوں

نلے جو چھیڑ دوں ابھی بھولیں سب اپنی راگنی
رکھتا ہوں صوت سرمدی گو میں شکستہ ساز ہوں

اس کا ہوا انسداد کیا بڑھتا ہے امتیاز اور
جتنا میں تیرے عشق میں تارکِ امتیاز ہوں

مجھ کو ذرا نہیں پتہ دنیا میں ہو رہا ہے کیا
کچھ نہیں ہوش ماسوا مست مئے حجاز ہوں

حال مرا ہے طرفہ تر بے خبر اب نہ باخبر
اہلِ نظر نہ بے بصر دیدۂ نیم باز ہوں

میں ہوں فقیرِ بے نوا بول سکوں مجال کیا
میری نہیں ہے یہ صدا میں تو کسی کا ساز ہوں

حال سب اپنا گو کہا سمجھا نہ کوئی بھی ذرا
کھل کے بھی جو نہ کچھ کھلا میں بھی وہ طرفہ راز ہوں

میرا تو بے چڑھاتے خم پاؤ گے کچھ پتہ نہ تم
کھوج میں ہوں کسی کے گم ایک سفیرِ راز ہوں

وقت طوافِ کعبہ بھی مجھ کو خیال ہے یہی
رقص کناں بشوق ابھی گرد حریم ناز ہوں

مجھ سے جو احتراز ہے اس میں بھی کوئی راز ہے
مجھ کو تو بس یہ ناز ہے پیش نگاہ ناز ہوں

چھوڑو بھی مجھ کو سالکو جاؤ بس اپنی راہ لو
مجھ کو پڑا ہی رہنے دو خاک رہ نیاز ہوں
کرتا نہیں میں اے حسن بلبل و گل کی شاعری
اڑتا نہیں زمین پہ میں عرش کا شاہباز ہوں

○

بس اب ایک ہی آشنا چاہتا ہوں
ہٹو دوستو راستا چاہتا ہوں
بتوں کو برائے خدا چاہتا ہوں
سر خم دل مبتلا چاہتا ہوں
وفا کرکے اس کا صلا چاہتا ہوں
بڑا ناسزا ہوں سزا چاہتا ہوں
محبت کا اپنی صلا چاہتا ہوں
سزا چاہتا ہوں سزا چاہتا ہوں
بتوں سے پناہِ خدا چاہتا ہوں
نگارِ وفا آشنا چاہتا ہوں
میں لے ضبط آہ رسا چاہتا ہوں
بہت ناتواں ہوں عصا چاہتا ہوں
میں اب ترک ہر ماسوا چاہتا ہوں
دلِ غیر نا آشنا چاہتا ہوں
غم عشق زلفِ دوتا چاہتا ہوں
بلا دوست ہوں میں بلا چاہتا ہوں
غریبوں میں جا کر رہا چاہتا ہوں
میں اب زندگی بے ریا چاہتا ہوں
وفا کرکے اُن سے صلا چاہتا ہوں
خطا پر خطا ہے سزا چاہتا ہوں
ترے عشق میں اور کیا چاہتا ہوں
رضا چاہتا ہوں رضا چاہتا ہوں
میں اس بے وفا سے وفا چاہتا ہوں
مجھے دیکھئے کس سے کیا چاہتا ہوں
میں اپنے ارادے سے کیا چاہتا ہوں
خدا ہی کا چاہا ہوا چاہتا ہوں

نہیں اور کچھ لے خدا چاہتا ہوں — دو عالم میں تیری رضا چاہتا ہوں

سراپا بنے سوز یہ سازِ ہستی — میں وہ راگ اب چھیڑنا چاہتا ہوں

بس اب بادہ نوشوں میں جا کر رہوں گا — میں جینے کا اب کچھ مزا چاہتا ہوں

بگڑنے کو تم میرے کیا دیکھتے ہو — میں پہلے سے بہتر بنا چاہتا ہوں

یہ اُف کون مستانہ وار آ رہا ہے — گرا چاہتا ہوں گرا چاہتا ہوں

کروں کیا طبیعت مری چلبلی ہے — میں معشوق بھی چلبلا چاہتا ہوں

ادا سے جو پوچھا تو سب بھول بیٹھا — کھڑا سوچتا ہوں کہ کیا چاہتا ہوں

بھلاتا ہوں پھر بھی وہ یاد آ رہے ہیں — وہی چاہتے ہیں میں کیا چاہتا ہوں

جو فارغ کرے مجھ کو سب مشغلوں سے — اب ایسا کوئی مشغلہ چاہتا ہوں

مرا سازِ ہستی ہے لبریز نغمہ — کوئی مطرب خوشنوا چاہتا ہوں

روش گو ہے سادہ طبیعت ہے رنگیں — میں معشوق رنگیں ادا چاہتا ہوں

رہِ عشق میں پھر قدم لڑکھڑائے — مدد تم سے پیرِ ہدیٰ چاہتا ہوں

کرم کے بھروسہ پہ کتنا جری ہوں — خطا کر کے ان سے عطا چاہتا ہوں

جہاں سانس لینے میں ہو آہ پیدا — اب ایسی کوئی میں فضا چاہتا ہوں

میں غم دوست ہوں مجھ کو مطرب نہ چھیڑے — میں ہر وقت آہ و بکا چاہتا ہوں

جو مرضی ہو تیری وہی میں بھی چاہوں — یہی اب تو بس لے خدا چاہتا ہوں

کروں گا فقیری بہ رنگِ امیری — میں صد پارہ گلگوں قبا چاہتا ہوں

ستاتے بھی کوئی تو پائے دُعائیں — گدا ہوں میں سب کا بھلا چاہتا ہوں

حقیقت سے دل آشنا ہو گیا ہے
میں اب شاعری چھوڑنا چاہتا ہوں

ادھر سے ہو شوق اور اُدھر سے کشش ہو
میں بے دست و پا دست و پا چاہتا ہوں

چلا تو ہوں کس شوق سے عرض کرنے
خبر یہ نہیں ان سے کیا چاہتا ہوں

ہٹا دے جو دل میرا ہر ماسوا سے
اب ایسا کوئی دلربا چاہتا ہوں

نہیں وصل کی بھی ہوس میرے دل میں
کسی کو میں بے انتہا چاہتا ہوں

خوشی وصل کی ہے نہ فرقت کا غم ہے
بہر حال تیری رضا چاہتا ہوں

نکلتا ہے اف کچھ کا کچھ میرے منھ سے
میں کہتا ہوں کیا اور کیا چاہتا ہوں

پھروں تا بہ کے جوشِ مستی میں رقصاں
بس اب بیٹھ کر جھومنا چاہتا ہوں

رہوں ذکر و طاعت میں ہر دم الٰہی
یہی عمر بھر مشغلہ چاہتا ہوں

میں ہر سمت پھرتا ہوں کھویا ہوا سا
نہ جانے کسے ڈھونڈنا چاہتا ہوں

نہ دم بھر رہوں یاد سے تیری غافل
یہ توفیق اب اے خدا چاہتا ہوں

مرا شوق خارج ہے حدِ ادب سے
نہ پوچھو نہ پوچھو کہ کیا چاہتا ہوں

نکلتے ہیں نالے بھی منھ سے تو موزوں
عبث شاعری چھوڑنا چاہتا ہوں

کسی کا میں اب ہو کے محوِ تصوّر
سب افکار کا خاتمہ چاہتا ہوں

بھلا ہو بُرا ہو اِدھر ہو اُدھر ہو
غرض جو بھی ہو فیصلہ چاہتا ہوں

رہا عمر بھر چپ میں یوں اُن کے آگے
کہ جیسے ابھی کچھ کہا چاہتا ہوں

جو کر دے مجھے گم کسی کی طلب میں
میں ایسا کوئی رہنما چاہتا ہوں

کھلے پھول پر لطف دیتی ہے شبنم
میں گریہ بھی خنداں نما چاہتا ہوں

اسے رکھ ہنسی کو ہنسی ہی کی حد میں
ہلاکِ تبسم ہوا چاہتا ہوں

رضا تیری حاصل ہو کون و مکاں میں
یہی اب تو بس اے خدا چاہتا ہوں

ترے وصل کی تاب کیا لا سکوں گا
تعلق فقط دور کا چاہتا ہوں

میں کب تک پھروں در بدر مارا مارا
ترے در پہ اب بیٹھنا چاہتا ہوں

جیوں گا کسی کا میں ہو کر فدائی
بقا بھی بہ رنگِ فنا چاہتا ہوں

بوقت خوشی ہو فنا کا تصوّر
مسرت بھی حسرت فزا چاہتا ہوں

نہ اپنا بھی جس میں گذر ہو الٰہی
اب ایسی میں خلوت سرا چاہتا ہوں

دکھا زور اے جذبِ دل ناتواں ہوں
میں منزل یہیں زیرِ پا چاہتا ہوں

ریا ہے ریا جامۂ پارسائی
میں زاہد! دل پارسا چاہتا ہوں

بڑھے گا تو پھر آگ کی طرح خود ہی
فقط عشق کی ابتدا چاہتا ہوں

گنہ میرے چھوڑے کہیں چھوٹتے ہیں
اعانت تری اے خدا چاہتا ہوں

بس اصلاح نفس اپنی تھک کر الٰہی
تجھی پر میں اب چھوڑنا چاہتا ہوں

یہ فرش زمیں مجھ کو عرش بریں ہے
نہ مسند نہ اب بوریا چاہتا ہوں

رہوں میں نہ مجذوب بن جاؤں سالک
یہ توفیق اب اے خدا چاہتا ہوں

بہت دن تو مجذوب کی ہرزہ گوئی
بس اب لب پہ نام خدا چاہتا ہوں

میں مجذوب کب تک رہوں یا الٰہی
بس اب ہوش اپنے بجا چاہتا ہوں

○

سنبھل جا کہ سینہ سپر آ گئے ہم
بلا خوف تیغ و تبر آ گئے ہم

بہ قصدِ حرم تیرے گھر آ گئے ہم
کدھر جا رہے تھے کدھر آ گئے ہم

سر آستاں بے خبر آ گئے ہم
بلا قصد بھی تیرے گھر آ گئے ہم

کشش سے تری تیرے گھر آ گئے ہم
اسی کے تو زیر اثر آ گئے ہم

نہ اب جائے ماندن نہ اب پائے رفتن
کہاں آ گئے ہم کدھر آ گئے ہم

نہ اب بت پرستی نہ اب مے پرستی
کہ سب چھوڑ کر تیرے گھر آ گئے ہم

ہمیں تم تو چھوڑ آئے تھے ہم صفیرو
سر شاخ بے بال و پر آ گئے ہم

ترا آستاں اب کہیں چھوٹتا ہے
جدھر آ گئے ہم ادھر آ گئے ہم

بصد سوزش سر بصد شور و غوغا
سر حشر محشر بہ سر آ گئے ہم

کرامت ہے بے داغ کوئے بتاں سے
سلامت بہ قلب و جگر آ گئے ہم

مقام فنا تک جو پہونچے ہیں اے دل
تو مر مر گئے ہیں مگر آ گئے ہم

جلیں پر فرشتوں کے بھی جس جگہ پر
وہاں سوز دل بے خطر آ گئے ہم

جو غم ہو تو رونا خوشی ہو تو رونا
بس اب تنگ اے چشم تر آ گئے ہم

جو ہم گھر میں آئے تو زنداں میں آئے
جو صحرا میں پہونچے تو گھر آ گئے ہم

ہے اے جذب ہر سمت اک ہو کا عالم
اچانک کہاں بے خبر آ گئے ہم

سر آستاں شوق کی بے خودی میں
تصور سے بھی بیشتر آ گئے ہم

جنوں میں بھی مجذوب گھیرے ہے خلقت
چھپے لاکھ پھر بھی نظر آ گئے ہم

○

جادو سا کیا یہ اے نگہ یار کر دیا — مجذوب سے بھی مست کو ہشیار کر دیا

پورا یہ خوب وعدۂ دیدار کر دیا — آتے ہی سامنے مجھے دیوار کر دیا

یہ کیا اشارہ اے نگہ یار کر دیا — ہر ماسوا سے دل مرا بیزار کر دیا

جو بے خبر تھا اس کو خبردار کر دیا — نا آشنا کو محرم اسرار کر دیا

دل کو نظر میں جلوہ گہہ یار کر دیا — ظلمت کدہ کو مطلعِ انوار کر دیا

الزام اُن کو دے نہ کوئی حق کسی کو کیا — بیکار کر دیا مجھے بیکار کر دیا

اے شوق خود نمائی یہ سوجھی تھی تجھ کو کیا — رسوا جو حسن کو سر بازار کر دیا

اول تو خود غضب کا طرح دار تھا وہ شوخ
حسن نظر نے اور طرح دار کر دیا

○

عندلیب بوستانِ راز ہوں — ہم نوائے بلبلِ شیراز ہوں

عاشقوں میں کیوں نہ میں ممتاز ہوں — سب تو دل دیتے ہیں میں جانباز ہوں

سر بسر اک حشرِ بے آواز ہوں — میں بھی اُف کتنا امین راز ہوں

تو تو مطرب ہے میں تیرا ساز ہوں — تو زباں ہے میں تری آواز ہوں

محرم سترِ حریم ناز ہوں — راز اندر راز اندر راز ہوں

جامِ جم ہے پیکرِ ہستی مرا — راز ہوں اور خود ہی شرحِ راز ہوں

لا نوید وصل لا اے صُور لا — مدتوں سے گوش برآواز ہوں

کر دیا مطرب نے کیا سے کیا مجھے — ساز تھا اب نغمۂ بے ساز ہوں

بیکسیٔ نزع میں گھبراؤں کیوں — کہہ رہا ہے کوئی میں دم ساز ہوں

بات اٹھا سکتا نہیں شاہوں کی بھی — ناز بردار سراپا ناز ہوں

کہہ رہی ہے کوئے جاناں کی زمیں — عرش ہوں گو فرش پا انداز ہوں

مجھ سے بھی مجذوبؔ یہ اخفائے راز
میں تو تیرا ہمدم و دمساز ہوں

○

نگاہ یار اے دل لاکھ ظاہر میں سہی اپنی
یہ بیگانہ نہ ہے اپنی نہ ہو اپنی نہ تھی اپنی

بجز وہم و گماں کچھ بھی نہ پھر ہستی رہی اپنی
ہوا جب جلوہ گر کوئی حقیقت کھل گئی اپنی

حدودِ آرزو طے کر چکی ہے عاشقی اپنی
کبھی ہاں تھی مگر اب کیا خوشی کیا ناخوشی اپنی

مری مرضی پہ اب ہر بات اُس نے چھوڑ دی اپنی
سبھی کچھ بس میں ہوتے بھی یہ اُف ری بے بسی اپنی

خوشی اپنی ہے غم آمیز جھوٹی ہے ہنسی اپنی
بھلا یہ بھی ہے کوئی زندگی میں زندگی اپنی
حقیقت سے ہیں مجذوبؔ آپ ابھی ناآشنا بالکل
اجی حضرت یہ رہنے دیجیے بس شاعری اپنی

○

اے سوزِ عشق تو نے مجھے داغ کیا دیئے
جیسے چراغ دل میں ہزاروں جلا دیئے
شعروں میں ہم نے درسِ فنا و بقا دیئے
جو عشق کے طریق تھے وہ سب بتا دیئے
چپکے سے آکے دل میں ذرا مسکرا دیئے
اس اک کرم نے جتنے ستم تھے بھلا دیئے
پینے پہ ہم جو آئے تو پھر خم لنڈھا دیئے
رونے پہ ہم جو آئے تو دریا بہا دیئے
ایسے کسی کے عشق نے درسِ فنا دیئے
آثار سب وجود کے ہم نے مٹا دیئے
کس نے حریمِ ناز کے پردے اٹھا دیئے
دیکھے نہ جو کبھی تھے وہ جلوے دکھا دیئے

سنورے ہوؤں کو تم نے بگاڑا ہے شیخ جی
رندِ خراب حال نے بگڑے بنا دیئے

اُف کس بلا کی آہ تھی یہ اے دلِ حزیں
سارے چراغ ہائے تمنا بجھا دیئے

آ میرے دل کی بزم تمنا میں اب تو آ
دیئے بھے جو دھواں وہ دیئے سب بجھا دیئے

اے جذب لا بٹھایا دل و دیدہ میں اُنہیں
تونے تو میرے دونوں جہاں جگمگا دیئے

اُس پرتوِ جمال نے روشن کئے ہنر
اور اس قدر کہ عیب مرے سب چھپا دیئے

ہنستے ہو کیا کہ اس رہِ دشوار عشق نے
میں کیا ہوں رہبروں کے قدم ڈگمگا دیئے

ہونے دیا نہ ہوش کو مغلوب عشق میں
جتنے بھی دل میں جوش اٹھے سب دبا دیئے

اک حرف بھی زباں سے نکالا نہ آپ نے
سب رازِ حسن کیسے یہ سمجھا بجھا دیئے

جب مجرمانِ عشق سے کی اُس نے باز پرس
کچھ کہہ سکے نہ منہ سے مگر سر جھکا دیئے

اے مہرِ حسن یہ تری ذرّہ نوازیاں
شاہوں کے تو نے پیشِ گدا سر جھکا دیئے

قائم رہے یہ ہمّتِ مردانہ تیرا دم
اُکھڑے ہوئے قدم بھی مرے پھر جما دیئے

اے عشق خوار یہ تری ذلّت پسندیاں
مسند نشیں بھی خاک پہ تو نے بٹھا دیئے

اے جذبِ حسن یہ بھی ترا کم کرم نہیں
میرے جو رک گئے تھے قدم پھر بڑھا دیئے

مجذوبؔ ہی کے خانۂ دل کا ہو ذکر کیا
گھر ایسے ایسے کتنے نہ جانے سجا دیئے

مجذوبؔ ناسزا تو یہ سُن کر ہی رو دیا
جا ہم نے تجھ کو چھوڑ دیا بے سزا دیئے

مجذوبؔ کو تو لاتے وہ ہمراہ بزم میں
اور سالکوں کو دور سے رستے بتا دیئے

گُلِ صَد برگ

(قطعات)

کسبِ دنیا تو کر ہوس کم رکھ
اس پہ تو دین کو مقدّم رکھ
دینے لگتا ہے پھر دُھواں یہ چراغ
اک ذرا اِس کی لَو کو مدّھم رکھ

جو ناکام ہوتا رہے زندگی بھر
بہر حال کوشش تو عاشق نہ چھوڑے
یہ رشتہ محبت کا قائم ہی رکھّے
جو سو بار ٹوٹے تو سو بار جوڑے

ز چشم محو حیرت کیف صد پیمانہ می ریزم
من آن مستم کہ از جام تہی میخانہ می ریزم
چہ داند خلق رندیِ منِ درویش صورت را
مئے صافی بہ زیر دلق در میخانہ می ریزم

جو کھیلوں میں تو نے لڑکپن گنوایا
تو بد مستیوں میں جوانی گنوائی
جو اب غفلتوں میں بڑھاپا گنوایا
تو پھر یہ سمجھ زندگانی گنوائی

کوئی جی بھرنے کی صورت ہی نہیں میرے لئے
کیسے دنیا بھر کے ہو جائیں حسین میرے لئے
اب تو ذوقِ حسن اپنا یہ کہے ہو کر بلند
حسن اوروں کے لئے حسن آفریں میرے لئے

نہ چت کر سکے نفس کے پہلواں کو
تو یوں ہاتھ پاؤں بھی ڈھیلے نہ ڈالے
ارے اس سے کشتی تو ہے عمر بھر کی
کبھی وہ دبالے کبھی تو دبالے

مترس از بلائے کہ شب درمیان است
یہ بڑھ کر نہ سو شب بھر آرام ہی سے
ارے کوچ تو صبح ہونے پہ ہو گا
مگر فکر توشہ تو کر شام ہی سے

میری زیست کا حال کیا پوچھتے ہو
نہ پیری نہ طفلی نہ اس میں جوانی
جو کچھ ساعتیں یادِ دلبر میں گذریں
وہی ہیں وہی میری کل زندگانی

فزوں اب تو ہر سانس پر درد دل ہے
سکوں چارہ گر ہو گا جب دم نہ ہو گا
عبث ہے عبث ہے مداوا عبث ہے
نہ ہو گا نہ ہو گا یہ اب کم نہ ہو گا

غم عشق جا کر بھی غم کم نہ ہو گا
کہ پھر غم نہ ہونے کا کیا غم نہ ہو گا
نہ کر غم کے جانے کی ہرگز تمنّا
گیا غم تو یہ دل کا عالم نہ ہو گا

کہاں تیری مجذوبؔ ژولیدہ حالی
کہاں بار یابیِؔ درگاہ عالی
مگر ہو نہ مایوس پھر بھی کرم سے
یہ حسرت بھی تیری نہ جائے گی خالی

دیکھ! تو آتشیں رخوں کو نہ دیکھ
ان کی جانب نہ آنکھ اٹھا زنہار
دور ہی سے یہ کہہ الٰہی خیر
"وقنا ربنا عذاب النّار"

تو گنا ہوں کا خود ہے ذمّہ دار
آڑ تقدیر کی نہ لے زنہار
تیرے اس عذر پر یہ ہے صادق
"خوئے بدرا بہانۂ بسیار"

کوشش و ہمت کیے جا ہاں توکّل بر خدا
کامیاب آخر ہونا اگر منظور ہے
سعیِ دیں تو بالیقیں ضائع کبھی ہوتی نہیں
وعدۂ حق ہے کہ سعی آخرت مشکور ہے

نیابی تا ابد زیں بعد ہرگز ایں چنیں دقتے
بصد کوشش عنان توسن عمر رواں درکش
بیاد دوست اے مجذوبؔ گم کن ہستی خود را
چو عمر جاوداں خواہی بجاں آں جانِ جاں درکش

سختی رہ سے نہ ڈر ہاں اک ذرا ہمت تو کر
گامزن ہونا ہے مشکل راستہ مشکل نہیں
کام کو خود کام پہنچا دیتا ہے انجام تک
ابتدا کرنا ہے مشکل انتہا مشکل نہیں

شر سے ہے کون سا بشر خالی
ہاں مگر ہو نہ شر ہی شر خالی
کچھ تو سامانِ خیر ہو دل میں
اب تو ہے تیرا گھر کا گھر خالی

قبض میں بھی بسط کا تو لطف لے
بے تسلّی بھی تسلّی چاہیئے
ہے جلالی تو! جمالی گو نہیں
چاہے جیسی ہو تجلّی چاہیئے

اصلاح میں اپنی کر نہ سستی
ہمت پہ ہے منحصر درستی
فرما گئے ہیں حکیم الامت
سستی کا علاج بس ہے چستی

چاہے اطمینان اگر مجذوبؔ تو
کر نہ کیفیّات کی ہرگز ہوس
عقل و ایماں ہیں رفیق دائمی
آنی جانی اور سب چیزیں ہیں بس

لگا رہ اسی میں جو ہے اختیاری
نہ پڑ امرِ غیر اختیاری کے پیچھے
عبادت کیے جا مزا گو نہ آئے
نہ آدھی کو بھی چھوڑ ساری کے پیچھے

سوچ ماضی کو نہ استقبال کو
ٹھیک رکھ بس تو تو اپنے حال کو
کیا ہوا کیا ہوگا اس غم میں نہ پڑ
تو عبث لے سر نہ اس جنجال کو

یہ کیا زاہدِ خشک تو چاہتا ہے
کہ ہر شے کا دل سے خُلو چاہتا ہے
عبث ہے عبث سعیِ ترکِ تمنّا
کہ دل فطرۃً آرزو چاہتا ہے

احسان جتا کر نہ کوئی میرے گھر آئے
احسان مرا مان کے آئے اگر آئے
بیٹھا ہوں غنی ہو کے ہر اک شاہ و گدا سے
سو بار غرض جس کو پڑے وہ اِدھر آئے

کاشانۂ مجذوب ہے منزل گہِ مستاں
جو اہلِ خرد آئے یہاں سوچ کر آئے
فرزانہ جسے رہنا ہو جائے وہ کہیں اور
دیوانہ جسے بننا ہو بس وہ ادھر آئے

اس سہ دری اشرف فردوس مکاں میں
جب آئے زیارت کو تو باچشمِ تر آئے
جو بزم بھری رہتی تھی مستانِ خدا سے
خالی وہ نظر آئے تو کیوں جی نہ بھر آئے

یہ مجذوب وحشی کو مثل اپنے سالک
بٹھانا جو حجرے میں تو چاہتا ہے
سرشت اپنی اپنی ہے ظرف اپنا اپنا
مرا جذب میدانِ ہُو چاہتا ہے

کام جتنے ہیں گدا و شاہ کے
قبضۂ قدرت میں ہیں اللہ کے
کارساز دو جہاں پر ہے نظر
ناز اُٹھائیں کیوں ہم اہلِ جاہ کے

جہاں ہو گی برکت وہ ہو گی یہیں کی
ضرورت ہی کیا ہے کسی جانشیں کی
یہاں رہتے تھے قطب ارشاد عالم
یہ تھی تربیت گاہ روئے زمیں کی

یہ تپش یہ تفتہ جانی پھر کہاں
سن لو یہ آتش بیانی پھر کہاں
پھر کہاں مجذوبؔ کی یہ شورشیں
یہ طبیعت کی روانی پھر کہاں

کام کر دل لگا کے پھر بھی اگر
نہ لگے دل تو کچھ ملال نہ کر
حسب ارشاد حضرت مرشد
فعل کر فکر انفعال نہ کر

مالک ہے جو چاہے کر تصرف
کیا وجہ کسی کو فکر کی ہے
بیٹھا ہوں میں مطمئن کہ یارب
حاکم بھی ہے تو حکیم بھی ہے

اب کہاں وہ دن، کہاں وہ حلقۂ پیرِ مغاں
وہ مزا وہ حظ وہ دورِ میکشی جاتا رہا
اب کہاں وہ ذاتِ اقدس تھی جو روحِ مے کشاں
زندگی اب کیا ہے کیف زندگی جاتا رہا

شامِ شبِ فرقت میں بھی انوارِ سحر ہیں
اے نورِ مجسم یہ تری یاد کا عالم
دل نور جگر نور سخن نور نظر نور
یہ کیا ہے مری خاطرِ ناشاد کا عالم

چاہتا ہے دل وہی کیف آفریں ماحول پھر
وہ بہاریں اب کہاں جو ہائے میخانہ میں تھیں
مستیاں ہر سو برستی تھیں در و دیوار سے
اور وہاں کیفیتیں سو خم کی پیمانے میں تھیں

وہ رنگ نہ وہ ڈھنگ نہ وہ لطف نہ وہ کیف

کچھ اور ہے اب عالم ایجاد کا عالم
بیٹھا ہوں نظر نیچی کئے سر کو جھکائے
گلشن میں ہے اب خانۂ صیاد کا عالم

ترک دنیا کر نہ ہر لذت کو چھوڑ
معصیت کو ترک کر غفلت کو چھوڑ
نفس و شیطاں لاکھ درپے ہوں مگر
تو نہ ہرگز ذکر اور طاعت کو چھوڑ

مستی ترے اندر ہے مگر نور نہیں ہے
جلووں سے یہ مستی ابھی معمور نہیں ہے
وابستہ کر اب عشق کو تو حسن سے مجذوب
وہ جان سے بھی پاس ہے کچھ دور نہیں ہے

طبیعت کی رو زور پر ہے تو روک
نہیں تو یہ سر سے گذر جائے گی
ہٹا لے خیال اس سے کچھ دیر کو
چڑھی ہے یہ ندی اتر جائے گی

جذبات ہی پہ اپنے نہ مجذوب شاد رہ
جذبات ہیچ ہیں جو مرتّب عمل نہ ہو
کتنے ہی خوشنما ہوں فریب نظر سمجھ
جھوٹے ہیں پھول بعد کو پیدا جو پھل نہ ہو

اُس شمع رو سے ہاں یونہی بس لو لگائے رکھ
پروانہ اپنے آپ کو اُس کا بنائے رکھ
جس شکل سے ہو جیسا ہو جس طرح بن سکے
ہٹنے نہ پائے اُس کا تصور جمائے رکھ

چھوڑ مینا و جام کی باتیں
اب ہوں پیری میں کام کی باتیں
دن کی باتوں کا اب یہ وقت نہیں
شام ہے اب ہوں شام کی باتیں

کچھ خبر بھی ہے تجھے اے تشنہ کام زندگی
ہو چکا ہے پُر، چھلکنے کو ہے جام زندگی
جو تجھے کرنا ہے کر لے آخری سانسیں ہیں اب
بھیس میں اس صبح پیری کے ہے شام زندگی

اب اور ہی کچھ ہے مرے دن رات کا عالم
ہر وقت ہے اک اُن سے مناجات کا عالم
اب دل میں شب و روز جو ہے اُن کا تصوّر
فرقت میں بھی رہتا ہے ملاقات کا عالم

نقل ارشادات مرشد می کنم
انچہ مردم می کنند بوزینہ ہم
اصل کی برکت سے لیکن کیا عجب
نقل میں بھی ہو وہی فیض اَتم

لطف دنیا کے ہیں کئی دن کے لئے
کھو نہ جنت کے مزے ان کے لئے
یہ کیا اے دل تو بس پھر یوں سمجھ
تو نے ناداں گل دیئے تنکے لئے

لب پہ ذکر اللہ کی تکرار ہو
دل میں ہر دم حق کا استحضار ہو
اس پہ تو کر لے اگر حاصل دوام
پھر تو بس کچھ دن میں بیڑا پار ہو

چار شرطیں لازمی ہیں استفاضہ کیلئے
اطلاع و اتباع و اعتقاد و انقیاد
یہ مقفّٰی قول ہے رنگین بھی سنگین بھی
حضرت مرشد کا یہ ارشاد رکھ تا عمر یاد

بڑے اُکتاؤ نہ تم مجذوب کی
پھر یہ سُن پاؤ گے افسانہ کہاں
کر رہا ہے فاش رازِ حسن و عشق
پھر ملے گا ایسا دیوانہ کہاں

مجذوبؔ آپ کیا تھے اور ایسے کہاں کے ہیں
یہ سب فیوض حضرتِ مغاں کے ہیں
ان مست انکھڑیوں کی ہیں یہ ساری بخششیں
سامانِ عیش دل میں جو دونوں جہاں کے ہیں

میں یہ کب کہتا ہوں زہد و ہوش سے بیگانہ بن
ہاں مگر مجذوبؔ سا تو زاہد و فرزانہ بن
عشق سے بھی آشنا کر اپنے زہد و ہوش کو
زاہد مستانہ بن فرزانۂ دیوانہ بن

مجذوبؔ اُن کا بن کے میں مطلق خجل نہیں
آشفتہ سر تو ہوں مگر آشفتہ دل نہیں
آلودہ آب و گِل سے مرا جسم ہے تو ہو
روحِ لطیف پر اثرِ آب و گِل نہیں

ہجر میں جب منہ سے نکلا یا حبیب
دل سے اک آئی صدا اِنّی قریب
اور میری سننے والا کون ہے
سُن ترے قربان اے میرے مجیب

قیس و فرہاد بنے بلبل و پروانہ بنے
عاشقی میں کوئی کیا کیا بنے کیا کیا نہ بنے
مجھ سے پوچھو تو بنے اور نہ کچھ بھی کوئی
عشق کرنا ہو تو مجذوب سا دیوانہ بنے

بے خبر ننگ سے ناموس سے بیگانہ بنے
جس کو مجذوب کا بننا ہو وہ دیوانہ بنے
سن لیں ہاں سب علی الاعلان کہے دیتا ہوں
جس کو دیوانہ نہ بننا ہو وہ اس کا نہ بنے

فیضان وہ علوم و نکاتِ عجیب کا
مجمع وہ شیخ و شاب و امیر و غریب کا
اب اور کوئی بزم نگاہوں میں کیا جچے
دیکھے ہوئے ہوں رنگ میں بزم حبیب کا

معمور یادِ یار ہیں اوقات آج کل
ڈوبے ہوتے ہیں کیف میں دن رات آج کل
فیضِ یقیں سے قلب ہے محوِ مشاہدہ
وسواس ان دنوں ہیں نہ شبہات آج کل

دیوانہ کس بلا کا ہے دیوانہ آج کل
چھوڑا جہاں میں کوئی نہ فرزانہ آج کل
مجذوبؔ ہی کی حلقہ بگوشی میں سب ہوتے
دنیا ہے اہلِ عقل سے بیگانہ آج کل

وہ ملتفت ہے نرگسِ مستانہ آج کل
سرشاریاں ہیں بے مے و میخانہ آج کل
مجذوبؔ خستہ حال کی خوشحالیاں نہ پوچھ
کیا کیا ہیں ان کے لطفِ کریمانہ آج کل

مجذوبؔ کو کہاں تھا یہ احساسِ زندگی
کچھ ہوش میں ہے کیا ترا دیوانہ آج کل
وحشت ہے گھر سے، انس ہے صحرا سے ان دنوں
یکساں نہیں ہیں خانہ و ویرانہ آج کل

پوچھو نہ جوشِ مستی دیوانہ آج کل
صد شیشہ در بغل ہے یہ مستانہ آج کل
بزمِ جہاں میں دَور ہے مجذوبِ مست کا
خالی رہے گا کیا کوئی پیمانہ آج کل

اللہ رے جذبِ حیرت دیوانہ آج کل
گھیرے ہوئے ہیں جاہل و فرزانہ آج کل
مجذوبؔ لَو لگائے جو بیٹھا ہے یار سے
اِک شمع بن رہا ہے یہ پروانہ آج کل

حاوی جہاں پہ ہے دلِ مستانہ آج کل
اِک جامِ جم ہے یہ مرا پیمانہ آج کل
باوصف اختلافِ طبائع پسند ہے
میرا ہی سب کو مشربِ رندانہ آج کل

انوارِ مے سے دل ہے پری خانہ آج کل
صد شمع در بغل ہے یہ پروانہ آج کل
جاذب ہزار حُسن ہوا اٹھتی نہیں نظر
مجذوبؔ ہر حسین سے ہے بے گانہ آج کل

ساری فضائے دہر ہے مستانہ آج کل
دورِ فلک ہے گردشِ پیمانہ آج کل
ہر شے میں کیف ہے جو طبیعت میں کیف ہے
سارا جہاں نظر میں ہے میخانہ آج کل

فطرت ہے مست، روح ہے مستانہ آج کل
شیشہ ہے قلب دیدہ ہے پیمانہ آج کل
دورانِ خوں میں کیف ہے دورِ شراب کا
مجذوبؔ اپنا آپ ہے میخانہ آج کل

دل کس نگار کا ہے جلوخانہ آج کل
نظریں ہیں عرش پر بھی حریفانہ آج کل
ہر دم ہے ایک بارشِ انوار قلب پر
ہر وقت ہے تصوّرِ جانانہ آج کل

مجذوبؔ بے نوا کا یہ اللہ رے دماغ
کس کا ہے مستِ ناز یہ دیوانہ آج کل
لاتا بڑے بڑوں کو یہ خاطر میں اب نہیں
تیور ہیں اس فقیر کے شاہانہ آج کل

مجذوبؔ ہے بس اب مے و پیمانہ آج کل
کیا کیا ہیں پی کے نعرۂ مستانہ آج کل
حسرت یہ ہے کہ دیکھتے اے کاش آپ بھی
جس کیف میں ہے آپ کا دیوانہ آج کل

مسجد بھی ہے نگاہ میں میخانہ آج کل
تسبیح بھی ہے گردشِ پیمانہ آج کل
اللہ رے جوشِ مستیٔ مجذوبؔ ان دنوں
دیوانہ ہو رہا ہے یہ مستانہ آج کل

مجذوبؔ ماسوا سے ہے بیگانہ آج کل
تیری ہی دُھن میں ہے ترا دیوانہ آج کل
اک تجھ سے باخبر ہے بس اور سب سے بے خبر
کیا ہوش مند ہے ترا دیوانہ آج کل

مجذوبؔ کو کسی کا نہیں ہوش ان دنوں
جانے یہ کس کی دھن میں ہے دیوانہ آج کل
احباب و اقربا نہ ہوں شاکی غریب سے
یہ اپنے آپ سے بھی ہے بیگانہ آج کل

ہو حق ہے اب، نہ محفل رندانہ آج کل
ساقی نہیں تو سرد ہے میخانہ آج کل
بے شمع کی بھی بزم، کوئی بزم میں ہے بزم
رونق ہے کچھ نہ کوئی ہے پروانہ آج کل

اہل جہاں سے لاکھ ہے بیگانہ آج کل
خلق خدا ہے پھر بھی تو پروانہ آج کل
مجذوبؔ کی طرف نہ کھنچیں کیوں سبھی کے دل
جانِ جہاں کی دُھن میں ہے دیوانہ آج کل

مستی پہ ہے بہت دل مستانہ آج کل
خم خانہ در بغل ہے یہ پیمانہ آج کل
کیفیت وفراخیِ ذوق نظر نہ پوچھ
سارا جہاں مجھے تو ہے میخانہ آج کل

رہتی ہے دُھن تری ہمہ اوقات آج کل
کھویا ہوا سا رہتا ہوں دن رات آج کل
کیا جانے کیا جواب دوں کیا جانے کیا سنوں
مجھ سے کوئی کہے نہ کوئی بات آج کل

دن رات میں ہوں اور ہے ویرانہ آج کل
تیری ہی دُھن میں ہے ترا دیوانہ آج کل
اب دوستی رہی ہے کسی سے نہ دشمنی
کوئی جہاں میں اپنا نہ بیگانہ آج کل

دل ہو رہا ہے عشق کا خُمخانہ آج کل
اللہ رے یہ وسعتِ پیمانہ آج کل
مجذوب کی طرف کھنچے آتے ہیں رندِ مست
صد جامِ جم بکف ہے یہ مستانہ آج کل

بے صدر کی ہے محفلِ رندانہ آج کل
بے وقت کا ہے نعرۂ مستانہ آج کل
پیرِ مغاں کے دم سے تھا سب نظمِ مے کدہ
میخانہ کیا ہے کھیل ہے میخانہ آج کل

ہر ماسوا سے دل جو ہے بیگانہ آج کل
سارا جہاں نظر میں ہے ویرانہ آج کل
جچتا نہیں نگاہِ حقیقت شناس میں
میخانہ ان دنوں نہ پری خانہ آج کل

مجذوبؔ کی طرف کھنچے آتے ہیں سب حسین
دُھن میں ہے اک حسیں کی جو دیوانہ آج کل
بیٹھا ہے لو لگائے جو اک رشکِ شمع سے
شمعوں سے گھر رہا ہے یہ پروانہ آج کل

کتنا ہے دہر، دین سے بے گانہ آج کل
کتنا ہے قحطِ عاقل و فرزانہ آج کل
صد حیف رہنمائیِ راہ خدا کرے
مجذوبؔ بے خبر سا بھی دیوانہ آج کل

دل ہے جو پیشِ نرگسِ مستانہ آج کل
پیمانہ ہے یہ رد کشِ خُم خانہ آج کل
آتا ہے جی میں سارے جہاں کو چھکا دیئے
مستی میں جوش اٹھتے ہیں کیا کیا نہ آج کل

آپے میں کب ہیں عاقل و فرزانہ آج کل
سب ہوش سے ہیں دیکھتے بیگانہ آج کل
دیوانہ وار گھیرے ہیں مجذوبؔ کو سبھی
دیوانہ کس بلا کا ہے دیوانہ آج کل

اللہ رے جلوہ بخشی جانانہ آج کل
دل اپنا بن رہا ہے پری خانہ آج کل
مجذوبؔ سے بھی پاتے ہیں نورانیت قلوب
ہے نور پاش نور سے بیگانہ آج کل

مرغوب زاہدان مقدس کو بھی تو ہے
مجذوبؔ ہی کا مشرب رندانہ آج کل
ساتھ اس کے وہ بھی دیکھئے رقصاں ہیں ان دنوں
کس جوش پر ہے مستی مستانہ آج کل

فکروں سے دور، غم سے ہے بیگانہ آج کل
ہر وقت ہے تصور جانانہ آج کل
مجذوبؔ اب گذار عبادت میں عمر تو
واجب ہے تجھ پہ سجدۂ شکرانہ آج کل

پیر مغاں نہ حلقۂ رندانہ آج کل
ساقی نہ خم نہ شیشہ نہ پیمانہ آج کل
ہو حق نہ شور و نعرۂ مستانہ ان دنوں
میخانہ کیوں کہو یہ ہے ویرانہ آج کل

وہ پیرِ مے کدہ نہ وہ خُم خانہ آج کل
بس رہ گئے ہیں ساقی و پیمانہ آج کل
وہ کیف رقص و نعرۂ مستانہ اب کہاں
پھیکا ہے رنگ محفل رندانہ آج کل

مجذوبؔ شعر کہتا ہے روزانہ آج کل
دیواں کی فکر میں ہے یہ دیوانہ آج کل
ترتیب دے رہا ہے وہ عشاق کے لئے
اپنے جنونِ عشق کا افسانہ آج کل

ہر دم اُنہی کا دل پہ مسلّط خیال ہے
ہر ماسوا کا اب تو خیال اک وبال ہے
مجذوبؔ کا جو حال ہے کیف اس کا کچھ نہ پوچھ
ہر دوست کو عطا ہو، میسّر وہ حال ہے

حکیم الامّتم رفت و من دارفتہ حیرانم
کہ نتواں پیش کس بردن چنیں حال پریشانم
مریضم مبتلائے دل کجا جویم دوائے دل
کجا یابم شفائے دل زعلتہائے پنہانم

فکرِ دنیا تجھ کو صبح و شام ہے
اس سے غفلت ہے جو اصلی کام ہے
کچھ دنوں سہہ لے مشقت دین کی
پھر تو بس آرام ہی آرام ہے

مجذوبؔ آپ کیا ہیں اور ایسے کہاں کے ہیں
یہ سب فیوض حضرت پیرِ مغاں کے ہیں
اُن مست انکھڑیوں کی ہیں ساری یہ بخششیں
سامانِ عیش دل میں جو دونوں جہاں کے ہیں

شاق ہجر وصل ہے بعد وصال
قدر نعمت کی ہوئی بعد زوال
دل میں رہتے ہیں اسی انداز سے
کر گئے ہیں گو جہاں سے انتقال

علامت کونسی پیری کی اب پائی نہیں جاتی
مگر نغمہ سرائی محفل آرائی نہیں جاتی
بڑھاپے میں بھی جاتی ہے دل رنگیں کی رنگینی
خزاں سے اس گل رعنا کی رعنائی نہیں جاتی

حقیقت حُسن کی لب پر کبھی لائی نہیں جاتی
سنی جاتی ہے یہ آواز دہرائی نہیں جاتی
کرآنکھیں بندلب سی، غورکر دل میں ذرا اپنے
سمجھ میں آپ آتی ہے یہ سمجھائی نہیں جاتی

مرے نعرے سے مری ہنگامہ آرائی نہیں جاتی
نہیں جاتی مری یہ ناشکیبائی نہیں جاتی
کوئی حد ہے کہ وہ بھی آج تو پردہ سے بول اٹھے
ارے شورش تری مجذوبِ سودائی نہیں جاتی

نفعِ دینی دیکھ تو دنیا کی بہبودی نہ دیکھ
مرضیٔ حق پر نظر کر اپنی بہبودی نہ دیکھ
تو اکیلا تیرے دشمن سیکڑوں یہ بھی نہ دیکھ
قدرتِ حق پر نظر کر اپنی کمزوری نہ دیکھ

بہت خوار تھا میں بہت خوار ہوں میں
مگر اب تو آئینۂ یار ہوں میں
میں مجذوب اب بھی ہوں محبوب سب کا
نہیں اب جو دلدار، دلدار ہوں میں

حرص و ہوا میں اے بشر قلب کو مبتلا نہ کر
بخشش رب ہے یہ گہر اس کی چمک فنا نہ کر
کرنہ خراب آب و گِل تا نہ ہو پیشِ حق خجل
دل کو لگا بہ کارِ دل حسرت ماسوا نہ کر

جِلا کردۂ دستِ دلدار ہوں میں
سیہ دل تھا یا اب پر انوار ہوں میں
سنوارا ہے کس درجہ بگڑے ہوئے کو
مجھے دیکھ آئینۂ یار ہوں میں

ظاہر و باطن کا ہر چھوٹا گناہ
اس سے بچ رہرو کہ ہے وہ سدِّ راہ
لب پہ ہر دم ذکر بھی ہو دل میں ہر دم فکر بھی
پھر تو بالکل راستہ ہے صاف تا دربارِ شاہ

تربیت دیکھ تیری مضمر ہے
مختلف واقعاتِ عالم میں
تنگ نیرنگیِ جہاں سے نہ ہو
شکر شادی میں صبر کر غم میں

جو بھی عالم میں ترا عالم رہے
بس سرِ تسلیم تیرا خم رہے
عشق میں جب تک ہے تیرے دم میں دم
بس تصورِ یار کا ہر دم رہے

اک بے تعلقی سی بس اب ہر کسی سے ہے
اک ربط مستقل جو میسّر کسی سے ہے
اے وہ کہ جس نے خلق سے بیزار کر دیا
امید ہے کسی سے نہ اب ڈر کسی سے ہے

حاضر یہ شرمسار ہے سر اپنا خم کیے
آنکھوں کو اپنی اشک ندامت سے نم کیے
ناشکریوں پہ اپنی گڑگڑا رہا ہوں میں
اتنے کرم کیے ہیں کہ گویا ستم کیے

کچھ خبر بھی ہے تجھے اے تشنہ کامِ زندگی
ہو چکا پُر اب چھلکنے کو ہے جامِ زندگی
جو تجھے کرنا ہے کر لے آخری سانسیں ہیں اب
بھیس میں اس صبحِ پیری کے ہے شامِ زندگی

ہوس ہے وصل کی تو وصل کا سامان پیدا کر
ابھی آتا ہے وہ آغوش میں ارمان پیدا کر
نہ ہنس اے معترض مجذوب کی پہچان پیدا کر
سمجھ داروں میں رہ کر کچھ سمجھ نادان پیدا کر

منعم بے خبر نہ ہنس میرے شکستہ حال پر
تیری نظر ہے مال پر میری نظر مآل پر
مچلے نہ کیوں مری نظر باغ کے ہر نہال پر
جھومتا ہوں پھول پھول پر چہکتا ہوں ڈال ڈال پر

ہوش میں مجذوبؔ آ ہشیار ہو
حد سے گذری غفلت اب بیدار ہو
عمر سی انمول شئے ضائع نہ کر
آخرت کے واسطے تیار ہو

مجذوبؔ ابھی تو ہے زباں کا سخن آرا
خاموش ہو دل کا بھی ہو اب انجمن آرا
دیکھ آکے ذرا غیرتِ صد بزم ہے خلوت
باز آ کہ بہت دن تو رہا انجمن آرا

یہ مانا کہ ہے عشق میں جوش لازم
مگر رہ نہ مجذوبؔ تو جوش ہی پر
بنے گا نہ بے ہوش ارے کام تیرا
کہ تکمیل موقوف ہے ہوش ہی پر

منبع صد کرم ترا لطف بھرا عتاب تھا
سارے تعلقات کا ایک وہ فتح باب تھا
دیکھا جو چشم غور سے بحرِ جہاں سراب تھا
سمجھے تھے جس کو واقعہ آنکھ کھلی تو خواب تھا

یہ بنی دنیا برائے دردِ دل
یا یہ ہے ہر شے برائے دردِ دل
عیشِ دنیا کیا ہمیں مرغوب ہو
ہم ہیں لذت آشنائے دردِ دل

کہاں آکر پھنسے مجذوبؔ تم غفلت شعاروں میں
تمہیں تو ہم سمجھتے تھے نہایت ہوشیاروں میں
بہاریں لٹ گئیں دل کی یہاں رہ کر بہاروں میں
ہزار اچھا تھا اس سے تو وہ رہنا اپنا خاروں میں

کس کام کا وہ دل ہے کہ جس دل میں تو نہ ہو
بس نام کا وہ گل ہے کہ جس گل میں بو نہ ہو
حجروں میں لاکھ بیٹھئے خلوت مگر کہاں
جب تک کہ جان و دل میں بسا تو ہی تو نہ ہو

چاہتا ہے دل وہی کیف آفریں ماحول پھر
وہ بہاریں اب کہاں جو ہائے میخانے میں تھیں
مستیاں ہر سو برستی تھیں در و دیوار سے
اور وہ کیفیتیں سو خم کی پیمانے میں تھیں

راہبر تو بس بتا دیتا ہے راہ
راہ چلنا راہ رو کا کام ہے
تجھ کو رہبر لے چلے گا دوش پر ؟
یہ ترا، رہرو خیال خام ہے

کیا خستہ حال دیکھتے ہو مجھ غریب کا
مجھ سا بھی کوئی ہو گا نہ اچھا نصیب کا
مجذوب و مست و بیخودِ حیرت تو ہوں مگر
آئینۂ جمال ہوں اپنے حبیب کا

ہٹتا نہیں خیال کسی دم حبیب کا
وہ مست ہوں میں نغمۂ اِنیّ قریب کا
مجذوب خستہ حال سمجھتے ہیں سب جسے
کیا جانے حال خوش کوئی اس خوش نصیب کا

اس انہماک شعر میں سچ ہے یہ معترض
اپنی خبر نہ پاس عزیز و قریب کا
مجذوب کو مگر نہیں مقصود شاعری
کوئی بہانہ چاہیئے ذکر حبیب کا

گو حال تو ہے خستہ بہت مجھ غریب کا
ذِلّہ ربا مگر ہوں میں خوان حبیب کا
محروم فیضِ شاہ سے یہ بھی گدا نہیں
پایا در حبیب سے جو تھا نصیب کا

اے مالک قضا و قدر جان و دل سے میں
راضی ہوں اس پہ جو بھی لکھا ہو نصیب کا
رو، رو کے عرض ہاں! باادب یہ ضرور ہے
ٹھنڈا نہ ہونے پائے کلیجہ رقیب کا

رہبر جو ڈھونڈتا ہے دیارِ حبیب کا
ہرگز نہ دیکھ فرق امیر و غریب کا
مجذوب کا رفیق ہو سالک کا ساتھ چھوڑ
آ اس طرف کہ جذب ہے رستہ قریب کا

شیطان و نفس دونوں ہیں دشمن ترے مگر
دشمن وہ دور کا ہے یہ دشمن قریب کا
اس مارِ آستیں کا نہ کچلا جو سر تو پھر
منتر ہو کارگر نہ مداوا طبیب کا

تجھ کو جو چلنا طریقِ عشق میں دشوار ہے
تو ہی ہمت ہار ہے ہاں تو ہی ہمت ہار ہے
ہر قدم پر تو جو رہرو کھا رہا ہے ٹھوکریں
لنگ خود تجھ میں ہے ورنہ راستہ ہموار ہے

کر نفس کا مقابلہ ہاں بار بار تو
سو مرتبہ بھی ہار کے ہمت نہ ہار تو
اس کو پچھاڑ کے بھی نہ پچھڑا ہوا سمجھ
ہر وقت اس پچھیت سے رہ ہوشیار تو

رکھ ہمیشہ نظر میں دو باتیں
اے دو عالم کی خیر کے طالب
طبع غالب نہ عقل پر ہو کبھی
اور نہ ہو عقل شرع پر غالب

مرے سب درد کھوئے درد دل نے
یہی درماں بھی ہے آزار بھی ہے
محبت کو جو دیکھے جس نظر سے
یہی پُرخار بھی گلزار بھی ہے

طلب تیری مجذوب اگر تام ہو
ابھی زیب پہلو دل آرام ہو
یہ کوشش جو تیری ہے کوشش نہیں
وہ کوشش ہی کب ہے جو ناکام ہو

"مطرب خوشنوا بگو تازہ بتازہ نو بہ نو"

چپ نہ ہو ہائے چپ نہ ہو گائے جا ہائے گائے جا
کیف نہ ہونے پائے کم پاس نہ آنے پائے غم
اے میرے دافع الم نغمہ یہیں سنائے جا

قبول عشق میں مطلوب ہے وصول نہیں
وصول ہیچ ہے مجذوب اگر قبول نہیں
وصول اس کو نہ ہرگز سمجھ فضول ہے وہ
ہو لاکھ ایسا وصول اس میں کچھ حصول نہیں

ترا آستاں اب کہیں چھوٹتا ہے
جدھر آ گئے ہم ادھر آ گئے ہم
نہ اب بت پرستی نہ اب مے پرستی
یہ سب چھوڑ کر تیرے گھر آ گئے ہم

مرا نقش ہستی نہیں مٹنے والا
بتوں کے مٹائے یہ مٹتا نہیں ہے
مٹانے میں اِس کے وہ مٹ جائیں گے خود
کہ یہ نقشِ سجدہ ہے قشقا نہیں ہے

یہ کِس نے زمانے سے پھیریں نگاہیں
یہ دنیا میں کیا انقلاب آ رہا ہے
جو رات آ رہی ہے بُری آ رہی ہے
جو دن آ رہا ہے خراب آ رہا ہے

نظمِ جہاں میں ہر طرف اب اختلال ہے
عالم تمام مظہرِ شانِ جلال ہے
کچھ اس کا لطف اہل محبت سے پوچھئے
شانِ جلال بھی انہیں شانِ جمال ہے

مجذوبؔ ہے اب جلوۂ مستانہ کسی کا
وہ اب نہیں اپنا ہو کہ بیگانہ کسی کا
وہ بزم ہے اور اِک نئی ہر سو ہے تجلی
شمعوں سے گھرا بیٹھا ہے پروانہ کسی کا

اشک یوں ہی بہائے جا دل کی لگی بجھائے جا
آہیں بھی کھینچ کھینچ کر آتشِ غم بڑھائے جا
حسنِ تماشہ دوست کو عشقِ کرشمہ ساز تو
کھیل یہی نئے نئے شام و سحر دکھائے جا

جائے جسے مجذوبؔ نہ زاہد نظر آئے
بھاتے نہ جسے رند وہ پھر کیوں ادھر آئے
سو بار بگڑنا جسے منظور ہو اپنا
وہ آئے یہاں اور بچشم دبہ سر آئے

وساوس جو آتے ہیں اس کا ہو غم کیوں
عبث اپنے جی کو جلانا بُرا ہے
خبر تجھ کو اتنی بھی ناداں نہیں ہے
وساوس کا لانا کہ آنا بُرا ہے

مطرب خوش نوا ترا دونوں جہاں میں ہو بھلا
روزِ الست جو سنا، نغمہ وہی سنائے جا
یہ تری شانِ آب و گلِ تجھ سے ملک بھی ہیں خجل
جس نے دیا ہے دردِ دل گیت اسی کے گائے جا

ہاں مجھے مثلِ کیمیا خاک میں تو ملائے جا
شان مری گھٹائے جا رتبہ مرا بڑھائے جا
سب ہوں حجاب برطرف دیکھوں تجھی کو ہر طرف
پردے یہیں اٹھائے جا، جلوے یہیں دکھائے جا

طُرقِ عشق جو ہیں سب کا خلاصہ اے دل
بس یہ ہے یار سے غافل نہ کسی آن رہے
اس کا اک گُر تجھے تلقین کئے دیتا ہوں
ذکر اور فکر رہے دُھن لگے اور دھیان لگے

دل تجھ کو دیا حق نے تو حق اس کا ادا کر
سب چھوڑ خیالات بس اب یادِ خدا کر
اللہ نے بخشے تجھے اعضاء پئے طاعت
کر ایک یہی کام نہ کچھ اس کے سوا کر

حقیقت مجذوب

مجھے بے عقل اور اپنے کو تم دانا سمجھتے ہو
مجھے ادنیٰ اور اپنے آپ کو اعلیٰ سمجھتے ہو
میں کیا ہوں اور مجھ مجذوب کو تم کیا سمجھتے ہو
وہی اصل خرد ہے جس کو تم سودا سمجھتے ہو

اگرچہ بیخود و مستم ولے ہشیار می گردم
بباطن شاہ کونینم بظاہر خوار می گردم

زخمِ بے نشاں

(سوز شاہجہانپوری)

هونك ليس يرد الدمع ما فاتا
لا تهلكي اسفاً في اثر من ماتا

خواجہ مجذوبؒ کے صاحبزادے عزیز القدر خواجہ ولی الحسن غوری کے سانحۂ ارتحال کے بعد دیوان کا کام رک گیا ان کی ناوقت موت سے جی چھوٹ گیا حالانکہ یہ انسان کی کج فہمی ہے کہ معاملات قضا و قدر میں اپنے وضع کئے ہوتے پیمانوں سے وقت اور ناوقت کو ناپتا ہے بہرحال!

اب تقریباً سات آٹھ ماہ کے بعد حضرت مجذوبؒ کے پوتے عزیزی خواجہ فضل الحسن غوری کے بار بار توجہ دلانے پر پھر یہ کام لے کر بیٹھا اور الحمدللہ! کسی نہ کسی طرح مکمل ہو ہی گیا۔ ولی مرحوم کی زندگی ہی میں قریب قریب سارا کام ختم ہوچکا تھا صرف نظر ثانی اور چھپائی کا کام رہ گیا تھا گویا میری حد تک کتاب کی نوک پلک درست کرنا باقی تھا اور اس کے آگے چھپائی وغیرہ اور دوسری ضرورتیں ولی مرحوم کے ذمہ تھیں کہ ناگہاں وہ داغ مفارقت دے گئے یہاں پر جی چاہتا ہے کہ اُن کی موت پر دو چار جملے تفصیلاً لکھوں تاکہ یہ سانحہ بھی حضرت مجذوبؒ کے دیوان کا ایک مختصر سا حصّہ بن جائے جس شب ولی مرحوم اس دُنیا سے سدھارے اسی شب کے ابتدائی حصّے میں تقریباً دس بجے مجھ سے ٹیلی فون پر گفتگو ہوئی اپنی مصروفیت اور کتاب کا کام آگے نہ بڑھنے پر مجھ سے حسب معمول معذرت کی اور میں نے بھی حسب معمول اپنی خفگی کا اظہار کیا کہ میاں! اپنے سارے کام مؤخر کرو اور دیوان کو مقدم رکھو وغیرہ اور جناب تین گھنٹے کے بعد معلوم ہوا کہ ولی صاحب آناً فاناً ایک دو لمحوں ہی میں اپنے خالق حقیقی سے جا ملے —

کلّ من علیہا فانٍ وّیبقٰی وجہ ربک ذوالجلال والاکرام

عجیب بات ہے کہ تقریباً چونتیس پینتیس سال کے بعد اس اہتمام سے مکمل دیوان کے جب چھپنے کا وقت آیا تو خود چھپوانے والا اللہ کو پیارا ہو گیا اللہ اللہ! کس ولولے اور جذبے سے مرحوم نے مجھ سے یہ کام شروع کرایا اور کس قدر خوشی تھی انہیں اس کے مکمل ہونے کی اور کیسی تندہی سے تقریباً دو سال اس میں لگے رہے یہ بھی صحیح ہے کہ بیچ بیچ میں کچھ مکروہات دنیا سے بھی واسطہ پڑتا رہا جس کی وجہ سے اس کام میں رکاوٹ ہوتی رہی جس پر مرحوم میری سخت گیری بھی برداشت کرتے رہے اور اب جبکہ ان کا شروع کیا ہوا کام اختتام کو پہنچا تو وہ خود موجود نہیں ہیں اللہ پاک انہیں جزائے خیر عطا فرمائیں اور اپنی رحمت سے نوازیں آمین۔ مرنے والوں کی یاد بھی دل والوں کے لئے سرمایۂ حیات سے کم نہیں ہے ؎

گرچہ دوریم بیاد تو قدح می نوشیم　　　بُعدِ منزل نہ بود در سفر روحانی

دلی مرحوم کی زندگی ہی میں اس دیوان کی ترتیب و انتخاب کے دوران یہ طے پایا کہ دیوان کی اشاعت سے پہلے مجذوبؔ کے سو شعر ایک کتابچہ کی صورت میں شائع کئے جائیں تاکہ اہل ذوق حضرات کے ذہنوں میں حضرت مجذوبؔ اور اُن کی شاعری کی یاد تازہ ہو جائے چنانچہ اس نقطۂ نظر کو سامنے رکھ کر مجذوبؔ کے سو شعر کے عنوان سے ایک کتابچہ منظر عام پر آیا اور اس کی تعارفی تقریب پریس کلب کراچی میں منعقد ہوئی علماء و فضلا کے اس اجتماع میں حضرات مقررین نے اپنے اپنے ذوق اور انداز کے مطابق حضرت خواجہ مجذوبؔ کی شاعری کو خراج تحسین ادا کیا قومی پریس نے بھی بیش بہا تبصرے چھاپے، کالم نویس حضرات رئیس امروہوی، نصراللہ خاں، ابن انشا اور دوسرے صحافیوں نے خواجہ صاحب کی شاعری کا حق ادا کیا اور انہیں اپنے دور کا باکمال شاعر قرار دیا اس حسین و جمیل کتابچے کی اشاعت نے حسب دل خواہ نتائج مرتب کئے

جس سے ولی مرحوم کی بڑی حوصلہ افزائی ہوئی مگر اس سلسلے میں اپنوں کی طرف سے بے محل کچھ تلخ نوائیاں بھی برداشت کرنا پڑیں میرے نزدیک اُن میں سے دو ایک کا ذکر کچھ یہاں نامناسب نہ ہوگا پہلا اعتراض تو "سو شعر" پر تھا کہ لفظ سَو کے ساتھ صیغہ واحد کیوں استعمال کیا گیا جمع کا صیغہ یعنی اشعار کیوں نہیں استعمال کیا گیا راقم الحروف صرف اتنا ہی عرض کرنا چاہتا ہے کہ متحدہ ہندوستان کے آخری دور میں میر کے سو شعر۔ غالب کے سو شعر۔ مومن کے سو شعر۔ فانی کے سو شعر۔ اصغر کے سو شعر۔ جگر کے سو شعر (کہاں تک گنواؤں) جب چھپے تو کسی گوشے سے بھی یہ واحد و جمع کا مہمل اعتراض نہیں اٹھایا گیا حالانکہ اس وقت متحدہ ہندوستان کے دیوپیکر ادبا، شعراء، نقاد اور فضلائے ادب موجود تھے مگر کسی کو بھی یہ واحد و جمع کی تفریق نہ سوجھی اور یہی علمائے ادب ان متذکرہ کتابچوں کے مرتبین بھی تھے جن میں علامہ نیاز فتح پوری سرفہرست ہیں مگر وائے برحال ما کہ مجذوب کے سو شعر اس قحط الرجال میں اس دور کی "بالغ نظری" کے لئے اعتراض کا سبب بنے۔ ایک دوسرے گوشے سے آواز آئی کہ خواجہ صاحب نے اپنے شعروں میں جہاں جہاں "شیشہ وجام" استعمال کیا ہے ہم نے اُسے "بادہ وجام" سے بدل دیا ہے اس لئے کہ شیشے کے معنیٰ بھی جام اور جام کے معنیٰ بھی جام! ماشاءاللہ کیا سخن فہمی ہے!! سچ کہا ہے مولانا جامیؒ نے کہ "شعر مرا بمدرسہ کے برد"۔

اجی حضرت سلامت! شیشہ اُس ظرف کو کہتے ہیں جس میں شراب رکھی جاتی ہے جسے عام اصطلاح میں بوتل بھی کہتے ہیں شیشہ وجام ہم معنیٰ ہرگز نہیں ہیں یہ اصلاح خواجہ صاحب ایسے نازک مزاج شاعر پر ظلم ہے۔ اس کتابچہ کی ترتیب و انتخاب کا کام بھی چونکہ میرے ہی سپرد تھا اس لئے جواب دہی کا بار بھی بڑی حد تک مجھ ہی پر رہا لہٰذا ضروری ہوا کہ میں اس

بوجھ سے کسی حد تک سبکدوش ہو جاؤں۔ اعتراض تو اور بھی ہیں مگر میں انہیں قابلِ اعتنا نہیں سمجھتا۔

"مجذوبؒ کے سو شعر" کی اشاعت سے لیکر اس دیوان کی "تکمیل" تک زبان و بیان کے جو تیر و نشتر چلتے رہے اُن کے متعلق شیخ سعدیؒ کی زبان میں بس اتنا ہی عرض کرتا ہوں کہ ؎

ہمہ از دستِ غیر نالہ کنند
سعدی از دستِ خویشتن فریاد

مجذوب کے نئے سو شعر

حضرت مجذوبؒ کی نظموں کا مجموعہ

انشاء اللہ عنقریب زیورِ طباعت سے آراستہ ہو کر
منظرِ عام پر آئے گا!

قطعہ
کسبِ دنیا تو کر ہوس کم رکھ
اس پہ تو دین کو مقدم رکھ
دینے لگتا ہے پھر دھواں یہ چرا
اک ذرا اس کی لو کو مدھم رکھ
حضرت مجذوب